DUE DATE

Cl. No. ______ *Acc No.* ______

Late Fine Ordinary Books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1/-** per day. Over Night Book **Re. 1/-** per day.

دلگداز

جنوری (مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) سنہ ۱۹۰۷ء

نمبر ۱ ——— جلد ۱۱

ایڈیٹر مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

قیمت مع محصول مکمل پرچہ مضامین ناول و تاریخ سالانہ ے

ان میں سے کوئی دو جز لیے جائیں تو " [illegible]

اور کوئی ایک ہی جز لیا جائے تو " [illegible]

(قومی پریس)

لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے تصانیف موجودہ دفتر دلگداز

تاریخ اور لائف

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیاں جو بیت المقدس کی حکومت کے لیے صدیوں تک مسلمانوں اور عیسائیوں میں جاری رہیں مصنفہ مزاج انگریزی مورخ مسٹر کاکس کی کتاب کا ترجمہ مع نوٹس جو عربی تاریخوں سے لیے گئے ہیں۔ عہ

تاریخ سندھ جلد اول ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد بن قاسم تک۔ اس کے [illegible] سے نظر آسکتا ہے کہ فاتحین عرب نے سندھ میں کیا کیا۔ اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخوں کی نہایت قابل وثوق طریقہ سے تغلیط کی گئی ہے۔ عہ

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی آپ کی تعلیمیں آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفہ الٰہی۔

حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی۔ اس کی تعلیمیں اس کا علم وفضل اور اس کے جانباز فدائی۔

اسلامی سوانح عمری - علمائے اسلام کے جو حالات اخبار مہذب میں شائع ہوا کرتے تھے ان کی چند کاپیاں زائد چھپوالی جاتی تھیں جو اخباری تقطیع پر ہیں۔ چند ہی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ ۸ر

ملکہ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی نژاد ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی۔ اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ ۳ر

لارڈ بیکن - بانی فلسفہ جدیدہ کے حالات اور اس کا ۱۲ر

افسانۂ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی - جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شائع ہوئے تھے۔ ۲ر

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی کئی نمبروں پر تقسیم ہو کے دلگداز میں شائع ہوا تھا۔ اہل مطابع نے اسے جداگانہ چھاپ لیا۔ ۶ر

ناول

یوسف و نجمہ مکمل - اس کے چند ناتمام اوراق ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف سے تکمیل کا تقاضا تھا۔ اب فی الحال یہ مرتب ہو کے ایک جلد میں شائع ہوئے ہیں قیمت پوری کتاب کی جس میں ابتدائی حصہ بھی شامل ہے۔ عہ

شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی کے واقعات الینر ملکہ فرانس کی عشق بازیاں۔ مردوں کے پہلو میں زنانہ کیمپ اور اس کی سحر آفرینیاں۔ عجب مزے کا ناول ہے۔

فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ۔ جولین حاکم سندھ کی بیٹی۔ اس کے ساتھ شاہ اسپین کی دغا بازی۔ اور آخر ان مظالم کا مسلمانوں کے ہاتھ سے۔ عجب لطف کے ساتھ خاتمہ۔ صرف ملاحظہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے نیچرل واقعات میں کیسی جان ڈالی ہے۔

مقدس نازنین - ایک برٹن لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے میں ترقی کر کے پوپ منتخب ہو جانا مسند پاپائی پہ بیٹھ کے اس کا وضع حمل مسیحیوں میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھ سے اس کا نجات پانا۔

فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت آل امیہ میں عیسائیوں کی حالت۔ اور ان کا مجنونانہ جوش شہادت۔ ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا اور اس خرابی کا تعجب انگیز اور محو حیرت بنا دینے والا انجام۔

ایام عرب - دو حصے۔ جاہلیت عرب کے رسم رواج۔ شاعری اور بہادری۔ رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق۔ دو عربی شاہزادیاں

نیا سال اور نئی اُمنگ

دوستو - سال پلٹ گیا - اگر گذشتہ سال کو ہم نے رخصت نہین کیا تو اس نئے سال کا خیر مقدم تو ادا کر دین - اور ہم ہی پر موقوف نہین - زمانہ کا رنگ ہی کچھ ایسا ہو رہا ہے - بے وفائی اور احسان فراموشی اسقدر بڑھتی جاتی ہے کہ اب زبردست آنے والون کا استقبال بس دھوم دھام سے کیا جاتا ہے جانے والے اُس سرگرمی و جوش سے رخصت نہین کیے جاتے - اگلی شرافتون پر خاک پڑتی جاتی ہے - وہ بے لوث اور بے لوص کی محبتین دنیا سے مٹتی جاتی ہین اور صرف منہ دیکھے کی محبت اور غرض پرستی کا عمل رہ گیا ہے تو پھر ہماری یہ فروگذاشت کہ مرحوم سنہ ۱۹۰۶ء کی رخصت مین ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکلا اور نئے حکمران زمانہ سنہ ۱۹۰۷ سے مرحبا اور خوش آمدید کہنے لگے چاہے اگلے مرحوم و مغفور شرفا کے مذاق مین بداخلاقی ہو مگر موجودہ زمانے کا رنگ دیکھتے بے موقع اور ناموزون نہین ہے - ہماری حالت تو اب یہ ہو رہی ہے کہ یہ بھی غنیمت ہے کہ کچھ خوف خدا کر کے سنہ گذشتہ کی شکایتون کا دفتر نہین کھولتے - اور اتنا خیال دل مین باقی ہے کہ مرے ہوؤن کا ذکر خیر سے کرنا چاہیے -

خیر اب ان باتون کو چھوڑ کے نئے سال سے معانقہ استقبال کرنا چاہیے -

یون تو اب قریب قریب ہر سال اپنے ورود کے وقت کسی نئے جشن طرب کا سامان کر دیا کرتا ہے - اور بعد چاہے جو کچھ ہو قحط ہو - طاعون ہو - آفت ہو - مصیبت ہو مگر ابتدا نہ وار یون ہی سے ہوا کرتی ہے یہی شروع سال کا زمانہ تھا جب ہم نے

اپنے شہنشاہ کا جشن تاج پوشی منایا - یہی موسم اور یہی دن تھے کہ پارسال اسی بغیر یقینی رحمت ۱۹۰۶ء کی ابتدا مین ہم نے اپنے ولیعہد سلطنت پرنس آف ویلز کے دیدار سے آنکھین ٹھنڈی کین - اور اپنی حیثیت و حالت سے بڑھ کے جوش انبساط کا تماشا دیکھا اور دکھایا - بلکہ یون کہنا چاہیے کہ جوش مسرت سے یہان تک بیخود ہوئے کہ بعض حالتون مین گھر پھونک کے تماشا دیکھنے کو تیار ہو گئے - علے ہذا القیاس ۱۹۰۷ء بھی آتے ہی تاجدار دولت خداداد افغانستان ہز مجسٹی امیر حبیب اللہ خان دام اقبالہ کو اپنے ساتھ لایا - اور ہندوستان پھر وہی شروع سال کی کرشمہ سازیون پر فریفتہ ہو کے اپنی خودی کو بھولا جاتا ہے -

شاہ کابل ابقاہ اللہ نے یوم القرار نے اپنے اخلاق - اپنی دینی سرگرمی - اپنی بے تعصبی - اور اپنی ذرہ نوازیون سے یہی نہین کیا کہ اولیا سلف کے بعض مزارون پر نئی رونق آگئی اور مسجدون کی چہل پہل یکایک بڑھ گئی - اور مسلمانون مین غیر معمولی جوش و خروش پیدا ہو گیا بلکہ اُن کی رعایا پروری اور بے تعصبی نے ہندوؤن کو مسلمانون سے زیادہ اپنا گرویدہ بنا لیا - اور مسلمانون سے زیادہ جوش استقبال دکھانے کو ہندو تیار ہین - اور کیا عجب کہ امیر کا یہ سفر ہند ہندو مسلمانون کے اتحاد و اتفاق کا ایک اعلے اور زبردست ذریعہ بن جائے - جس امر کی کہ امیر صاحب نے مختلف اوقات مین اور نیز اپنے طرز عمل سے بارہا کوشش کی کہ ہندو مسلمان کے باہمی تعلقات چند روز سے بہت خراب ہو رہے ہین اور روز بروز زیادہ خراب ہوتے جاتے ہین اگر فرمان رواے کابل جو باوجود ہمارے ایک پڑوسی تاجدار ہونے کے ناصح مشفق بن کے ہمارے وطن مین تشریف لائے ہین اپنی یادگار مین یہ اتفاق و اتحاد کی برکت ہم مین چھوڑ جائین تو واقعی ہم بڑے خوش نصیب ہین - اور یہ کہنے کو تیار ہین کہ ۱۹۰۷ء سے زیادہ اچھا اور مبارک برس ہندوستان کو صدیون سے دیکھنا نہین نصیب ہوا تھا -

لیکن اگر اِس اتحاد کو استقلال نہ ہو تو بھی اسمین شک نہین کہ امیر کی آمد سے ایک بہت ہی بڑا اہم مسئلہ صفائی کے ساتھ ثابت ہو گیا - وہ یہ کہ انگریزی حکام نے تو ہمیشہ اتحاد و اتفاق کی ہمین نصیحت کی - مگر انگریزی مورخین نے اور خصوص ان مصنفین

تاریخ نے جن کی کتابین ہمارے مدارس تعلیم مین لازمی قرار دی گئین ہندو مسلمانون کے درمیان بغض و عناد کا بیج بونے مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا تھا۔ تعلیم یافتہ نوجوانون کی حالت دیکھ کے لوگون کو قریب قریب یقین ہوگیا تھا کہ اُن مضمونون کا پورا وار چل گیا۔ اور ایک ایسے اختلاف کی بنیاد پڑ گئی جو قیامت تک دور نہ ہو سکے گا اور اپنے نیست ہوتے ابنائے وطن یعنی ہندو مسلمان اُس عالم مین جاکے بھی شاید ساتھ مل کے نہ رہ سکین گے۔ یا تو ہمارے دونون میں یہ شر پیدا ہوا تھا۔ ہم اپنی بدقسمتی پر آنسو بہا رہے تھے۔ اور ہمیشہ کے لیے مایوس ہوگئے تھے یا یہ یکایک حضرت امیر کے ورود باجود کے ساتھ ہی دو اندیشے ایک آن واحد مین کافور ہوگئے۔ اور نظر آگیا کہ اگر خوش قسمتی کی گھڑی آجائے تو یہ سارے جھگڑے بکھیڑے ایک آن واحد مین دور ہو سکتے مین۔ اور فتنہ پردازون کا فتنہ ایسا نہین ہے کہ دور نہ ہو سکے۔ شریفی یہ اطمینان بھی بہت بڑی چیز ہے۔ اور ایسی چیز ہے کہ امیر کی آمد کو ہندوستان کبھی نہ بھول سکے گا۔

اب ہم ان مؤرخون کو بھی چھوڑ کے اپنی طرف توجہ کرتے اور آپ بیتی سناتے ہین۔ دلگداز کا انتظام سنہ ۱۹۰۶ء کے نصف اخیر مین نہایت خراب رہا اور پرچے وقت پر نہ شائع ہو سکے۔ علی الخصوص اکتوبر نومبر اور دسمبر سنہ ۱۹۰۶ء کے پرچے فروری سنہ ۱۹۰۷ء کی ابتدا مین شائع ہوئے۔ اسمین ابتداءً تو کاتب کے بدل جانے پہلے کاتب کے چلے جانے اور دوسرے کاتب کے دیر مین دستیاب ہونے کو دخل تھا۔ اور بعد اُسکے خود ہماری اور ہمارے گھر بھر کی بیماری کو جس کے باعث ہم اکثر خطوط کا جواب بھی وقت پر نہ دے سکے۔ ہمارے قدر افزاؤن اور پرانے دوستون کو شکایت ہے۔ اور بجا شکایت ہے۔ لیکن وہ جانتے ہین کہ دوستون سے دوستانہ شکایتین معاف کرا لینے کی ہمین بھی اچھی مشق ہے۔

آغائی صاحب کی لائف کا سلسلہ گذشتہ تین مہینون مین ایک مجبوری سے روک دیا گیا۔ کیونکہ بعض حالات کے دریافت کرنے مین ہمین دشواریان پیش آئین۔ اب ہم اس سلسلہ کو پھر شروع کرین گے۔ اور کوشش کرین گے کہ جلدی ختم کر دین۔ بعض حضرات آغائی صاحب کی لائف کو ناپسند کرتے ہین۔ اور اصرار کر رہے ہین کہ یہ سلسلہ ناتمام ہی چھوڑ دیا جائے۔

گر نہین - ہم آغائی صاحب کو جزئی واقعات سے قطع تعلق کر کے مجموعی طور پر بہت قابل قدر اور لکھنؤ کا فخر خیال کرتے ہین - اور لغزشون سے جو زندگی بھر بچا رہا وہ انسان نہین - ہر شخص کو اُس طرح مین رکھ کے دیکھنا چاہیے جس مین وہ تھا - اور اس بات کا لحاظ کرنا چاہیے کہ اُسکی ذات سے دُنیا نے کیا نفع اُٹھایا -

فلسفہ محبت

چیست این کار محبت چشم گریان داشتن
سوزش عشق درون در سینہ پنہان داشتن

حضرات صوفیۂ کرام جنھون نے عشق حقیقی کے دشوار گزار مرحلون کو طے کیا ہے فرماتے ہین - العشق نار یحرق ماسوے المحبوب - درحقیقت اس قول کی صحت مین کلام نہین ہو سکتا - انسان اپنے تن من دھن کو مٹا کر اور دین و دنیا سے دست بردار ہو کر عشق کے دربار مین جاروب کشی کی خدمت حاصل کرتا ہے -

آتش عشق تو ام خرمن پندار بسوخت
تن جان دل و دین جملہ بیکبار بسوخت

کہان ہین وہ شیدائی اور کہان ہین وہ عاشق جن کے لیے جدائی کا وقت مصیبت اور تنہائی کا زمانہ آفت ہوتا ہے - اُن کے استقلال کے پانو کمزور اُن کا دل شکیب و تحمل سے خالی وہ صبر سے بے بہرہ - اور ضبط سے محروم ہین - اُن کا دماغ قیس کی صحرا نوردی - اور فرہاد کی کوہکنی کی فرضی کہانیان سنتے سنتے ٹھس ہو گیا - حرص کی آگ مشتعل ہے خواہشات نفسانی زورون پر ہین - وہ بیچارے عشق کی جانشینی محبت کا مزہ اُلفت کا چٹخارا کیا جانین - آئین اور دیکھین کہ ہماری ہجر کی راتین اور فرقت کے دن کس فرحت و انبساط کے ساتھ گزر رہے ہین - محبوب کی صورت دلمین نظر آرہی ہے -

دل کے آئینہ مین ہے تصویر یار
جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

اغیار کی غمازی سے مطمئن رقیب کی فتنہ پردازی سے محفوظ بیٹھے چین کی بنسی بجا رہے ہین - کبھی دل ہی دل مین محبت و پیار کی باتین ہوتی ہین کبھی لڑائی جھگڑا درپیش ہے - ایک رُوٹھا ہے تو دوسرا منا رہا ہے - ایک بناو

سنگار کر رہا ہے تو دوسرا دلبر ہاتھ رکھے تک رہا ہے اور کچھ دبی آواز سے کہہ رہا ہے -

اس عمر مین سلامت ہو تم بھی تا قیامت ۔ مین مرا کرون تصدق ہر عجب اجل نے

ذرہ محبت کی نظر سے دیکھا گویا سلطنت ملگئی - ذرا تیوری چڑھی بھون کی کہ اعضا مین تشنج ہونے لگا - تھوڑی ہی دیر گلے مین باہین پڑی ہین ایک دوسرے کے محبت و پیار سے لطف اٹھا رہا ہے - کبھی منہ سے منہ ملا دیا کبھی رخسار سے رخسار رگڑ دیا - ایک نے ایک کے چٹکی لی تو دوسرے نے گدگدا دیا ایک نے کوئی خوشرنگ پھول دکھایا تو دوسرے نے ایک پتہ توڑ کر سونگھا دیا - غیر کی صورت نظر آئی تو دونون علحدہ - ایک چپ تو دوسرا خاموش - سوچ رہے ہین کہ کیا بات بنائین - دل کی گھبراہٹ - حواس کا انتشار چہرہ کا رنگ اڑائے دیتا ہے - آنے والا آنکھ سے اوجھل ہوا کہ پھر وہی لو بادہ مگر اس دفعہ ہشیاری کی نظرون سے ادھر ادھر دیکھ لیتے ہین - ذرا پتہ کھٹکا کہ پھر الگ ہوے - دائین بائین نظر کی اور وہی گلچھرے اڑنے لگے ان کی آن مین خیال نے پلٹا کھایا تو اکیلے پڑے تارے گن رہے ہین اور حسب حال کچھ اشعار جو یاد آئے تو گنگنانے لگے - اے اللہ کے بندو میری ایک بات سنو - اور سینون کی تاک جھانک سے باز آؤ - بس تحقیق محبت کا انجام موت ہے - اور آغاز تمھیں معلوم ہوتا ہے - لوگ کہتے ہین کہ تو رات کی اختر شماری چھوڑ دے - اور اس اندھیری رات مین سو رہ - مین کہتا ہون کہ میرے دل کو کیونکر چین آئے - جب تک کہ رات سے صبح نہ کردون

سماعاً یا عباد اللہ منی ۔ وکفوا عن ملاحظة الملاح
فان الحب آخرہ المنایا ۔ واولہ شبیہ بالمزاح
وقالوا دع مراقبة الثریا ۔ ونم باللیل مسود الجناح
فقلت وہل افاق القلب حتی ۔ افرق بین لیلی والصباح

غرض کہ تڑپ تڑپ کر رات کاٹی تو دن پہاڑ ہو گیا - جدھر جاتے ہین یار و اغیار کے طعن و تشنیع سانپ بچھو کا کام دے رہے ہین - کچھ پریشان خیالات دماغ مین پیدا ہوئے کہ دل سے کہنے لگے -

جانے دے اسے تصور جاناں نہ کر خیال
ایسا نہو کہ وہ کہیں دشمن کے گھر ملے

اثنائے ناچ میں دفعتاً یہی خیال دل میں آگیا کہ شاید وہ اس وقت رقیب کا پہلو گرم کر رہے ہیں۔ راز و نیاز کی باتیں ہو رہی ہیں۔ وقتاً فوقتاً ملنے کے وعدے ہو رہے ہیں۔ ہمارا ذکر آتا ہے تو پیشانی پر شکن آجاتی ہے۔ بس اب بیخودی کا حال کچھ نہ پوچھیے۔ شیشے سے [illegible] ہو گئے۔ [illegible] سے چکر آیا اور گر پڑے۔ دل ہاتھوں اچھل رہا ہے۔ کلیجہ [illegible] رہا ہے۔ چہرہ کا رنگ زرد ہو گیا۔ بدن میں پسینہ آگیا۔ [illegible] حالت غیر ہو گئی [illegible] فرصت ہوئی تو کسی مجلس [illegible] آنکھیں چار ہوئیں کہ اشارے ہونے لگے۔ دل ہی دل میں [illegible] نہ ملے اور آنکھوں سے [illegible] جو [illegible] اگر [illegible] کی تو نظر بچا گئے ذرا تامل کرتے [illegible] صورت کو [illegible] اس کو [illegible] اور وقت تو پایا کہ [illegible] مجلس برخاست ہوئی تو دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے چلے [illegible] شوق کی قوت [illegible] ایک دوسرے کو [illegible] رہی ہے مگر [illegible] خیال [illegible] کو بڑھا دیتا ہے [illegible] خیال بدلا تو وصل کی [illegible] نظر سے [illegible] زیادہ [illegible] قدر اور قیمتی ہو سکتا ہے مگر وہ [illegible] اور [illegible] دیا ہے اور [illegible] کا کھٹکا ہے کہ لگا ہوا ہے [illegible] گھبرا کر کہہ اٹھتے ہیں ۔

شب وصل [illegible]
گریبان سر کو [illegible] تنگ رکھنا دامن شب سے

غرض یہ [illegible] ہے جو انسان کو [illegible] کر دیتی ہے اس خمار [illegible] روح نے جسم سے مفارقت کی کہ نشہ ہرن ہو گیا۔ جس کو یہ سودا ہوا وہ [illegible] کے ساتھ رہا۔ اس میں بڑے جوان اور بچے کی تخصیص نہیں۔ جس کو اس شراب کا دائمی سرور حاصل ہوا اس نے معراج کمال کا درجہ پایا۔ جس نے اس راہ میں قدم رکھا وہ منزل مقصود کو پہنچا۔ جس نے اس دریائے ناپیدا کنار میں غوطہ

لگایا اُس نے گوہر مطلب پایا۔ جس نے نفس کُشی کی اُس نے حیات جاودانی پائی۔ قلب صاف اور ضمیر روشن ہو گیا۔ اُس کی نورانیت ریاضت اور ورزش تزکیۂ نفس ہو گیا۔ بوالہوسی کے بندے بدخلقیوں کے مشاق عشق کو بدنام کرتے ہیں اُن کا نفس اُن کو ذلیل و خوار دربدر پھراتا ہے اور آخر کو نامراد و ناکام رہ کر ناکامی کے ساتھ اور تاریک قلب ہو کر دنیا سے [illegible] نادان لوگ ایسے شتابکاران ہوس کو شہید ناز سے تعبیر کرتے ہیں۔ بوالہوسون کا عشق اُسی وقت تک محدود ہے جب تک جوانی کا جوش باقی ہے اُس کے گذرنے کے ممنوعات شرعی سے پرہیزگار و متنفر ہو گئے اور نوجوانون کے لیے دستور العمل بن گئے۔

اس لیے سچی محبت اور عشق وہی ہے جو خود غرضی اور خواہشات نفسانی سے مبرا ہو اور تمام عمر دل میں اُس کی لذت باقی رہے۔ [illegible] ہو جانے میں دنیائے محبت میں وہی پائدار [illegible] جو لوگ [illegible] رہین کرتے

راقم م۔ح۔ منقول از علیگڈھ [illegible]

یادِ وطن

وطن پیارے وطن! [illegible] تیرے [illegible] میں کیا کشش ہے کہ [illegible] کی زلف گرہ گیر [illegible] پھنسنے کے بعد بھی دل تیری طرف کھنچتا رہتا ہے۔ تیری [illegible] اور تیری آب و ہوا صحت بخشتی ہے۔ اے شاد کامان نعمت وطن تم [illegible] کی قدر نہیں جانتے۔ جس طرح [illegible] کا کوئی مقصود ور چاہنے والا اور محبت [illegible] کے مزے لوٹنے والا نہ فراق کے مزے سے واقف ہے اور نہ معشوق کی سچی قدر جان سکتا ہے اُسی طرح تم بھی نہیں جانتے کہ غریب الوطنی کتنی بڑی بلا ہے۔ اور وطن کیا چیز ہے۔

حضرت یوسف مصری مسند وزارت پر بیٹھ کے ارض کنعان کی گدائی پر حسد کرتے تھے۔ مرتے وقت وصیت کر دی کہ میری لاش ارض یہودا میں لیجا کے خاندانی مقابر میں دفن کی جائے۔ وارثون نے اِس وصیت پر عمل کرنا چاہا تو اہل

مصر نے مزاحمت کی - آخر مدت ہائے دراز کے بعد حضرت موسیٰ جناب یوسف کا تابوت اُن کے آباؤ اجداد کی سرزمین میں پہونچے اور وہین دفن کیا -

سکندر ذوالقرنین نے جب شہر بابل میں دنیا کو رخصت کیا ہے تو افسرون کو وصیت کر دی تھی کہ میری لاش کو ارض یونان میں لیجا کے دفن کرنا -

اس سے بھی زیادہ لطف کی یہ بات ہے کہ تاجدار عجم شاپور ذوالاکتاف ایک جنگ میں رومیون کے ہاتھ مین اسیر ہو گیا تھا جو اُسے اپنی حراست مین بلاد روم میں لے گئے وہان قید کی مصیبت مین مبتلا تھا کہ اسیری کے ساتھ بیماری سے بھی سابقہ پڑا - اتفاقاً شہنشاہ روم کی بیٹی اس پر فریفتہ ہو گئی - جوجوش محبت سے باپ کے قیدخانے مین خود ہی جا جا کے صاحب تاج قیدی کی خدمت و تیمارداری کرتی تھی - جب مرض نے طول کھینچا اور کسی طرح افاقہ نہ ہوا تو رومیہ شاہزادی پوچھنے لگی "آپ کی صحت کے لیے کیا تدبیر کی جائے ؟" جواب دیا "پینے کو دجلہ کا تھوڑا سا پانی - اور سونگھنے کو اصطخر کی تھوڑی سی مٹی لادو" چند روز بعد شاہزادی تھوڑا پانی اور تھوڑی مٹی لے کے آئی اور کہا "لو یہ دجلہ کا پانی ہے اور یہ اصطخر کی مٹی ہے" گو شاہزادی نے اُسے دھوکا دیا تھا اور ان دونون مین سے کوئی چیز اصلی نہ تھی مگر محبت وطن کا جوش دیکھیے کہ محض وہم و گمان کی بُنیاد پر اُس پانی کے پیتے اور مٹی کے سونگھتے ہی شاپور اچھا ہو گیا -

اسی قدیم روایت کی برکت تھی یا ذاتی تجربہ ہوا تھا کہ برامکہ کے زمانے مین لوگون کا معمول ہو گیا تھا کہ سفر پر جانے لگتے تو وطن کی تھوڑی مٹی ایک تھیلے مین بھر کے ساتھ رکھ لیا کرتے کہ کہین غربت مین بیمار ہو گئے تو یہ خاک خاک شفا ثابت ہو گی - ایک دفعہ کسی شخص کی زبان سے نکل گیا "سفر عذاب کا ایک حصہ ہے" دوسرے نے کہا "یہ نہ کہو بلکہ عذاب سقر کا ایک حصہ ہے"

خود حضرت سرور کائنات صلعم کو اگرچہ مدینہ میں انصار کے سے جان نثار مل گئے تھے مگر مکہ کی یاد جب آتی دل دُکھا ہی دیتی تھی - امان مکہ سے آ کے حاضر بارگاہ نبوت ہوئے تو آپنے پوچھا "مکہ کو کس حال مین چھوڑا تھا ؟" عرض کیا "مین جب چلا ہون اذخر (ایک گھانس) مین پھل آ گئے تھے - اور ثمام (ایک خوشبودار مکہ کی گھانس) مین کونپل پھوٹ چکی تھی" وطن کی یہ خیالی تصویر دیکھتے ہی آپ کی آنکھون

مین آنسو بھر آئے۔

موذن رسول اللہ بلال کو مکہ مین زندگی کی بہت کم گھڑیان چین اور آرام سے گذری تھین۔ ہمیشہ ستائے ہی گئے تھے۔ مگر جب مکہ کی یاد آئی تو یہ دو شعر پڑھنے لگتے۔

الا لیت شعری ہل ابیتن لیلۃ بواد وحولی اذخر وجلیل

کاش معلوم ہوتا کہ مجھے بھی اُس وادی مین پھر بھی ایک رات سونا نصیب ہوگا جہان میرے گرد اذخر و جلیل (مکہ کی دو گھانسین) اُگی ہوئی ہین ؟

وہل اردن یوما میاہ مجنۃ وہل یبدون لی شامۃ وطفیل

اور کبھی آب مجنۃ پر پھر اُترنا ہوگا ؟ اور کبھی شامۃ اور طفیل پہاڑون کی چوٹیان نظر کے سامنے ہون گی ؟

وطن کی یاد بیقدر بےچین کر دیتی ہے وہ بےچینی اور کسی چیز کے یاد کرنے سے نہین ہوتی۔ سواد وطن یاد آتے ہی خدا جانے کن کن لوگون کی اور کیسی کیسی پیاری صورتین نظر کے سامنے آجاتی ہین۔ یاران وطن کا جلسہ خیال کے سامنے آتا ہے اور تڑپا دیتا ہے۔ اعزا و اقارب عالم خیال مین غریب الوطن کے سامنے آتے ہین اور اپنے طرف بلاتے ہین۔ بال بچے اپنے غم مفارقت کے واقعات اُسکی پُرحسرت نظر کے سامنے کر دیتے ہین اور اُس کا دل قابو سے باہر ہو جاتا ہے۔

مگر ان سب سے زیادہ کشش اُن گلی کوچون کی ہوتی ہے جنمین وہ بچپن مین پھرا تھا۔ اُن میدانون کی ہوتی ہے جن مین گر پڑ کے اور کھیل کود کے وہ بڑا ہوا تھا۔ اُس شکستہ مکان کی ہوتی ہے جسمین اُسنے آغوش مادر کا لطف اُٹھایا تھا۔ وہ کوئی وجہ نہ تھی کہ غربت کی امارت مین انسان وطن کی فلاکت و محتاجی کو ... کی نظر سے دیکھے اور غریب الوطنی کی بادشاہی کو صحبت وطن کی فقیری پر قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے

ان وطنی جذبات کے غالب ہونے کی اصلی وجہ یہ ہے کہ انسان کو اپنا بچپن نہایت ہی عزیز ہوتا ہے۔ بچپن کی بےفکریان اور مان کا آغوش شفقت زندگی بھر یاد آکے کسی دلربا نازنین کے خیال سے بھی زیادہ بےچین کر دیا کرتا ہے۔ اُس عہد کی

سادگیاں اور حماقتیں بھی بھلی معلوم ہوتی ہیں - اور بچپن کا آغوش جسطرح ماں کا گود ہے اُسی طرح سواد وطن اور وہ مکان بھی ہیں جن میں اُس نے زندگی کی ابتدائی گھڑیاں بسر کی تھیں -

چنانچہ اگر وطن کی باتیں زیادہ موثر الفاظ میں دکھائی جائیں تو انسان کے ارادے بدل جاتے ہیں اور سفر میں لاکھ نفعوں کی اُمید ہو جب بھی گھر میں بیٹھ رہتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک بدوی عرب نے سفر کے لیے کمر باندھی - اور چلنے کو تیار ہوا تو بی بی کے پاس آیا اور کہا -

عدّی السنین لغیبتی وتصبّری　　　وذری الشهور فانّهنّ قصائر

میری غیبت میں برس گنتی رہنا اور مہینوں کا لحاظ نہ کرنا کہ وہ چھوٹے ہوتے ہیں - بی بی نے سنتے ہی ایک آہ کھینچی اور جواب دیا -

فاذکر صبابتنا الیک وشوقنا　　　وارحم بناتک انهنّ صغائر

یاد کرو کہ تمہارے بعد تمہارے فراق کا ہمیں کیسا صدمہ ہوگا؟ اور تمہارا کسقدر شوق ہوگا؟ اور اپنی بیٹیوں پر رحم کرو - وہ ابھی ننھی بچیاں ہیں -

یہ موزون جواب سنتے ہی بدوی کے دل پر کچھ ایسا اثر پڑا کہ سفر سے باز آگیا کہا "اب کون جائے!" اور کمر کھول کے گھر میں بیٹھ رہا - یہ ہیں یاد وطن کے کرشمے - اور یہ ہے وطن کی کشش -

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

کہتے ہیں کہ سلیمان بن عبد الملک جب خلیفہ ہوا تو محمد بن یزید نام ایک شخص کو والی عراق بنا کے بھیجا اور حکم دیا کہ وہاں جاتے ہی جتنے قیدی ہوں سب کو چھوڑ دینا اسلیے کہ حجاج بن یوسف کی سخت گیریوں نے صدہا لوگوں کو اسیر بلا کر رکھا تھا محمد بن یزید نے آتے ہی احکام خلافت کی تعمیل کی - اور پہلے والی یزید بن ابی مسلم پر بہت جور و تشدد کیا - چند روز بعد جب خلیفہ سلیمان کی موت نے سریر خلافت کو خالی کیا اور یزید بن عبد الملک اریکہ آرائے سلطنت ہوا - تو اُسنے یزید بن ابی مسلم کو افریقہ کا گورنر مقرر کیا - جہاں کی گورنری کی باگ اس سے پیشتر محمد بن یزید کے ہاتھ میں تھی -

محمد مذکور نے جب یزید بن ابی مسلم کے آنے کی خبر سُنی تو مارے خوف کے اُس کے پہونچنے سے پہلے ہی بھاگ کے روپوش ہو گیا - اور یزید نے پہونچتے ہی اُسکی تلاش شروع کی - آخر وہ گرفتار ہو کے لایا گیا - اور جسوقت یزید بن مسلم کے سامنے پیش کیا گیا اُسے رمضان کا مہینہ تھا - افطار کا وقت قریب تھا - اور یزید کے ہاتھ مین انگور کا گچھا تھا کہ اذان ہوتے ہی اُسے کھائے - محمد بن یزید کی صورت دیکھتے ہی بولا "محمد - تم پر قابو پانے کی دعا مجھے مدت دراز تک مانگنی پڑی" محمد نے کہا "اور مین بھی مدت سے دعا مانگ رہا ہون کہ خدا مجھے آپ کے ہاتھ سے امان دلوائے" سنتے ہی یزید نے کہا "امان! خدا کی قسم نہ دون گا - اور اگر ملک الموت نے بھی ارادہ کیا کہ میرا وار پڑنے سے پہلے تمھاری جان نکال لے تو مین یہ انگور کھانا چھوڑ دونگا اور کوشش کرون گا کہ عزرائیل کا ہاتھ پڑنے سے پہلے ہی تمھارا کام تمام کر دون" اسکے بعد یزید کے حکم سے اُس کی مشکین بندھ گئین - قتل گاہ مین لا کے بٹھا دیا گیا - اور جلاد سر کاٹنے کے لیے تلوار لے کے کھڑا ہو گیا - اتنے مین موذن نے اذان دی اور یزید ابن ابی مسلم وہ انگور کا خوشہ رکابی مین رکھ کے نماز پڑھنے کو گیا - اتفاقاً اہل افریقہ اُس کے دشمن ہو رہے تھے - نماز مین سجدے سے سر اُٹھایا تھا کہ کسی بیباک دشمن نے ایک ایسا گرز مارا کہ ایک ہی وار مین اُس کا کام تمام کر دیا - فوراً ہر طرف غل ہوا - لوگون کو معلوم ہوا کہ والی افریقہ مار ڈالا گیا - اور جلاد نے جو کھڑا تلوار تول رہا تھا محمد بن یزید کی مشکین کھولدین اور کہا "اب آپ آزاد ہین جہان چاہیے جائیے" وہ انگور کا خوشہ رکھا رہ گیا - اور فرشتۂ موت نے ایک آن کے آن مین اس بات کا ثبوت دے دیا کہ وہ سبقت کر سکتا ہے یا وہ جو گھڑی بھر کے لیے خدائے جل و علا کو بھول گیا تھا - یہین سے نظر آتا ہے کہ خدا کی قوت سب پر غالب ہے - اور اُس کی مرضی کے خلاف ایک ذرہ حرکت نہین کر سکتا -

اِس سے بھی زیادہ حیرت انگیز نمونہ مشیت ایزدی کے غالب آنے کا یہ ہے کہ سلاطین آل حمدان مین سے ملک ناصر روح فرسا مرض قولنج مین مبتلا ہوا - تمام اطبائے دولت حاضر ہوئے - اور اپنی تدبیرون مین کوئی بات اُٹھا نہ رکھی مگر بادشاہ کو نفع ہونا تھا نہ ہوا - آخر اطبا عاجز آ گئے ڈرے کہ ایسا نہ ہو بادشاہ ہماری یہ کمزوری دیکھ کے اندر

ہم سے بدعقیدہ ہو کے ہمارے آزار کے درپے ہو جائے ۔ چنانچہ سب نے اپنی جان بچانے کے لیے یہ تدبیر سوچی کہ بادشاہ کا کام ہی تمام کر دین ۔ اس کام کے لیے انھون نے ایک شخص کو مقرر کیا جو خنجر کپڑون مین چھپائے ہوئے محل مین چھپ رہا ۔ ملک الناصر ایوان شاہی کے ایک حصہ سے دوسرے مین جا رہا تھا اور ایک دہلیز پر قدم رکھا تھا کہ اُس شخص نے نکل کے حملہ کیا ۔ اور ناف کے نیچے خنجر بھونک دیا ۔ خنجر سے معاء قولون چاک ہو گئی جس مین سُدّون کے رُک جانے سے مرض پیدا ہوا تھا ۔ فوراً تمام مادہ فاسدا ور سُدّے نکل گئے ۔ اور قولنج کی جان گزا تکلیف سے ملک الناصر کو نجات مل گئی ۔ باقی رہا زخم وہ چند ہی روز مین جرّاحون کی ہنرمندی سے اچھا ہو گیا ۔

سچ کہتے ہین کہ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد ۔ وہی دشمنی جو زندگی کا چراغ گل کرنے کے لیے کی گئی تھی زندگی بخش ثابت ہوئی ۔ اور جو حربہ جان لینے کے لیے کیا گیا تھا اُسی نے جان بچا دی ۔

ہمارا جدید ناول

ناول یوسف و نجمہ جو ایک مدت سے ناتمام و ناقص پڑا ہوا تھا پورا ہو گیا ۔ اور اس کا فیصلہ پبلک کے ہاتھ ہے کہ انجام کیسا ہوا ؟ اور اس کی کیا حالت رہی ؟ جہان تک ہم سمجھتے ہین ناظرین نے اس انجام کو پسند کیا ہوگا ۔ اور جو کچھ اس مین ہوا وہ اُن کے مذاق اور اُن کی خواہشون کے موافق ہوگا ۔

نئے ناول کے متعلق ہم کچھ زمانے تک متردد رہے کہ کس تاریخ اور کس عہد کو اختیار کرین ۔ بعض حضرات کی خواہش تھی کہ غدر کا زمانہ اختیار کیا جائے ۔ اور اُس وقت کی مصیبتون کی تصویر دکھائی جائے ۔ بعض احباب کی راے ہوئی کہ ہندستان ہی کی پُرانی تاریخ مین سے کوئی زمانہ منتخب کر لیا جائے ۔ دو ایک دوستون نے پھر یورپ کی سیر کرنی چاہی ۔ اور فرمایا کہ دولت عثمانیہ کی تاریخ مین سے ایک اچھا اور دلچسپ پلاٹ اخذ کر لیا جائے ۔ لیکن ہم نے جہان تک غور کیا انہین سے کسی مشورے پر عمل کرنے کے لیے ہم ابھی تیار نہ تھے ۔

نئے تعلیم یافتہ گروہ کا خیال ہے کہ ہماری موجودہ زندگی اور اپنا سے

وطن کی مروجہ معاشرت پہ ناول لکھے جانے چاہییے۔ جیسا کہ انگریزی مین ہو رہا ہے۔ مگر ہمارے خیال مین یہ اُن کی ناتجربہ کاری ہے۔ بے شک انگلستان اور ممالک یورپ مین اکثر ناول ایسے ہی ہوتے ہین۔ اور وہان وہی عنوان دلچسپ رہتا ہے۔ مگر ہندوستان کی پبلک مین جہان تک میرا تجربہ ہے۔ یہ عنوان بالکل دلچسپ نہین ہو سکتا ہے۔ افسانون مین انسان اپنی زندگی کے اعلے اور کامیابی کے اوقات کو ڈھونڈھتا ہے۔ اور ناکامی و تڑپ کے بعد کچھ پسند آتی ہے تو اُسی عمدگی جبکہ اپنے حالات مین کامرانی و مقصد وری کی صورتین نظر آیا کرتی تھین۔ جس طرح ہر انسان اپنے جوانی کے واقعات کو زیادہ پسند کرتا۔ اور مزہ لے لے کے کہتا اور سنتا ہے۔ اُسی طرح قومین بھی اپنے عروج و کمال اور اوج و اقبال کے واقعات کو زیادہ پسندیدہ خیال کیا کرتی ہین۔

یورپ والون کو دُنیا کی ساری عمر مین ابھی ہی موجودہ دور کامیابی و کامرانی اور ترقی و عروج کا دور نظر آتا ہے۔ اور اسی لیے وہ اپنی گزشتہ زندگی سے خوش موجودہ زندگی کو زیادہ پسند کرتے اور قومی عمر کے اسی حصہ پر فخر و ناز رکھتے ہین۔ ایسی حالت مین اگر اُن کے ناول موجودہ سوسائٹی کے واقعات سے لبریز ہوتے ہین تو کوئی تعجب کی بات نہین۔ بلکہ بالکل بجا ہے۔ بہ خلاف اُن کے ہم اہل ہند ہندو یا مسلمان بلکہ مین کہون گا کہ جاپان والون کے سوا سارے اہل ایشیا۔ ہمین عرب ہون یا ترک۔ ایرانی ہون یا ہندی یقین کر رہے ہین کہ ہمارے اوج و عروج کا زمانہ گزر گیا۔ اور فی الحال ہم ایک نکبت و پستی کی زندگی مین مبتلا ہین۔ پھر ایسی حالت مین ہم پوچھتے ہین کہ انھین اپنی موجودہ زندگی مین لطف آئے گا یا اوج و اقبال کی زندگی مین؟

اور ہماری اس ذلت و پستی کی زندگی مین رکھا ہی کیا ہے جس مین ہمین یا کسی کو کچھ مزہ آئے گا؟ اولوالعزمی و بلند حوصلگی ہم مین نہ ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بڑے اہم معاملات ملکی و قومی نہ ہم کر سکتے ہین۔ اور نہ ہمارے ہاتھ مین ہین۔ تعلیم و قابلیت ہم مین نہایت کم درجہ پر ہے۔ ہماری عورتین جاہل اور نادان ہین اور سوا پستی خیال کے اُن سے نہ کوئی علمی کام ہو سکتا ہے۔ اور نہ کوئی بڑا اہم ملکی

کام - شریف گھرانون مین ہمارے یہان عشق ناجائز ہے - عقد سے پہلے مرد وعورت مین کوئی رابطہ نہین قائم ہو سکتا - اور ہو تو ناجائز ہے - سچ یہ ہے کہ ہم مین سوسائٹی ہی نہین جس پر یورپ کے ناولون کی بنیاد قائم ہوتی ہے -

رہین چند معمولی باتین پیدا ہونا - کھیل کود کے بڑا ہونا - کچھ دنون اُستاد کے سامنے بیٹھ کے محض بے نتیجہ پڑھنا اور اُس کا بھیجا خالی کرنا - شادی کرنا نہین بلکہ دوسرون کے ہاتھون شادی کا ہو جانا - اور چند دنون تک روٹی کی فکر مین مبتلا رہ کے اور زمانے کی سختی و سستی برداشت کر کے مر جانا - ہماری موجودہ زندگی کا خلاصہ ہے اُس مین اور ایک جانور کی زندگی مین بہت ہی تھوڑا فرق ہے - اور ہم نہین سمجھ سکتے کہ ان واقعات مین کسی کو کیا لطف آئے گا ؟

موجودہ سوسائٹی کے شوق کی برکت سے اُردو مین ایسے بھی ناول لکھے گئے ہین جنمین کبھی کوئی شریف زادی کسی اور کے گھر مین ڈولی سے اُتروا دی گئی ہے - کبھی کسی نے کسی مہ جبین بہو بیٹی کو کھڑکی سے جھانکتے - یا گاڑی کی جھلملیون سے اُلجھین ہوا سے دیکھ لیا ہے - اور عاشق ہو گیا ہے - پھر اُس کے گھر سے نکالنے کی کوشش کی ہے - اور آخر اُسے خراب کیا ہے -

ایسے ناولون کی نسبت ہم نہین جانتے کہ وہ سوسائٹی کی تصویرین ہین یا اُن کے ذریعہ سے سوسائٹی اور زیادہ بدنام و رُسوا کی گئی ہے - اُن مین اخلاق کا سبق دیا گیا ہے - یا بد اخلاقی سکھائی گئی ہے -

سچ یہ ہے کہ ہماری زندگی اس قابل ہی نہین کہ ناول کے صفحون پر لائی جائے - اور جو کچھ اس سوسائٹی مین ہے اگر دکھایا جائے گا اُس سے سوا اس کے کہ ہم اپنی ذلت و تباہی کو عالم آشکارا کر دین اور کچھ نہ ہو گا - اُن کو پڑھ کر غیر ہم پر ہنسین گے - اور ہم اُن سے جو سبق حاصل کرین گے وہ ہمین اور ذلیل و پست کرے گا -

اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ موجودہ مذاق پبلک کو پسند بھی نہین آسکتا - کیونکہ اُسی اصول کے مطابق جو ہم اوپر بیان کر آئے ہین ہمارے ہم وطنون اور ہم قومون کو اپنی قومی زندگی کے اُسی حصہ کے واقعات مین مزہ آسکتا ہے جو کامیابی و

عروج کا زمانہ تھا - اور نصیحت و عبرت کے لیے بھی ہم انھین اُن کے اوج و عروج کے کارنامے دکھائین تو شاید وہ زیادہ متنبہ ہون گے -

ہندوستان کے لیے اہل یورپ کے مذاق کے ناول نہین چاہیے بلکہ "رومانس" چاہیے - جن مین انھین کے کسی اگلے ہم وطن یا ہم مذہب کی اعلیٰ کارگزاریان دکھائی گئی ہون - اور جن کے ذریعہ سے انھین اپنا اگلا علم و فضل اور اوج و عروج یاد دلا گیا ہو -

ہم نے بھی دو ایک ناول موجودہ سوسائٹی دکھانے کی کوشش مین لکھ کے شائع کیے تھے - مگر پبلک کو اُن مین ہرگز اتنا مزہ نہین آیا جتنا کہ ملک العزیز ورجنا - فتح اندلس - ایام عرب - اور فردوس برین وغیرہ وغیرہ مین آیا - اور اسی خیال سے ہم ہمیشہ ناول کے لیے اگلے عہد کا کوئی واقعہ ڈھونڈ لیا کرتے ہین - اور اُس مین موجودہ لٹریچر کے موافق ہمین کچھ مشرقیت ہوتی ہے - اور کچھ مغربیت حتی الامکان دلچسپی پیدا کر دیا کرتے ہین - اور ہمین اب یقین ہو گیا ہے کہ جسطرح ہمارا موجودہ لٹریچر مغربی و مشرقی انشاپردازی کا مجموعہ ہے اُسی طرح ہمارے ناولون کو بھی ایسا ہی ہونا چاہیے کہ اُن مین کچھ ایشیائیت ہو - اور کچھ یورپیت - نہ وہ بالکل ایسی بے سروپا کہانیان ہون - اور نہ انگلش گھرون کی تصویر دکھانے والے ناول -

فی الحال ہم نے کوئی خیالی پلاٹ نہین بنایا - بلکہ ایک ایسے عاشق عرب کا قصہ ناول کے پیرائے مین لکھنا شروع کر دیا ہے جس کے نام سے ہندوستان کے لوگ تو بہت کم واقف ہین مگر عرب کے لٹریچر مین اُس کی حد سے زیادہ شہرت ہے - عشاق عرب مین سے مجنون عامری اور اُس کی معشوقہ لیلیٰ کا نام فارسی اور اُردو نظم و نثر کا عنصر اعظم بن گیا - مگر قیس بن ذریح عذری اور اُس کی معشوقہ لُبنیٰ کے حالات سے لوگ بالکل ناواقف ہین - حالانکہ عرب مین اِن دونون نامون کو لیلیٰ مجنون کے نامون سے کم شہرت نہین حاصل ہے -

قیس بن ذریح کا کلام عربی لٹریچر مین کثرت سے موجود ہے - اُس کے واقعات مورخین نے تفصیل کے ساتھ بیان کیے ہین - اور شعرا نے اُسکے سوز عشق سے اپنے

عاشقانہ کلام مین گرمی پیدا کی ہے - اس کا زمانہ صحابہ کرام کا درمیانی زمانہ ہے حضرت عثمان ذی النورین - اور حضرت علی مرتضی کی شہادتون کو اُس نے دیکھا نہین تو سُنا تھا - اور اسلام کے اُس ابتدائی پُرفتن عہد مین تھا جبکہ حضرت رب العزت نے خیر القرون کے برگزیدہ لوگون کو آزمائش کی مصیبت مین مبتلا کر دیا تھا - لیکن اپنے عشق کے جوش سے اُس نے اُس عہد کے جھگڑون کی طرف توجہ نہین کی - اور رنگینی کی یاد مین رو دیا کیا - اس کو سب سے بڑی فضیلت و شرافت یہ حاصل تھی کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کا رضاعی بھائی تھا -

ممکن تھا کہ اس موقع پر ہم اُس کے مختصر حالات بھی بیان کر دیتے لیکن نہین اس سے ہمارا ناول بے مزہ ہو جائے گا - اور واقعات کے معلوم کرنے کا جو شوق دلون مین پیدا ہوا کرتا ہے سرد پڑ جائے گا - لیکن اتنا اطمینان دلاتے ہین کہ اس ناول مین جو واقعات بیان کیے جائینگے مجموعی طور پر سچے اور مطابق واقعہ ہونگے - ہان ناول کی ضرورت سے تفصیلی صحبتون اور صحبت کی باتون مین تصرف اور اضافہ کرنے سے مجبوری ہے - کیونکہ بغیر اس کے نہ ناول ناول ہو سکتا ہے اور نہ قصہ مین مزہ آ سکتا ہے -

---

اور وہ عربی سچے بہادر نوجوان - اور پھر اُسکے ساتھ عربی مکاری دغا بازی اور انتقام لینے کی تصویر دربار بنی غسان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیرین و مریم کی سرگذشت۔ ۸؍

ملک العزیز ورجنا - تیسری صلیبی لڑائی رچرڈ شیر دل - اور صلاح الدین اعظم معرکہ کارزار - جانبازی اور سرفروشی - اور پھر اُسکے ساتھ سچا عشق ۔ عہ

حسن انجلینا - روس اور روم کی لڑائی - ایرانیوں اور ترکوں کی پھوٹ - اُس کا انجام اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد - عہ

منصور موہنا - ارض سندھ میں ایک مسلمان انصاری خاندان - اُس کی تباہی - اور پھر محمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا حسن عشق کی نہایت دلفریب دلکش تصویر میں مسلمان مجاہدوں کے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری - عہ

فردوس بریں - نہایت ہی حیرت انگیز ناول فرقۂ باطنیہ حشیشیین - اور اُن کے فدائی جیتے جی جنت کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حور بن جانا اور اُس کے عاشق کا باطنی لوگوں کے ہاتھ میں پڑکے خراب ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ الٰہی اور اُس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رُخ - اُس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے بے مثل و بے نظیر ناول ہے - عہ

شہید وفا - غرناطہ اور اسپین میں مسلمانوں کا زوال - اور اس زوال کی حالت میں بھی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا سچا پاک عشق حسرت و اندوہ کی سچی تصویر - عہ

درگیش نندنی - بابو بنکم چندر چٹرجی کے اس نام کے دلچسپ ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اردو میں - عہ

دلچسپ (دو حصہ) مصنف کا پہلا زور قلم عشق اور اُس کی بیتا بیان - خاندانی جھگڑے بگڑے شریف زادے - اُس کا لٹریچر خاص شان اور خاص رنگ کا ہے - ۱۲

دلکش - (دو حصہ) طالب علمی اور عشق نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نہایت دلکش اور پُر لطف - ۱۲

اوّل وطن - ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول جس کا ترجمہ کرکے دلگداز میں شائع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - ۱۲

آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر - جو عورتیں دھوکہ دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات سمجھتی ہیں اُنکی غفلت کا خمیازہ - ۲

بدر النساء کی مصیبت - ایک حسرتناک داستان جس میں ریل پر بیبیوں کے بدل جانے سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوئیں - ۲

بیوہ کی شادی - ایک دلچسپ ڈراما رضامندی اور نارضامندی کی شادیاں - ۸

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء (اس سال صرف پانچ رسالے نکلے تھے) عہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۲ء (صرف آٹھ رسالے نکلے تھے) عہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۳ء (مکمل بارہ پرچے) عہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۴ء (اس میں ابتدائی چند رسالے سنہ ۱۹۰۴ء کے اور باقی سنہ ۱۹۰۳ء کے ہیں جنھیں ملا کے ایک جلد مرتب کی گئی) عہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء (مکمل بارہ پرچے) عہ
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے) - عہ

سلسلۂ مشاہیر اسلام

ہر زبان کے لٹریچر میں جن نامور اور بزرگوں کے نام آیا کرتے ہیں اُن کے حالات تھوڑے بہت ضرور موجود ہوتے ہیں۔ مگر اردو زبان اس دولت کے لحاظ سے نہایت ہی مفلس ہے۔ اسی خیال سے ارادہ کیا گیا کہ جن مشاہیر کے نام ہمارے بچوں تک کو یاد ہوا کرتے ہیں اُن کی سوانح عمری مرتب کرنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جائے کہ ہر ایک کے حالات میں ایک مستقل رسالہ تحقیق و تنقید کے ساتھ مدوّن ہو جائے۔ اگر احباب اور قدردانوں کی حوصلہ افزائی سے یہ سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ تیمناً و تبرکاً پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی۔ چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی پبلک کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کی قیمت ۸ہ ہے جن صاحبوں کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائیں۔ دوسرا نمبر ابوبکر شبلی جس میں حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔ زیر طبع ہے۔

قدردانوں سے امید ہے کہ اس سلسلہ کی قدرافزائی فرمائیں گے۔ اور عام اجازت دیتے ہیں گے کہ اس کا ہر نمبر شائع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت میں ویلیو پےایبل بھیج دیا جایا کرے۔ قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائے گی۔

یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا۔ لیکن اگر قدردانوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس سلسلہ کے نمبر جلد جلد شائع ہوں گے۔ اور زیادہ سستے کر دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے احباب خاص اور قدردانان ملک سے عموماً امید ہے کہ خود بھی اس سلسلہ کی سرپرستی فرمائیں گے اور اپنے احباب کو بھی اُس کی ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کریں گے۔ ہم محنت کرنے کو تیار رہیں۔ لیکن اس کو تقویت دیتے کے جاری رکھنا اور عام پبلک کو اس کی طرف متوجہ کرنا اہل ملک اور خصوصاً مسلمانوں کا کام ہے۔

شائقین کتب کے لیے ایک اچھی خبر

مندرجۂ ذیل ناول جو ملک میں عموماً پسند کیے گئے۔ اور ہر جگہ لوگ ان کے شائق رہا کرتے ہیں معینہ اور مندرجۂ ذیل قیمت سے چوتھائی قیمت پر دفتر دلگداز سے مل سکتی ہیں۔ فوراً منگوائیے شاید چند روز بعد پھر ایسا موقع نہ ملے۔

رضاے حسینہ	عمر پاشا	شہنشاہ عیاران	عیاروں کا عیار	فسانۂ مفقود الخبر	زوال بیرٹ	مار گزشت	خوش نصیب
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]

الملتمس منیجر دلگداز۔ لکھنؤ۔ کٹرہ بزن بیگ خان

دلگداز

فروری (مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) سنہ ۱۹۰۶ء

نمبر ۲ ——— جلد ۱۱

ایڈیٹر مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

قیمت مع محصول مکمل پرچہ مضامین و ناول و تاریخ سالانہ سے

ان مین سے کوئی دو جز لیے جائین تو ،، عہ

اور کوئی ایک ہی جز لیا جائے تو ،، عہ

(قومی پریس لکھنؤ مین چھپ کے)

لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہو

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے تصانیف موجودہ دفتر دلگداز

تاریخ اور لائف

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیان جو بیت المقدس کی ... کے لئے صدیون تک مسلمانون و عیسائیون مین ... انگریزی مورخ ... کی کتاب ... کا ترجمہ مع ... عربی تاریخون سے لیے گئے ہین۔ عہ

تاریخ سندھ جلد اوّل - ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد بن قاسم تک۔ اس کتاب کے پڑھنے سے نظر آ سکتا ہے کہ فاتحین عرب نے سندھ مین کیا کیا۔ اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخون کی نہایت قابل وثوق طریقہ سے غلطیان کی گئی ہے۔ عہ

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی۔ آپکی تعلیمین آپکا تصوف اور آپ کا فلسفۂ الٰہی۔ عہ

حسن بن صباح - بانی فرقۂ باطنیہ کے حالات زندگی۔ اسکی تعلیمین اُس کا علم و فضل اور اُس کے جانباز فدائی۔ ۶ر

اسلامی سوانح عمری - علمائے اسلام کے جو حالات اخبار مہذب مین شائع ہوا کرتے تھے اُن کی چندکاپیان زائد چھپوالی جاتی تھین جو اخباری تقطیع پر ہین۔ چند ہی جلدین باقی رہ گئی ہین۔ ۸ر

ملکۂ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی شہزادی ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی۔ اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ ۳ر

لارڈ بیکن - بانی فلسفۂ جدید کے حالات اور اُس کا فلسفہ۔

افسانۂ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی۔ جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز مین شائع ہوئے تھے۔ ۳ر

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی کئی نمبرون پر تقسیم ہو کے دلگداز مین شائع ہوا تھا۔ اہل مطبع نے اُسے جُداگانہ چھاپ لیا۔ ۲ر

ناول

یوسف و نجمہ مکمل - اس کے چند ناتمام اوراق ملک مین چھپے ہوئے تھے۔ اور بہ صورت مکمل کا تقاضا تھا۔ اب فی الحال یہ مرتب ہو کے ایک جلد مین شائع ہوئے ہین قیمت پوری کتاب کی جس مین ابتدائی حصہ بھی شامل ہے۔ عہ

شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی کے واقعات یعنی ملکۂ فرانس کی عشق بازیان۔ مردون کے بھیس مین زنانہ بھیس اور اُس کی سحر آفرینیان۔ عجیب مزے کا ناول ہے۔ عہ

فتح اندلس - اندلس پر عربون کا ... حاکم سندھ کی بیٹی۔ اُس کے ساتھ شاہ اسپین کی دغابازی۔ اور آخر اُن مظالم کا مسلمانون کے ہاتھ سے عجیب لطف کے ساتھ خاتمہ۔ ... سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان سے ... واقعات مین کیسی جان ڈالی ہے۔ ۸ر

مقدس نازنین - ایک ... لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے مین ترقی کرتے ... ہو جانا مسند پاپائی پر بیٹھ کے اُس کا وضع حمل ... عیسائیون مین شورش اور مسلمانون کے ہاتھ سے اسکا نجات پانا۔ عہ

فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان مین عیسائیون کی حالت۔ اور ان کا مجنونانہ جوش شہادت۔ ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے ... کرنا۔ اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور موجب حیرت بنا دینے والا انجام۔ عہ

ایام عرب - دو حصہ۔ جاہلیت عرب کے رسم و رواج۔ شاعری اور بہادری۔ رزم اور بزم ... صحرا کا عشق اور محل کا عشق دو عربی شاہزادیان

ہم اور ہمارے اسلاف

یہ قصہ ہے جب کا کہ آتش جوان تھا
بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہے

تخلیق عالم سے اسوقت تک یہی قاعدہ چلا آیا ہے کہ اگر ایک قوم کے عروج کا آفتاب چہکا اور پہونچکر غروب ہونا شروع ہوا تو اسکے مقابلہ ہی مین دوسری قوم کا کوکب اقبال ترقی کے بلند آسمان پر چمکنے لگا۔ متلون زمانہ نے اسی طرح دنیا کے اسٹیج پر سیکڑون دلکش ڈرامے بنائے اور اہل عالم کو انکا تماشہ دکھا دکھا کر بگاڑ ڈالا۔ بس یہی حالت مسلمانون کے عروج اور زوال کی ہے۔

دنیا میں سب سے پیشتر مصر مین ترقی کا آفتاب طلوع ہوا تھا۔ بعد ازان مصر۔ یونان۔ روما۔ کلدانی۔ ایران۔ فنیشیا وغیرہ مختلف قومون اور ملکون مین یہ نیر درخشان اپنی روشنی ڈالتا رہا مگر جسوقت مذکورۂ الصدر ممالک اس حکمدار عروج سے مقتبس ہو رہے تھے اسوقت بلکہ اس سے بھی کہین پہلے سے عرب نشت پستی کی حالت مین تھا اور جب اس لاتعداد زمانہ کے گزرنے کے بعد اس ملک کے ہونہار فرقون اور جنگجو قبیلون نے کلمۂ توحید کی چونکا دینے والی آواز سنے اپنے مین کوئی غیر معمولی اثر پایا تو فوراً ہی گمنامی اور جہالت کے مجہول لباس کو اتار کر تمام دنیا پر اپنی جودت طبعی اور ذکاوت ذہنی ظاہر کرنے کے لیے آمادہ ہوگئے۔ اسوقت مصر و یونان وغیرہ ممالک کی ترقی درجۂ کمال پر پہونچ کر زوال پذیر ہوچکی تھی یا دوسرے معنی مین ان چراغون مین جو تیل ڈالا گیا تھا وہ قریب الاختتام تھا اور ان مین جو ٹمٹماتی ہوئی روشنی باقی رہ گئی تھی اُسکے لحاظ سے صرف

چراغ سحری ہی کیے جا سکتے تھے -

ایک عرصہ تک اہل عرب قومی اصلاح اور خانہ جنگیون کی گتھیان سلجھانے مین مصروف رہے اور جسوقت قومی خونریزیون اور طوائف الملوکیون سے فارغ ہوئے تو اُنھون نے فضاء عالم کا چکر لگانے اور مصر و عجم کو اپنی جولانگاہ بنانے کا مصمم قصد کر لیا - اُنھون نے ذاتی شجاعت و استقلال اور خدا کے بھروسہ کے باعث یہ بھی خیال نہ کیا کہ ہم قلیل التعداد ہین اور اس حیثیت مین ہم کبھی حملہ آور ہونے کی قوت و مقدرت نہین رکھتے - وہ اپنے ریگستانی ملک سے کلمۂ توحید کا رسالہ اور اسلامی اخوت و یکدلی کا توشہ بھروسہ لیکر نکلے اور سیکڑون کوس کا سفر کر کے اُن پوری طاقت رکھنے والی دور دراز ولائتون پر حملہ آور ہوئے - اور لطف یہ کہ اُن کو فتح ہی کر کے چھوڑا - اور صرف اُنھی ممالک کو فتح نہین کیا بلکہ بہت دور دور تک اپنی تلوار کی دھاک بٹھا دی اور فولادی نیزون کا لوہا منوا دیا جسکا اثر یہ ہوا کہ وہ جس جگہ گئے تھوڑی ہی کوشش و ہمت کے بعد اُن کے لیے باب فتح وا ہو گیا -

جسوقت عربی افواج قاہرہ افریقہ کے میدانون مین بربر اور مراکش اقوام سے دست و گریبان تھین اُسوقت عنان سلطنت بنی اُمیّہ کے ہاتھ مین تھی اور اُن کا مستقر الخلافہ شام کا مشہور شہر دمشق تھا مگر چونکہ ابھی زمانۂ سلطنت ابتدائی تھا اور خلفاء بنی اُمیّہ کو ابھی فتوحات کے وسیع کرنے سے اسقدر فرصت نہ ملی تھی کہ وہ علم و فضل کی جانب توجہ کرتے مگر علمی ترقی کا دروازہ عرب مین بنی عباس کے زمانہ سے وا ہوا - خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانہ مین فتوحات کا سلسلہ ایک طرف تو کوہ ہندوکش تک پہونچ چکا تھا اور دوسری جانب افریقہ کے اکثر حصص فتح ہو کر کاؤنٹ جولین کی مدد سے یورپ کی زبردست سلطنت اسپین (اندلس) بھی مسلمانون کے تصرف مین قریباً کُل آ چکی تھی کہ خلیفۂ مذکور کا انتقال ہو گیا - گو اُسکے بعد کئی فرمان روا ہوئے مگر نااتفاقی دلون مین جڑ پکڑتی گئی جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت کے اسٹیج پر اپنا جاہ و جلال دکھانے کے لیے بنی عباس نظر آنے لگے - اور آخر ش اُنھی کی حکومت بھی قائم ہو گئی - اُنھون نے عروس دمشق کو لوٹ کر بغداد کو دُلھن بنا لیا اور اُسی کو مستقر الخلافت کا اعزازی لقب بخشا -

چونکہ بنی عباس خلقی طور پر علم دوست اور علما کے قدردان تھے اس لیے اُن کے زمانہ مین مختلف علوم کی بہت اچھی طرح تحقیق و تلاش ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ مین بغداد

سے دجلہ کی طرح ایک اور دریا علم وفضل کا بہنے لگا اور تھوڑے ہی زمانہ مین اُسکے گرد و دور دور سے آنے والے تشنہ لبانِ علم کا ہجوم ہوگیا - بہ مجوائے اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوکِہِم چونکہ بادشاہان وقت علم دوست ہوتے تھے اسلیے بغداد کا بچہ بچہ تحصیل علوم کا شائق اور اُسکے ذریعہ سے کامیابی ونام آوری کا خواہان نظر آتا تھا اور جن جن علوم کی طرف بادشاہ وقت کی توجہ خاص طور پر ہوتی تھی اُسکی زیادہ ترجیح اُن مین کی جاتی تھی - خلفاء عباسیہ کے وقت مین شمشیر اور قلم دونون کو بے انتہا وسعت دی گئی تھی - جہانداری اور ملکگیری کے اُصول کو وہ خوب جانتے تھے - علم کے بہت بڑے قدردان تھے عام اس سے کہ وہ تحقیقی ہو یا طبعی کسی مسلمان کی جودت طبع کا نتیجہ ہو یا کسی غیر قوم کی ذہانت کا -

جسوقت بنی اُمیہ کی سلطنت دوبارہ اندلس مین قائم ہوئی ہے اُسوقت بغداد سرچشمہ علوم اور مرکز فنون مانا جاتا تھا - یہان کے لوگ علم ہیئت - ہندسہ اور فلسفہ کے بے حد شائق تھے مگر ایسا بھی نہ تھا کہ اُنکی معلومات کا دارومدار انھین ہر سہ علوم پر ہو - بلکہ وہ ہر علم کا جاننا اور اُسمین نکات پیدا کرنا فرض عین سمجھتے تھے - کوئی شعبہ علم کا ایسا نہین ہے جسمین مسلمانون کی تحقیق کا پتہ نہ چلتا ہو اور جو یورپ کی موجودہ ترقی کا زبردست مددگار نہ ثابت ہو رہا ہو - اگر اُن مشہور زمانہ اشخاص کے نام اور کارنامے (جو بلاد اسلامیہ مین گذرے ہین) بالتفصیل لکھے جائین تو ایک ضخیم کتاب ہوجائے گی - مگر مین اس مختصر مضمون مین طوالت سے کنارہ کش ہو کر بہت ہی اختصار کے ساتھ اکثر اسلامی مشاہیر کی طبع آزمائیون اور ایجادون کا ذکر لکھکر یہ بتانا چاہتا ہون کہ جو مسلمان آج دنیا کی نگاہون مین عضو معطل اور ناکارہ محض ثابت ہو رہے ہین اُن ہی کے اسلاف آج سے چند صدی قبل کیا تھے ؟ اور یہ یورپ آج جن علوم وفنون کے جاننے اور موجد ہونے پر فخر کر رہا ہے اُنمین سے بیشتر حصہ کے جاننے والے اور موجد خود مسلمان ہی ہین - اور ساتھ ہی یہ بھی دکھانا چاہتا ہون کہ خود مسلمان اپنے اسلاف کے کارنامون سے کسقدر ناواقف ہین ؟ بخدا اُنھین مشکل سے یقین آئیگا اگر اُن کو یورپ کے اختراعات کے مقابلہ مین بتایا جائے کہ فلان فلان چیزین خود تمھارے ہی بزرگون کی ایجاد کردہ و تحقیق شدہ ہین -

مسلمان اپنے اسلاف کے اصلی کارنامون سے زیادہ تر عربی تعلیم کے ہی ذریعہ سے واقف ہوسکتے ہین مگر اول تو بدقسمتی سے عربی کی تعلیم کا رواج ہی کم ہوتا جاتا ہے اور اگر

کچھ ہے بھی تو آجکل کی عربی تعلیم صرف معدودے چند علوم پر محدود کر دی گئی ہے اور ان علوم سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد چونکہ طلبا عام طور پر عالمانہ شان پیدا کر لیتے ہیں اس لیے اُن کے نزدیک دنیاوی علوم کا دیکھنا فضول ہی نہیں بلکہ گناہ کبیرہ تصور کیا جاتا ہے اسی لیے اُن کی معلومات بھی مذہب ہی تک محدود رہتی ہے اور یہ تاریخ سے محض ناواقف اور کورے رہتے ہیں۔ اگر یہ تاریخ کی سیر کریں اور اساتذۂ سلف کے علمی کارنامے نظر سے دیکھنے کی تکلیف گوارا فرمائیں تو انکو معلوم ہو جائے کہ ہم کیا ہیں اور ہمارے اسلاف کیا تھے؟

ہندوستان کے اکثر مسلمان علم ہیئت اور فلسفہ کے سخت مخالف ہیں اور وہ اسکا جاننا خلاف مذہب سمجھتے ہیں۔ گو ایک حد تک اُن کا خیال ٹھیک ہے کیونکہ فلسفہ کی ناکمل تعلیم مذہبی عقائد میں بہت بڑا رخنہ پیدا کر دیتی ہے مگر یہ قصور تعلیم کا ہو گا نہ کہ علم کا۔ شاید وہ نہیں جانتے کہ خود امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فلسفہ اخلاق کو نصاب تعلیم میں داخل کیا تھا اور خود خلفاء ان علوم کے اسقدر مشتاق تھے کہ جب کوئی کتاب اس علم کی تصنیف زیر قلم ہے مگر انھوں نے خبر پاتے ہی فوراً نقل مصنف اور زر نقد بھیج کر خواہش کی کہ کتاب کا سب سے پہلا نسخہ شاہی کتب خانہ میں بھیجدیا جائے۔

علم ہندسہ میں عربوں نے نمایاں ترقی کر کے حکماے یونان کی گرفت کی تھی چنانچہ مشہور ہے کہ البتانی نے بطلیموس کی غلطی نکالکر سال کو ۳۶۵ دن - ۵ گھنٹے - ۴۶ منٹ اور ۲۴ سکنڈ پر قائم کیا اور اس کے بعد ابن بطلیموس ہی کی ۱۷ ڈگری کی غلطی نکالی۔

ابوالید حفید محمد ابن رشد نے جسے انگریزی مورخ اورروز کہتے ہیں آفتاب میں داغ بیان کیے جسکی تصدیق ایک صدی بعد مسٹر ولیم ہرشل نے کی۔ سال کا اندازہ جو البتانی نے کیا تھا اُسمین بھی کچھ غلطی تھی اُس کی تحقیق ثابت بن قرہ نے کی یعنی ۳۶۵ دن - ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ اور ۱۱ سکنڈ پر سال قائم کیا۔

ابن یونس نے وقت کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے آلہ پنڈولیم ایجاد کیا۔ دوربین جو عوام الناس کے نزدیک ایجاد یورپ ہے سب سے پہلے ابوالحسن نے بنائی تھی۔ ستاروں کی کماحقہ کیفیت دیکھنے کے لیے جبیر نے سیویل میں سب سے پہلے رصدگاہ بنائی تھی جو آج تک گرجہ کے کام میں لائی جا رہی ہے

فلسفہ بغداد میں سلطنت کے ساتھ ہی ساتھ آیا اور جب تک بنی عباس کا دور رہا وہ انہیں کے ظل حمایت میں پرورش پاتا رہا - اندلس میں فلسفہ کا رقص چھٹی صدی ہجری [illegible] ہوا اور وہاں بھی اس کی دلفریب صورت نے [illegible] کو اپنا گرویدہ بناکر چھوڑا۔ گو ابتدا میں عرب اور اسپین دو جگہ پُرجوش مذہبی [illegible] نے بڑی سختی سے [illegible] کی مخالفت کی تھی مگر فلسفہ دانوں نے استقلال سے [illegible] کے ساتھ اس مخالفت کا مقابلہ کیا اور شاہی حمایت نے آخر [illegible] وقت مسلمانوں نے یونانی فلاسفہ کی خوشہ چینی شروع [illegible] سو تعلیم فلسفہ ارسطو [illegible] تھا [illegible] کی تصانیف سے [illegible] اور زبردست کتب شائع [illegible] فلسفہ ارسطو [illegible] ذخیرہ تھا آگے چل کر بوعلی سینا نے فلسفہ کو [illegible] اور اسی [illegible] بغداد مشہور بھی جانے لگا [illegible] ہو گیا تھا جس سے امام غزالی [illegible] فلسفہ ارسطو کی مخالفت کرنی شروع کر دی تھی [illegible] پُرجوش [illegible] اب تک اسی طرح مخالفت فلسفہ پر آمادہ [illegible] امام [illegible] منطق کو نصاب تعلیم میں داخل کیا تو اس جوش [illegible] ہو گئی اور جب امام مذکور نے رحلت کی تو [illegible] کی مخالفت [illegible] اور شاگرد اپنی گوشہ [illegible] سوا [illegible] ہمعصر محقق طوسی نے فلسفہ کی حمایت کی اور [illegible] کی [illegible] کے لیے بغداد کو تاتاریوں کے ہاتھ سے تاخت و تاراج کرا دیا۔

فلسفہ کے مشہور عالم عرب - ہسپانیہ - اور ایران وغیرہ میں یہ اشخاص ہوئے ہیں:- ابن باجہ - ابن طفیل - ابن رشد - بوعلی سینا - ثابت بن قرہ - عمر خیام حضرت امام غزالیؒ اور محقق طوسی وغیرہم - ان میں سے اکثر کی تصانیف ایک لاکھ صفحوں سے بھی تجاوز کر گئی ہیں۔

کیمسٹری (کیمیا) کا محقق ایک مشہور شخص جابر نامی گزرا ہے جس نے سب سے پہلے گندک اور شورہ کا تیزاب اور سیماب کا مرکب بنایا - اسکے بعد امام رازی نے جوہر

شراب جسے الکحل کہتے ہین تیار کیا۔
بوعلی سینا (جو شاہ طب کہلاتا ہے) سنے طب کے بیشمار خزانے جمع کیے اور دُنیا کے لیے چھوڑ گیا۔ ابن ظہر نے جو اِس فن کا دوسرا ماہر کامل تھا علمی اور نظری طب مین حیرت انگیز دستگاہ بہم پہونچائی تھی۔ ابن بیطار یا البیطیہ نے جو علم نباتات کا اعلےٰ درجہ کا جاننے والا تھا مشرقی ممالک بالخصوص ہندوستان کا سفر کرکے ہزارہا بوٹیان اور اُن کے خواص معلوم کیے اور اُن کے حالات مین ایک ضخیم کتاب لکھکر ہمیشہ کے لیے اپنی یادگار چھوڑ گیا۔ عبدالقاسم ایک مشہور جرّاح تھا جسکے ایجاد کردہ چند آلات جرّاحی بلاترمیم آج تک استعمال کیے جارہے ہین۔
علم ہندسہ مین اہل عرب مہارت تامّہ رکھتے تھے۔ اُن کے مروّجہ قواعد حساب آج تک بڑی خوبی سے مستعمل ہین اور وہ کچھ ایسے مکمل ہین کہ اُن مین ذراسی بھی ترمیم و تنسیخ کی گنجائش نہین۔ علم ہندسہ کے ماہرین مین چند اشخاص زیادہ نامور ہوئے ہین جنمین سے ابن موسیٰ اور البیرونی کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ ابن موسیٰ نے جبر مقابلہ اور علم المثلث کو ایجاد کیا اور البیرونی سنے بھی بہت سے قواعد حساب منضبط کیے تھے۔
موسیقی مین مسلمانون نے وہ کمال حاصل کیا تھا جو سوائے اہل ہنود کے اُن سے قبل کسی کو حاصل ہو ہی نہ سکا۔ گو مسلمان موسیقی کو خلاف شرع خیال کرتے ہین اور ایک حد تک یہ خیال ٹھیک بھی ہے مگر اسپین مین خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث الناصر لدین اللہ کے وقت مین خاص قرطبہ مین موسیقی کا ایک زبردست کالج تھا جہان سیکڑون طلبا تعلیم پاتے تھے اور خود خلیفہ موسیقی کا اسقدر شائق اور اُسکے ماہرین کا اسدرجہ قدردان تھا کہ ظہر مان موسیقی کا اُستاد جب ایشیا سے اِس کالج کے دیکھنے کے لیے اُندلس گیا ہے تو خود خلیفہ نے اُسکا استقبال کیا تھا۔
انجنیری (معماری) اور جرّاثقیل مین وہ مہارت و دستگاہ رکھتے تھے کہ اُن کی تعمیر کی ہوئی عالیشان عمارتونکو دیکھ دیکھکر آجکل کے بڑے بڑے سند یافتہ اور نامی انجنیر حیرت مین آجاتے ہین اور نہین سمجھ سکتے کہ یہ کن کن ترکیبون سے تعمیر کی گئی ہین؟ اسپین کے مشہور شہر قرطبہ مین جو پُل دریائے وادی الکبیر پر تعمیر کیا گیا ہے وہ آجتک اپنے نادرالمثال کاریگرون کی صنعت اپنی شاندار دائرہ محرابون سے ظاہر کر

کے بڑے بڑے ماہران فن کو حیرت کے دریا مین غوطے کھلوا رہا ہے۔ ہسپانیہ کے محلات شاہی مین جو قصور (قصر الازہار۔ قصر العاشقین۔ قصر السرور اور قصر التاج کے نام سے موسوم تھے آج تک اپنی مٹی ہوئی شان سے عظمت دیرینہ ظاہر کر رہے ہین بالخصوص قصر دمشق جو اُن مین اوّل درجہ تھا اور جسکو خلیفۂ وقت نے خاص وطن کی یادگار مین قائم کیا تھا اب تک تاریخ دانون کی نگاہون مین اپنا خیالی منظر پیش کر رہا ہے۔

تاریخ مشہور ہے کہ مدینۃ الزہرا کا وہ قصر جسکو خلیفۂ اعظم نے خاص اپنی پیاری بی بی زہرا کی یادگار مین تعمیر کرایا تھا کچھ کم حیرت انگیز نہ تھا۔ اسمین سب سے زیادہ تعجب خیز ایک حوض تھا جسمین ہر قسم کے آبی جانورون کی سنگی تصویرین جا بجا کچھ اسطرح لگائی گئی تھین کہ وہ بالکل اصلی معلوم ہوتی تھین۔ جامع مسجد قرطبہ جسکی آرائش مین اپین کے جملہ اسلامی فرمان روائون نے حصہ لیا ہے آج تک باوجود تباہ و برباد ہوجانے کے اپنی عظمت وشان اور اُس زمانہ کے ماہران فن کی کاریگری کو اچھی طرح ثابت کر رہی ہے۔

مسلمانون کی صناعیون کے نمونے دیکھنے کے لیے دور دراز ممالک مین کیون جائیے ہندوستان کے روضۂ تاج محل ہی کو لے لیجیے جو باوجود کئی صدیان گذر جانے کے آج تک اُسی شان کے ساتھ آگرہ مین کھڑا ہوا خاندان مغلیہ کے عالی حوصلہ بادشاہ شاہجہان کی اولوالعزمی کا ثبوت دے رہا ہے۔ یہ روضہ خلاصۃ العجائب اور نادرات روزگار کا مکمل نمونہ ہے۔ ہندوستان کا تو بچہ بچہ اس تاج العمارت کے نام سے واقف اور اُسکے دیکھنے کا بے حد شائق ہے۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ ممالک غیر کے باشندون پر بھی اسکی خوبصورتی و صناعی نے کچھ کم اثر نہین ڈالا ہے۔

روزانہ بیسیون سیاح مختلف بلاد و ممالک بعیدہ سے صعوبت سفر جھیل جھیل کے خاص اس کے دیکھنے کو آگرہ آتے ہین اور اس سراپا صنعت روضہ کی سیر سے حظ وافر حاصل کر کے واپس جاتے اور اپنے سفر کی کوفت کو رائگان نہ جانتے دیکھکر اظہار مسرت کرتے ہین۔

جب کوئی شخص اسکے عالیشان و بلند پھاٹک مین روضہ مین داخل ہونے کے

سے لیے قدم رکھتا ہے تو نہر کے پاس سے گزرتے ہوئے اس تھوڑی ہی سی مسافت مین اسکو بے شمار دلچسپ سینریان دکھائی دیتی ہین جنکو مشاہدہ کرنے کے بعد بے اختیار رکھنا پڑتا ہے ۔ ع کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجاست ۔ لب جو چلتے چلتے جب سیاح کی نگاہ سرو کے کشیدہ قامت درختون پر پڑتی ہے تو کچھ دیر کے لیے اُسے محو حیرت ہونا پڑتا ہے اور وہ نہین امتیاز کر سکتا کہ یہ درحقیقت سرو کے درخت ہین یا زمرد کے جھاڑ اور جب نہر کے شفاف و خوشرنگ پانی مین سرو کے درختون کا عکس دیکھتا ہے تو سرو روان کی نازک تشبیہ کا تجربہ بھی اسکو ہو جاتا ہے فوارے جو نہایت خوشنمائی سے چھوٹتے ہین رقم الماس معلوم ہوتے ہین اور اُن کے قریب ہی کھلنے والے گل لالہ لعل اور یاقوت رمانی سے کم چمک دمک نہین رکھتے شاید اسی نظر فریب باغ کے لیے بلبل شیراز نے ذیل کے اشعار تصنیف کیے تھے

روضتہ ماء نہرہا سلسال   دوحتہ سجع طیرہا موزون

آن پر از لالہ ہائے رنگا رنگ   وین پر از میوہ ہائے گوناگون

ایک جانب اگر قدرتی گھاس اور آبشار کی مصنوعی تصویر کھینچ کر ناظر کا دل پیش نظر رکھ کے دلکشی زیادہ کر رہی ہے تو دوسری جانب فن باغبانی کی اعلیٰ کاریگری سے لگائی ہوئی روشین بھی دلچسپی بڑھانے مین کمی نہین کرتین ایک طرف بیلا، موتی اور چمپا کی بھینی بھینی خوشبو مشام جان معطر کرنے کی کوشش مین ہے تو دوسری جانب یورپ کے رنگین اور دلفریب پھول بھی دیدنی ہین یورپ کے نشانات معلوم ہوتے ہین ۔ سنگ مرمر کے حوض کلان مین جو رنگین مچھلیان چھوڑی ہوئی ہین دیکھنے والے کو بے طرح اس بات پر مجبور کرتی ہین کہ وہ یہان کچھ بھی ہو لیکن اور بچھونون پر تھوڑی دیر کے لیے ضرور بیٹھے اور اُن کی خوش فعلیون کا تماشا دیکھے آگے چلکر جب سیاح شاہ جہان کے سفید و براق روضہ کے نیچے پہونچتا ہے تو خود بخود اس کا دل مرعوب ہو جاتا ہے اور اُس کی چشم خیالی مین اس عالی حوصلہ بادشاہ کے جاہ و جلال کی تصویر پھرنے لگتی ہے اور جب وہ اُس روضہ کے خوبصورت صحیح قد اور بلند مینارون ۔ اُس کے شفاف فرش اور اعلےٰ پیمانہ کی پرچین کاری کی صنعتون کو دیکھتا ہے تو اُسے ماننا پڑتا ہے کہ ہندوستان مین شاہان اسلام

اسی کے وقت میں ہی صنعت و حرفت معراج کمال پر پہونچ چکی تھی - انہیں نفاست بار نہایت سلیقے والے یادگارون کو دیکھکر کسی دل جلے عاشق مزاج کے منہ سے سب بیساختہ سجدہ ریزی میں یہ پڑھتا ہوا شعر نکل گیا ہے ؎

دیکھا موزون قد کسی کا ساتھ مینار کا
یاد آیا تماشہ اگر نشانہ ہے تاج گنج

یون تو اول سے آخر تک یہ عمارت خوشنمائی و رعنائی کی مجسم تصویر ہے مگر چند صنعتین ایسی بے نظیر رکھی گئی ہین جنکا بیان خالی از دلچسپی نہوگا - ان بدیع المثال کاریگریون مین اول وہ قرآنی سورتین ہین جو ہر محراب دار دروازہ پر ایک سمت زیرین سے شروع کرکے دوسرے حصہ پر ختم کی گئی ہین - یہ محرابدار دروازے نہایت بلند اور عالیشان ہین جنمین یہ سورتین بخط نسخ کندہ ہین - ان مین یہ صنعت رکھی گئی ہے کہ جو عبارت اور جو لفظ جتنا بڑا اور جس پیمانہ پر نیچے نظر آتا ہے اتنا ہی بڑا اور اسی پیمانہ پر اوپر اور درمیان مین بھی نظر آئیگا -

دوسری صنعت اس روضہ کا عظیم الشان گنبد ہے - اس کی بلندی و رفعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُس سنہ اوپر کا موجودہ طلائی کلس جس پر [illegible] لگا ہوا ہے دس گز طویل ہے مگر نیچے سے مشکل کسی تیز نظر آدمی کو ۳ یا ۴ گز کا معلوم ہوتا ہے - عقل کام نہین کرتی کہ اسقدر بلند اور وزنی گنبد کو مقبرہ کی چھت پر صرف تین یا چار گز کی دیوار پر کسطرح قائم کر دیا ہے - اُس کلس مین جو نیچے سے بہت چھوٹا نظر آتا ہے تجربہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ اسکے اندر ۹ من چنے آسکتے ہین -

تیسری صنعت شاہجہان اور اُسکی پیاری بی بی تاج محل کے مزارون اور اُسکے گرد کے کٹہرے پر کی ہوئی پچی کاری سے عیان ہوتی ہے - جسکو اگر عجوبۂ روزگار اور عدیم المثال لکھین تو زیبا ہے کیونکہ اس مین بڑی بڑی صناعیون اور فن کی باریکیون کو ختم کر دکھایا ہے اور نکتہ چینون کے لیے ذرا بھی چون و چرا کی گنجائش باقی نہین رکھی ہے - جا بجا دیوارون پر رنگین پتھرون کے پھول تراش کر نصب کیے ہین اور اس صناعی سے نصب کیے ہین کہ اُن کا جوڑ بڑی جستجو کے بعد بھی معلوم نہین ہوتا - پھولون مین جو پتیان بنائی ہین اُن مین سے ہر پتی کئی کئی رنگ کی ہے - اگر پتی کا بالائی حصہ سبز پتھر کا ہے تو وسط مین سرخ یا زرد رنگ کا اور لطف یہ کہ ہر

تی مین رنگین بالکل نیچرل شکل کی بنائی ہین جو بلا مبالغہ بال سے باریک ہین اور یہ سب سنگ مرمر کی بنی ہین مگر کیا مجال کہ ذرا سا بھی جوڑ معلوم ہو جائے یا وہ بال سے باریک ٹکڑے تراشی ہوئی رنگین کسی جگہ سے خراب و بدنما دکھائی دین۔ اُن ٹکڑون کی ... صناعی کا اندازہ آپ صرف اس ایک امر سے کر سکتے ہین کہ ... ٹکڑون کا ایک ایک مجموعہ بنایا گیا ہے مگر ممکن نہین کہ آپ اُن سے پیوستہ کردہ ٹکڑون کو کسی طرح شناخت کر سکین۔ ... آپ کو ... علامہ ... میرے بیان کا بہت زبردست موید ہے ... ست کہتے ہین ؎

ہر کہ بنگرد آمد کہ ... شکل ... گویا این قصر ...

الغرض صنعت و حرفت اُس زمانہ کے لحاظ سے خاص بلاد اسلامیہ کا حصہ تھی۔ بالخصوص اندلس ان کامون کا گھر سمجھا جاتا تھا۔ تمام یورپ کی اسلامی ترقی اور اُسمین رہنے والے صناعون کی صنعتون کو دیکھ دیکھ کر رشک و حسد کی آگ مین جلا جاتا تھا۔ سپین مین ریشم کی صنعت کو بہت ترقی ہوئی تھی۔ چنانچہ عمدہ اور کثیر تعداد مین مختلف ریشمی اشیا اور ریشمی پارچے وہان تیار کیا جاتا تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خلیفۂ اعظم کے وقت مین صرف قرطبہ مین ایک لاکھ تیس ہزار ریشمی پارچہ باف آباد تھے۔ اسکے علاوہ ایک بڑی تعداد مینا کاری۔ جواہر نگاری۔ کوزہ گری اور ظروف سازی کا کام کرنے والون کی تھی جو اپنے کامون مین ید طولیٰ رکھتے تھے اور جنکی ساختہ اشیا آج تک صدیان گزر جانے پر بھی عجائب خانونکی رونق کو دوبالا کرنیکے ساتھ ہی اُسوقت کی صنعت و حرفت کا بیّن ثبوت زمانہ کے سامنے پیش کر رہی ہین۔

جیرونا کے مشہور گرجہ کے آلٹر (قربان گاہ) پر خلیفہ حکم ثانی کی مرصع یادگار اب تک موجود ہے جو اُس زمانہ کے میناکارون اور جواہر نگارون کی اعلے درجہ کی کاریگری ثابت کر رہی ہے۔ یہ ایک چھوٹا سا بکس ہے جسمین چارون طرف چاندی کا ملمع کیا ہوا ہے اور جا بجا آب دار موتی اور جواہرات نصب

ہوئے ہیں اور نہایت پردل آویز عربی خط میں ایک عربی کا کلیہ تحریر ہے جس میں سلطان
موصوف کے حق میں دعائے خیر کی گئی ہے ۔
شارلمین شاہ فرانس کو جو گھڑی تلطفاً ہارون رشید نے تحفتہً عنایت کی تھی یا اپنی
صنعت دکھانے کے لیے بھیجی تھی ۔ یہ مشہور ہے کہ اسکے دیکھنے سے یورپ
کے لوگوں کو کس قدر حیرت و استعجاب ہوا تھا ۔ یہ گھڑی عجیب صنعت کی تھی کہ گھنٹے
بجنے کے وقت اسکے اندر سے ایک سوار نکلتا تھا اور وہ جتنے بجے ہوں اتنی ہی
چوٹیں مار کر تعداد معلوم ہو جاتی تھی ۔ یہ صنعت کا ذکر ہے بقول ایک انگریزی
مورخ اہالیان یورپ کھالیں کے ناواقف تھے اور جس وقت یہ گھڑی دنیا عالیشان محل
میں رکھی تھی تصور کرتے تھے ۔ جب یہ گھڑی [illegible] سے [illegible] کیفیت
جانتا تو وہ لوگ بغیر سکھائے ہوئے اسکے طریق استعمال کو بھی نہیں سمجھ سکتے
تھے یا آج سی مانے لوگ اپنی حیرت انگیز و عجیب چیزوں سے دنیا بھر کو خیرہ
کیے ہوئے ہیں مگر افسوس کہ اسی فلسفیانہ مذہب کے پیرو جنھوں نے تمام دنیا کو متمدن اور
مہذب بنایا آج عالم کی نگاہوں میں نیم وحشی جاہل و غیر مہذب بن رہے ہیں گویا
مدہوشی چھا گئی ہے بیدار نہیں ہوتے اور تم تو یہ ہے کہ اگر ان کو ہوشیار کرنے کی کوشش
کی بھی جاتی ہے تو وہ اپنی اس حالت کا باعث تقدیر و زمانہ کو ٹھہرا کر اور الزام
اپنی نادانی کا اس پر رکھکر بخیال خود سبکدوش ہو جاتے ہیں ۔
زمانے نے کسی کو ایک حال پر قائم نہیں رہنے دیا بلکہ دنیا میں ہر چیز کو زوال کا
پیش آنا ہے مگر صرف زمانہ کو ہر کام میں شریک کرنا اور اپنے تنزل و ادبار
کا باعث قرار دے لینا عقل سے بعید ہے اس لیے کہ زمانہ تو تمھارے افعال
کا سچا آئینہ ہے ۔ تم جیسا کام کروگے زمانہ کے ہاتھوں تم کو ویسی ہی جزا یا
سزا ملیگی ۔ کیا [illegible] کی بات ہے کہ اپنی بربادیوں اور تباہیوں کے باعث تو خود
تم ہی ہوں اور جب اپنے افعال کی پاداش بھگتیں تو زمانہ کو برا بھلا کہنے لگیں ۔ اسی
طرح تقدیر کو سمجھ لیجیے کہ پاؤں میں کلہاڑی تو ہم خود ماریں اور جب زخم آئے تو الزام
تقدیر کو دھر کرتے ۔ بھلا یہ کونسی دانشمندی ہے ؟ اگر ہم اپنی حالت کو
درست کر کے دنیا کی نگاہوں میں پھر وقیع و ممتاز بننا چاہتے ہیں تو ہمیں قرآنی

تعلیم کو شمع ہدایت بنانا اور اُسکے پاک ارشادات کو دستور العمل زندگی قرار دینا چاہیے نہیں تو اقل مرتبہ موجودہ مقتدر و سربرآوردہ اقوام کے طرز معاشرت۔ تہذیب۔ تمدن اور حسن اخلاق سے ہی سبق حاصل کرنا چاہیے۔

دیکھو! جس وقت اہل عرب گمنامی اور جہالت کی زندگی بسر کر رہے تھے اُس وقت کیا اصول عقائد تھے اور جب تبلیغ اسلام سے ایک نئی روح پھونکی گئی تو انھون نے کیا شیوہ اختیار کیا؟ اول الذکر حالت مین نا اتفاقی۔ خانہ جنگی۔ اور طوائف الملوکی شعار بنی تھی اور فسق و فجور اُنکے دل و دماغ مین سما رہی تھی۔ علم کی طرف سے بالکل بے پروا اور لہو و لعب کے بے حد دلدادہ تھے مگر موخر الذکر حالت نے اُن کی کایا پلٹ دی اور اب وہ سفاہت و جہالت کو خیرباد کہکر معصیت کاری کو چھوڑکر لہو و لعب پر لعنت بھیجکر اور گمراہی سے نکل کر پکے موحد اور خدا پرست بن گئے۔ اتحاد و یگانگی کو اپنی زندگی کا جزو اعظم بنا لیا اور آخرکار یہی اخوت اسلامی اُن کی کامیابی و مقصد کی برآری کا زینہ بنی۔ اسی کی بدولت تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ مین انھون نے اپنے طرز عمل اور حسن اخلاق سے دنیا کو مسخر کر لیا اور آیندہ نسلون کے لیے ایک بے بہا و قابل تقلید نظیر بن گئے۔ آجکل کے مہذب و ترقی یافتہ اقوام کا جو طرز معاشرت ہے اور جس بنا پر وہ دنیا کی نگاہون مین یہ ممتاز اقوام شمار کی جاتی ہین اگر آپ عمیق نظر سے دیکھینگے تو آپ کو اُن مین بھی وہی اوصاف نظر آئینگے جو کبھی مسلمانون اور بالخصوص عربون مین تھے۔ مگر افسوس کہ اب مسلمانون سے وہ اوصاف حمیدہ مفقود ہوتے جاتے ہین اور خودغرضی و انانیت کا مہلک مادہ اُن مین بڑی سرعت کے ساتھ اپنا زہریلا اثر پھیلاتا جاتا ہے بلکہ مجبوری کا لحاظ کرتے ہوئے مجھے بلا دریغ یہ کہدینا چاہیے کہ مسلمانون سے نیک عادات اور خجستہ صفات بالکل جاتے رہے اور خودبینی و خودپرستی کی زہریلی ہوا نے اب انھین جان بلب یا آفتاب لب بام بنا رکھا ہے۔ ایسی حالت مین خدا اُن پر رحم کرے اور آیندہ اُن کو اپنی دینی و دنیاوی فلاح و بہبود مین گرم جوشی سے حصہ لینے کی توفیق رفیق بخشے۔ آمین!

مین نے یہ مختصر مضمون لکھکر اپنے اسلاف کے تھوڑے سے کارنامے پیش ناظرین دلگداز کیے ہین محض اس غرض سے کہ آپ اپنی اور اُن کی گذشتہ و موجودہ

حالتون کا مقابلہ کرکے یہ معلوم کر سکین کہ وہ کیا تھے اور ہم کیا ہین ؟ اور آئندہ ہمین کیا ہونا چاہیے ؟

اگلے مسلمان اگر دنیا مین پھر پیدا ہو جائین تو کیا ہم کو وہ مسلمان کہتے ہوئے نہ شرمائین گے ؟ نہین ضرور ۔ اور با ضرور انھین غیرت آئے گی ۔ ندامت کے پسینے مین نہا جائین گے ۔ اور عرق انفعال اُن کے غیور چہرون سے بہ بہ کر ٹپک پڑے گا پھر کیا یہ شرم کا مقام نہین ہے کہ وہ تو ہمارے افعال شنیعہ دیکھ کر دم بخود ہو جائین اور ہم ننگا ر خطا وار ہو کر بھی نہ شرمائین اور اپنی خطاؤن پر نادم ہو کر باوجود ان ہمارے کانون پر جون تک نہ رینگے ؎

مسلمانو افسوس غیرت کی جا ہے
زمانہ ترقی مین ہم سے بڑھا ہے
تمھین ڈھونڈتا دیر رو گیا پھر
بڑی مشکلون سے لگا یا پتہ ہے
بہت رو چکے رونیوالے اٹھو اب
زمانہ ہو گیا ہے وہی گرداب

راقم سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبرآبادی ۔

اُجڑی بستی

قدرتی مناظر کے جیسے قدرداں شعرائے عرب ہوئے ہین شعرائے فارس نہین ہوئے ہین ۔ فارسی شاعری مین رزم و بزم ۔ حسن و عشق ۔ مدح و ذم پند و موعظت ۔ تصوف و معرفت ۔ سب چیزین ملینگی مگر یہ بات لین نہ نظر آئے گی کہ ایک حیران نصیب اپنے وطن کے اُجڑے ہوئے کھنڈرون یا اپنی کسی اگلی خیمہ گاہ کے نشانون پر کھڑا رو رہا ہے ۔ وہ ان کھنڈرون ہی مین سے ڈھونڈھ کے ۔ اور گویا راکھ کو کرید کرید کر عشق کی چنگاریان نکالتا ہے ۔ اور اپنی آہون کی ہوا سے دھونک دھونک کر انھین بھڑکاتا ۔ اور اپنے تن بدن ہی نہین سننے والون کے سینون تک مین آگ لگا دیتا ہے ۔ تلاش کر کر کے اگلی رونق کے مٹے نقوش کا پتہ لگاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہان صحبت احباب گرم ہوتی تھی یہان مہمان نوازی کی آگ روشن رہا کرتی تھی ۔ یہان قبیلہ کی لڑکیان دوڑتی دھوپتی کھیلتی کودتی تھین ۔ اور یہان

میری سلمیٰ یا لیلیٰ اپنے خیمے سے نکل کے مشق ناز کیا کرتی تھی -

اگر غور سے دیکھیے اور عبرت کی نگاہ ہو تو جتنے اجڑے کھنڈر اور مٹی ہوئی بستیاں مصر و شام اور ہندوستان میں ملیں گی سرزمین عرب میں نہیں مل سکتیں مگر ہم نے ان پر جا کے نہ کبھی نالۂ نیم شبی کا چراغ جلایا - اور نہ کبھی اُن کی پُرسوز زبان خاموشی سے حسرت کی داستان سن کے آنسو بہائے -- بخلاف اُس کے عرب ایسا پُرسوز و گداز دل لے کے آئے ہیں کہ عمارتوں کے کھنڈر - اور بستیوں کے آثار نہیں تو اُس اجاڑ وادی ہی پر کھڑے ہو کے رو لیتے ہیں جہاں اُن کا یا اُن کی محبوبہ کا قبیلہ چند روز تک خیمہ زن رہا تھا - اُس پڑاؤ کی یادگار میں سوا جا بجا راکھ کے ڈھیر کے جو ضیافت قوم اور بدوی مہمان نوازی کی نشانی ہے - اُن گڑھوں کے جہاں خیموں کی میخیں گڑی ہوئی تھیں - اُس داغ بیل کے جو خیموں کی قطار کا ثبوت دیتی - اور اُن کے نصب ہونے کی وضع بتا رہی ہے - کوئی چیز نہیں باقی ہے - مگر جذبات دل - اور جوش عشق ظاہر کرنے کے واسطے اُن کے لیے یہی علامتیں کافی ہیں - اور انھیں دیکھ دیکھ کے خدا جانے کیا کیا باتیں یاد آجاتی ہیں -

سرو مہران وطن - گو تمھارا دل ویسا رقیق - اور تمھاری نظر ویسی عبرت بین نہیں مگر چونکہ سوادیشی جوش کا زمانہ ہے لہٰذا ہمارے ساتھ چل کے تم اپنے دیس کی کسی سونی بستی کی تو سیر کرو - اور اُس کے مٹے آثار پر معمار خیال کی مدد سے اُن گری پڑی عمارتوں کو نئے سرے سے قائم کر کے دیکھو کہ وہاں کبھی کیا تھا؟ کیا ہو رہا تھا؟ کیسی رونق تھی؟ اور کس شان و شوکت کی چہل پہل تھی؟ ہم متعین کسی بڑے تاریخی اور مشہور و معروف شہر کے منہدم آثار پر نہ لے چلیں گے - کیونکہ ان کی گزشتہ اور پامال شدہ عظمت کے لیے ہمارے تمھارے سے چند آدمیوں کا رونا کافی نہیں - اور صرف چند شخصوں کی حسرتوں کے چراغ اُن میں اتنی روشنی نہ کر سکیں گے کہ کچھ نظر آئے - اُن پر تو مدتوں کو رونا چاہیے - اور بڑے بڑے گروہ اکٹھے ہو کے ماتم کریں تو شاید ان قومی اور بادشاہی عظیم الشان عزاخانوں میں اُن کی شان کے مناسب شور و شیون ہو سکے - ہم تو ایسی سنسان اور چھوٹی بستی کے کھنڈر ڈھونڈھنا چاہتے ہیں جس کا نام بھی اُس کی دیواروں کی مٹی کے ڈھیر

سے نیچے دب کے اس طرح غائب ہو گیا ہے کہ کسی طرح معلوم ہی نہیں ہو سکتا تھا جس کے محدود اور چھوٹے سے بیت البکا میں اکیلے ایک شخص کا رونا بھی کچھ شور پیدا کر سکے۔

بریل آف سر جان مور

(دفن سر جان مور)

سنہ ۱۷۶۱ء میں سر جان مور ایک نامور برٹش سپہ سالار گلاسگو میں پیدا ہوا تھا۔ پندرہ برس کی عمر میں فوج میں داخل ہوا ... ویسٹ انڈیز ... وغیرہ میں فوجی خدمات انجام دیے مگر اس کا سب سے زیادہ ... الشان کارنامہ جس پر اس کی شہرت کی بنیاد ہے ایک سخت دشوار میدان ... سے ہوشیاری سے ... پیچھے ہٹ آنا ہے۔ ... اسپین میں ... کرونا کی طرف اپنی ساری فوج سمیت چلکے جاتے میں بڑھتا چلا جاتا تھا۔ ایک طرف کو سمندر تھا اور پس پشت غنیم کی فوج کا ریلہ تھا۔ لڑائی ناگزیر تھی۔ انگریزی سپاہ سامنے آنے والے غنیم پر ٹوٹ پڑی اور شکست فاش دی، مگر یہ فتح بہت ہی گران قیمت پر خریدی گئی تھی۔ اس لیے کہ سر جان مور کا ایک گولہ سے کام تمام ہو گیا۔ (۱۶ جنوری سنہ ۱۸۰۹ء) اس کی لاش کو جنگی وردی میں لپیٹ کر اس کے دستہ کے افسروں نے کرونا کی شہر پناہ کے اندر دفن کر دیا اور بہت ہی عجلت کے ساتھ جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ غنیم کے اتواپ کے ... نے تجہیز و تکفین کا وقار بڑھایا۔ اور فریق ... جنرل سولٹ نے متوفی کی شجاعت کے لحاظ سے نہایت ہی وقار اور حرمت کے ساتھ میدان جنگ میں بطور یادگار ایک مینار قائم کر دیا۔

طبل کی آواز آئی نے صدا تھی نوحہ کی ۔۔۔ جب جنازہ لیکے سر جان کا چلے سوئے حصار
اور اعزای توپ سر اک بھی سپاہی نے نہ کی ۔۔۔ اُس لحد پر دفن جس میں تھا وطن کا جان نثار
ایسی شب اُس کو کیا مدفون باصد خامشی ۔۔۔ اپنی سنگینوں سے اُس کی قبر ہم نے کھود لی
اور ... چادر میں منہ ڈھانپے ہوئے تھی چاندنی ۔۔۔ رو رہی تھی شمع اس پر باہزاران بیکسی

اُس کے لاشہ کو بھی کیا تابوت کی حاجت بھلا
پیرہن سے کیا غرض تھی تھا کفن سے کام کیا

نعش پر [illegible] ار آرام سے لیٹا وہ تھا
ہان لباس جنگ سے بیشک تھا جسم آراستہ

[illegible] ہوئی بھی تو بہت ہی مختصر
اور نہ آپس مین کیا کچھ ہم نے اظہار ملال

ہم کی تھی پاس کی مرد کی صورت پر نظر
فکر فردا سے مگر دل کا بہت تھا غیر حال

اک عجب پُر درد پیدا ہوگیا دل مین خیال
تنگ بستر کھود کر جب خشت بالین کی درست

[illegible] سے ہوئی اُس کی تربت پامال
اور ہم دریا پہ ہون گے دو ہم سے جو گذرت

[illegible] کو کرین گے خیر سے دشمن بھلا
بد کہین گے گالیون کا اُس پہ مینھہ برسائینگے

[illegible] برطانی نے جس جا دفن اُسکو کردیا
گر اُسی جا سو نے دین تو دو غم ہو جائینگے

نصف یہ دشوار کام انجام پایا بھی نہ تھا
دی صدا ساعت نے واپس چلنے کی آئی گھڑی

دشمنون کی توپ سے میدان سارا گونج اُٹھا
ضرب سے توپون کی اُسکے تھی نمایان دُوری

قبر مین اُس کو لٹایا بادل سینہ فگار
لائے تھے میدان سے جسکو خون فشان [illegible]

سنگ تربت ہے نہ کچھ تحریر اُس کی یادگار
چھوڑ جاتے ہین اُسے تنہا سے شہرت کی یار

بدر الزمان - از کلکتہ -

تاریخ کلکتہ

جیمس خ[illegible] کے ساتھ قدیم الایام کے مغربی سیاحوں کے سفرنامے بھی مختصراً درج کیے گئے ہین - یہ ایک چھوٹی سی [illegible] صفحون کی کتاب ہے جس کو مولوی محمد بدر الزمان صاحب نے جن کی نظمون سے ہمارے ناظرین کے کان ناآشنا نہین نہایت قابلیت سے لکھا ہے اور اُسے ۱۸-۲۲ - پیمانے کے کاغذ پر نہایت خوبصورتی کے ساتھ چھپوا کے شائع کیا ہے - ہم نے باوجود عدیم الفرصتی کے اس رسالہ کو شوق سے دیکھا - اور سمجھتے ہین کہ بڑی قابلیت سے لکھا گیا ہے - کلکتہ فی الحال ہندوستان کا دارالسلطنت ہے اور اپنے حالات مین اس سے زیادہ ضخیم کتاب چاہتا ہے لیکن ہمین یقین ہے کہ مولوی محمد بدر الزمان صاحب کی محنت بیکار نہ جائے گی اور ملک اُس کی پوری قدر کرے گا - قیمت فی جلد - ۲ر ہے - کتاب کی حیثیت کے دیکھتے زیادہ نہین - اردو لٹریچر کے قدردانون کو ضرور منگوانا چاہیے - مصنف کا پتہ کلکتہ - نمبر ۲۸ مولوی اسمعیل [illegible] - [illegible]

اور دو عربی سچے بہادر نوجوان - اور پھر اُسکے ساتھ عربی مکاری دغا بازی اور انتقام لینے کی تصویر دربار ہی غسان دربار ہی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیرین و مہلہل کی سرگذشت عجیب

ملک العزیز ورجنا - مصر کی صلیبی لڑائی یعنی رچرڈ شیر دل - اور سلطان صلاح الدین کے معرکہ کارزار - دغا بازی اور بے وفائی عشق - اور پھر اسکے ساتھ ہی عشق ۸/

حسن انجلینا - روس اور روم کی لڑائی - ارمنیوں اور ترکوں کی پھوٹ - اُس کا انجام اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد - ۸/

منصور موہنا - فتح سندھ مین ایک مسلمان انصاری خاندان - اُس کی تباہی - اور پھر محمود غزنوی کی مدد سے اُس کا سنبھلنا حسن عشق کی نہایت دلفریب دلکش تصویرین مسلمان مجاہدون کے آگے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے شہزادے ۸/

فردوس بریں - نہایت ہی حیرت انگیز ناول فرقہ باطنیہ حشیشین - اور اُن کے فدائی جنت کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حور بن جانا اور اُس کے عاشق کا باطنی لوگون کے ہاتھ مین پڑ کے خراب ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ الٰہی اور اُس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رُخ - اس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے بے مثل و بے نظیر ناول ہے - ۸/

شہید وفا - غرناطہ اور اسپین مین مسلمانون کا زوال - اور اس زوال کی حالت مین بھی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا - جیتا جاگتا عشق حسرت و اندوہ کی سچی تصویر ۸/

درگیش نندنی - بابو بنکم چندر چٹرجی کے اس نام کے دلچسپ ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اردو مین - ۸/

دلچسپ (دو حصہ) مصنف کا پہلا زور قلم - عشق اور اُس کی بیتا بیان - خاندانی جھگڑے بگڑے شریف زادے - اس کا لٹریچر خاص شان اور خاص رنگ کا ہے - ۱۲/

دلکش - (دو حصہ) طالب علمی اور عشق - نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نہایت دلکش اور پُر لطف - ۱۲/

ڈوالوکی دو ھن - ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول جس کا ترجمہ کرکے دلگداز مین شائع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - ۱۲/

آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر - جو عورتین دھوکہ دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات سمجھتی ہین انکی غفلت کا خمیازہ ۸/

بدر النسا کی مصیبت - ایک حسرتناک داستان جس مین ریل پر بیبیوں کے دل بہلنے سے طرح طرح کی خرابیان پیدا ہوتی ہین ۸/

بیوہ کا نکاح - ایک عجیب ڈراما رضامندی اور نا رضامندی کی شادیان - ۸/

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء (اس سال صرف پانچ رسالے نکلے تھے) ۸/

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۳ء (صرف آٹھ رسالے نکلے تھے) ۸/

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۴ء (مکمل بارہ پرچے) ۸/

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۴ء (اس مین ابتدائی چند رسالے سنہ ۱۹۰۱ء کے اور ما بقی سنہ ۱۹۰۲ء کے ہین جنھین ملا کے ایک جلد مرتب کی گئی) ۸/

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء (مکمل بارہ پرچے) ۸/

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے) ۸/

دلگداز

مارچ (مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) ۱۹۰۶ء

نمبر ۳ —————— جلد ۱۱

اڈیٹر مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ

قیمت مع محصول مکمل پرچہ مضامین و ناول و تاریخ سالانہ ے

ان میں سے کوئی دو جز لیے جائیں تو ۔ عہ

اور کوئی ایک ہی جز لیا جائے تو ۔ مہر

(قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کے

لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہوا

تاریخ اور لطائف

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیان جو بیت المقدس کی حکومت کے لیے صدیون تک مسلمانون اور عیسائیون مین جاری رہین منصف مزاج انگریزی مورخ مسٹر کاکس کی کتاب کا ترجمہ نوٹ جو عربی تاریخون سے لیے گئے ہین - ۲؎

تاریخ سندھ جلد اول - ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد بن قاسم تک - اس کتاب کے پڑھنے سے نظر آسکتا ہو کہ فاتحین عرب نے سندھ مین کیا کیا - اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخون کی نہایت قابل وثوق طریقہ سے تعلیقہ کی گئی ہے - عہ

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی آپ کی تعلیمین آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفہ الٰہی - عہ

حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی - اس کی تعلیمین اُس کا علم و فضل اور اُس کی جانبسازی فدائی - ۶ر

اسلامی سوانح عمری - علماے اسلام کے جو حالات اخبار ہند مین شائع ہوا کرتے تھے اُن کی چند کاپیان زائد چھپوالی جاتی تھین جو اخباری تقطیع پر ہین - چند ہی جلدین باقی رہ گئی ہین - ۸ر

ملکہ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی شہزادی ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی - اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا - ۳ر

لارڈ بیکن - بانی فلسفہ جدید کے حالات اور اُس کا فلسفہ -

افسانہ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی - جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز مین شائع ہوئے تھے - ۲ر

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی کئی نمبرون پر تقسیم ہو گئے دلگداز مین شائع ہوا تھا اہل مطابع نے اسے علیحدہ کتاب چھاپ لیا - ۲ر

ناول

یوسف و نجمہ مکمل - اس کے چند نا تمام اوراق ملک مین پھیلے ہوئے تھے - اور ہر طرف تکمیل کا تقاضا تھا - اب فی الحال یہ مرتب ہو کے ایک جلد مین شائع ہوے ہین قیمت پوری کتاب کی جس مین ابتدائی حصہ بھی شامل ہے - عہ

شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی کے واقعات ایک ملکہ فرانس کی عشق بازیان - مردون کے پہلو مین زنانہ کیمپ اور اُس کی سحر آفرینیان - عجیب مزے کا ناول ہے - عہ

فتح اندلس - اسپین پر عربون کا حملہ - جولین حاکم سندھ کی بیٹی - اُس کے ساتھ شاہ اسپین کی دغا بازی - اور آخر اُن مظالم کا مسلمانون کے ہاتھ سے عجب لطف کے ساتھ خاتمہ - صرف اس قصے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے پھیکے واقعہ مین کیسی جان ڈالی ہے - ع

مقدس نازنین - ایک برٹن لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے مین ترقی کرکے پوپ منتخب ہو جانا - سند پاپائی پر بیٹھ کے اُس کا وضع حمل شہر مین شورش اور مسلمانون کے ہاتھ سے اُس کا نجات پانا - ۸ر

فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان مین عیسائیون کی حالت - اور اُن کا مجنونانہ جوش شہادت - ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا - اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور موجب عبرت بنا دینے والا انجام - عہ

ایام عرب - دو حصہ - جاہلیت عرب کے رسم و رواج - شاعری اور بہادری - رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق دو عربی شہزادیان

نہ ہونے والی چیز کی ہوس

انسان! غافل و نا عاقبت اندیش انسان! تو احمق ہے، بیوقوف کیون ہے ہوس نے تجھے دیوانہ کیون بنا دیا؟ یہ کیا شامت ہے کہ نہ ہونے والی چیز کی تمنا مین تو اُن برکتون اور نعمتون کو جو موجود ہین اسطرح بھول جاتا ہے کہ گویا وہ تیرے کام ہی کی نہین گویا اُن سے تو نے کبھی لطف ہی نہین اُٹھایا - ایک موہوم آرزو کے پھندے مین پھنس کے تو اس طرح غافل اور خود رفتہ ہو جاتا ہے کہ ملی ہوئی نعمتین اور قبضہ مین آئی ہوئی دولتین بھی تیرے ہاتھ سے نکل جاتی ہین اور تجھے خبر نہین ہوتی - اور پھر اُن کے چھین جانے کے بعد تو پچھتاتا اور افسوس کرتا ہے مگر باوجود اسکے متنبہ نہین ہوتا کہ اُن نعمتون کی قدر کرے جو ابھی تیرے ہاتھ مین باقی ہین -

تو نے اُس کتے کی کہانی اکثر سنی ہوگی جو ایک روٹی کا ٹکڑا لیے ہوئے ندی سے پار ہونا چاہتا تھا - پانی مین اپنا عکس دیکھ کے سمجھا کہ یہ کوئی دوسرا کتا ہے اور اُس کے پاس بھی روٹی ہے - اس کی روٹی چھین لینے کی ہوس مین زور سے بھونکا - اور اُس کے منھ کی روٹی بھی پانی مین گر کے غائب ہو گئی - یہ کہانی تو نے اُن کتابون مین اکثر پڑھی اور یاد کی ہوگی جو تجھے بچپن مین پڑھائی جاتی ہین - مگر اسطرف شاید تیرا خیال نہین گیا کہ اصل مین وہ کتا تو ہی ہے - اُس کتے نے تو اس ہوس مین پڑ کے صرف ایک روٹی کا ٹکڑا کھویا تھا مگر تو نے خدا جانے کیا کچھ کھویا - اور افسوس آج تک متنبہ نہ ہوا - تیرا تو طرز عمل ہی ہو گیا ہے کہ

ہمیشہ اُس نعمت کی بے قدری کرتا ہے جو پاس ہے۔ اور اُس دولت کی یاد [illegible] رونا ہے جو ہاتھ سے جا چکی۔

لوگو۔ وہ سب چیزیں مت چھوڑو [illegible] خیال کرو [illegible] خوش [illegible] تھیں [illegible] یاد ہوں۔ وہ زمانہ یاد ہے جب اپنی آرزو [illegible] پوری کرنے کے لیے [illegible] بالکل لوگ تھے۔ وہ تمھاری ہر طرح کی خوشیاں پوری کرنے کو [illegible] کا اصلی مقصد خیال کرتے تھے۔ مگر تمھیں ہوش نہ تھا اور خبر بھی [illegible] کے عالم میں تھے۔ آخر خدا نے تمھیں وہ فارغ البالی عطا کی جو پھر کبھی [illegible] سب سے بڑا ثمرہ یہ ہے کہ تمھیں اپنے کام آپ نہ کرنا پڑیں بلکہ کوئی اور کر دیا کرے۔ اس غرض سے تم نوکر رکھتے ہو۔ لونڈی غلام فراہم کرتے ہو۔ سواریاں [illegible] کرتے ہو۔ اچھے اچھے مکان بناتے ہو۔ اور نرم و نازک بچھونے بچھاتے ہو [illegible] ان [illegible] نصیب ہوتا ہے۔ اور وہ فارغ البالی حاصل ہوتی ہے جو تم چاہتے ہو لیکن اس [illegible] خدا تمھارے لیے کیسا سامان فراہم کرتا ہے کہ کسی طرح کی [illegible] اُٹھانی ہی نہیں پڑتی۔ ہاں اب تک لونڈی غلام اور نوکر [illegible] خدمت [illegible] جو بغیر کسی معاوضہ اور کسی غرض کے تمھارا ہر طرح [illegible] موجود [illegible] معطل ہو کہ کسی کام کے نہیں۔ گویا ہمارے [illegible] نے نہ ہاتھ دیے ہیں نہ پاؤں۔ زبان دی ہے نہ [illegible]۔ آنکھیں دی ہیں نہ کان۔ نہ چکھنے کا سلیقہ دیا ہے نہ سونگھنے کا۔ اور خود پرست [illegible] کی کچھ [illegible] سمجھتے۔ لیکن ان تمام دشواریوں کے دور کرنے کے لیے خدا نے [illegible] پالنے اور خدمت کرنے والے دیے ہیں کہ انھیں کی آنکھوں سے تم دیکھتے ہو۔ انھیں کے کانوں سے سنتے ہو۔ انھیں کی زبان سے چکھتے اور انھیں کی ناک سے سونگھتے ہو۔ انھیں کے پاؤں سے چلتے ہو۔ انھیں کے ہاتھوں سے کام کرتے ہو۔ یہاں تک کہ انھیں کے منہ سے بولتے اور انھیں کے دماغ سے سمجھتے ہو۔ اس درجہ کی خود فراموشی اور امیرانہ بے [illegible] دنیا کی کسی بڑے سے بڑے مالدار اور کامل سے کامل دولت مند کو بھی نہ نصیب ہوئی ہوگی۔ لیکن افسوس اپنی اس فارغ البالی اس بےفکری اور اپنی اس [illegible] کی تم نے قدر نہ کی۔ مگر اس وقت اپنی فطری ناسمجھی کے باعث تم معذور بھی تھے۔ تم

سمجھ سکتے تھے کہ خدا نے تمھیں کیسی سلطنت اور کتنی بڑی دولت عطا کر رکھی ہے - کیونکہ اگر ذرا بھی سمجھ ہوتی تو ان نعمتوں کی جیسی چاہیے قدر کرتے مگر یہ ممکن نہ تھا کہ اُس سے پیشتر کے عالم تجربہ میں تم آتے اس کے آغوش - اور مرکز وحدت کے دامن میں چھپے ہونے کی یا مزہ بیٹیوں کی یاد تمھیں بچپن اور تمھاری اُن بےفکریوں کو بے مزہ کر دیتی - عام دنیا والوں کی طرح تمھاری یہ حالت ضرور ہوتی کہ اُس عہد کی موجودہ نعمتوں کی قدر تو نہ کرتے لیکن اس سے پیشتر کی بیتی ہوئی [illegible] کے صدموں سے بےقرار ہو کے روتے ضرور -

لیکن اس کے بعد کیا ہوا؟ جوانی آئی - ذمہ داریوں کا بار سر پہ رکھ دیا گیا اور شباب کا باغ جو دور سے تمھیں فرحت بخش تر و تازہ اور ہرا بھرا نظر آتا تھا سامنے ہو گیا - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس زمانے کی برکتوں اور مسرتوں کی طرف تمھارا خیال [illegible] موجودہ حالت سے غافل و بےپروا ہو کے تم زار زار رونے اور سر دھننے لگے - یہ غم روز بروز بڑھتا ہی جاتا تھا - جوں جوں ہوش آتا تھا بچپن کے لطف اور زیادہ مزہ دار معلوم ہوتے تھے - شباب کے باغ میں پھولوں اور دلچسپی کے سامانوں پر نظر نہ پڑتی تھی اور ہر طرف کانٹے ہی کانٹے دکھائی دیتے تھے جو دامن میں اس طرح الجھتے کہ اگر ادھر چھڑائیے تو اُدھر کا دامن الجھا جاتا ہے ادھر چھڑائیے تو ادھر کا دامن الجھا جاتا ہے - یہ پریشانیاں بچپن کی فارغ البالی کو اور یاد دلاتیں اور ہر وقت مرثیہ خوانی میں مشغول رکھتیں -

تمھیں غفلت میں تھے کہ توسن عمر جوانی کے پرفضا باغوں سے بھی نکال لے گیا - اور اب نظر آیا کہ جوانی خدا کی بڑی بھاری نعمت و دولت تھی لیکن ہم نے اُس کی قدر نہ کی - اس وقت کے ولولے اس عہد کے حوصلے - اس زمانے کی قوت و طاقت اور اس دور کی صحت و طاقت ایسی چیزیں تھیں کہ جو چاہتے کر لیتے مگر افسوس کہ کچھ نہ کیا - اب بھی خدا نے بزرگی و اعتبار، تجربہ کاری و پختہ مغزی کی ایسی بہت سی خوبیاں اور اعلیٰ درجہ کی برکتیں دی تھیں لیکن جوانی کی یاد اور شباب گم گشتہ کے غم میں ان سے فائدہ اٹھانے کی مہلت ہی نہ ملی - خلاصہ یہ کہ مر گئے - اور مرتے دم تک یہی عالم تھا کہ نہ ہونے والی چیز کا غم - اور ہونے والی خوبیوں کی سب سے بےقدری -

تم نے بڑی بڑی زبردست قوموں اور اولوالعزم فرمانرواؤں کی [illegible]
کی تاریخ پڑھی ہوگی۔ [illegible] کہ انھیں فلاں قوم نے پامال کیا۔ یا فلاں بادشاہ نے تباہ
کر دیا۔ جو سرگزشت اپنی عمر کی [illegible] چکے ہو اُن کی [illegible] وہ عروج و ثروت کی
[illegible] کی گھڑیوں کی [illegible] میں موجود [illegible] کو کھو دیا۔ انصاف [illegible] تو
آپ کو ایک موہوم نقطہ پر [illegible] زمانہ [illegible] بہت [illegible]
نقطہ ہے۔ اور اس طرح آتے ہی غائب ہو [illegible]
بھی نہیں ہونے پایا۔ [illegible]
کے پیچھے نکل گئی۔ [illegible] نظر آتے ہیں
گزشتہ اور آئندہ زمانے ہیں۔ [illegible] اگرچہ نہایت [illegible]
مگر نظر ایسا آتا ہے کہ [illegible] ہو گیا۔ [illegible]
[illegible] کے ساتھ [illegible] مگر شوق [illegible] اور [illegible]
کو جاتا ہے۔ انسان کا قدم اگرچہ حال کے نقطہ پر ہے مگر وہ [illegible]
کی طرف دیکھتا ہے جو اس کے پاؤں سے [illegible]
[illegible] اور ضدی لڑکے کی طرح اُس کا منہ چڑھا رہا ہے۔ [illegible] شوق
دوسری طرف یعنی آنے والے زمانے کو دیکھتا ہے۔ اور [illegible]
کی طرح اکتا اکتا کر کہتا ہے کہ دیکھیے یہ دلچسپیاں جو آنے والے زمانے [illegible]
میں نظر آ رہی ہیں [illegible] زندگی [illegible] نصیب بھی ہوتی ہیں یا نہیں۔ [illegible]
بہت ہی تنگ [illegible] اور شاید یہی سبب ہے کہ ہم موجودہ گھڑی [illegible]
اپنے قبضہ میں یاور کرتے ہیں جب وہ جا چکی ہے۔ اُس کے چلے جانے کے غم
میں مشغول ہوتے ہیں کہ [illegible] گھڑی جو اُس پہلی کے بعد آئی تھی وہ بھی نکل جاتی ہے اور
ہم حیرت سے دیکھتے [illegible] رہ مبہوت ہو جاتے ہیں۔

اور سب نعمتوں کی طرف تو ہمارا خیال بھی کبھی نہیں متوجہ ہوتا لیکن ہاں دولت
وصل ایک ایسی چیز ہے جس کے بظاہر ہم بڑے قدرداں ہیں کیونکہ ہماری شاعری
اس کے ذوق و شوق سے بھری پڑی ہے۔ اور ہمارا تمام لٹریچر گویا وصل اور لقائے
جاناں کے قصائد کا دفتر ہے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس وصل کی بھی ہم نے کبھی قدر نہیں کی۔

[illegible] کی جگہ [illegible] کا نام [illegible] زمانہ [illegible] سکتے ہیں۔ اس
سے ایک [illegible] والدکی [illegible]
[illegible] کی [illegible] نشانی - [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] زیادہ [illegible]
[illegible] اسے [illegible] کے نالہ
[illegible] خیال [illegible] سے اکا
[illegible] قدرتی [illegible]
[illegible] فطرت سے [illegible] والے کی تمنا [illegible] والے کی ناقدری

ایک سین

[illegible] کا نور [illegible] رات کی سیاہ چاندنی [illegible]
[illegible] تا چلا آتا ہے۔ اس سہانے وقت میں [illegible]
[illegible] نو دس سال کے [illegible] ہوئے دلہین کی [illegible]
[illegible] پیدا ہوئے لگتے ہیں [illegible] سیاہ [illegible] جام شباب کا تو کچھ کہنا
[illegible] ابرو کا جیر کا کھائے ہوئے ہیں نسیم سحری کی
[illegible] کرنے میں [illegible]
[illegible] وقت کی بچھڑی کیفیت [illegible] تو ہر جگہ اور ہر مقام [illegible]
[illegible] معلوم ہوتی ہے [illegible] اور پر فضا باغ صحرا ہے [illegible] میں تو چوٹ کھائے ہوئے
[illegible] نسیم سحری کا جھونکا ہے ناشگفتہ کے ساتھ اٹھکیلیاں
[illegible] کانوں میں کچھ چپکے چپکے کہنا اور ان ناتجربہ کار
[illegible] اور پھر اس کا گدگدانا اور ان کا قہقہہ
لگانا - [illegible] پتلی پتلی شاخوں کا ایک دوسرے کی طرف جھکنا

جھک کے کچھ کہنا غنچہ کا مسکرانا۔ گل نوشگفتہ کا کھلکھلانا انسان تو انسان حیوانات کو بھی
متوالا اور ازخود رفتہ بنا دیتا ہے۔ جنگل مین کوسون تک سبزہ نو دمیدہ لہلہا رہا ہے جسکے
درمیان مین ہوکر بہنے والی شفاف نہرین خدا جانے کہان تک سر جھکائے چلی گئی ہین کہ جہان
تک نگاہ کام کرتی ہے عالم آب نظر آتا ہے۔ نباتات پر اس بلا کا جوبن ہے کہ ذرا
دیر کو بھی نظر ہٹانا نہین چاہتی گلہائے سبز سبز پتون کی آڑ سے اپنا دلکش چہرہ دکھا
کر دیدون کے ساتھ مقناطیس کا کام کرتے ہین۔ آفتاب کی نازک نازک سنہری شعاعون
نے شبنم آلودہ سبزہ اور سطح آب پر اپنا دل لبھانے والا عکس ڈالکر ایک دوسری ہی تصویر
سین تیار کر رکھا ہے۔ سطح میدان مین ان شعاعون کی زردی آمیز سرخی سے کسی زلف
دراز مین پڑے ہوئے زری کے جوبات کا نقشہ کھینچ رہا ہے۔ لب جو سرو نوخاستہ کا
اکڑنا کسی قامت قیامت نما کی یاد دلون مین تازہ کرکے بیخود بنا رہا ہے۔ نیچرل تسبیح خوان یعنے
مرغان سحری سبحان باغبان گلستان عالم کی حمد مین چہچہے کرتے ہوئے اس نخل سے اس
شاخ پر اور اُس سے اس پر ادھر اُدھر کُدکتے پھر رہے ہین طلوع ہونے والے آفتاب
کی سرخ سرخ کرنون نے قطرہ ہائے شبنم کو لعل خوشاب بنا رکھا ہے۔ ہر ہر سبزہ آب شبنم
سے باوضو ہوکر یاد خالق مین محو ہے۔ عنادل بیدل گلون کے گرد قربان ہو ہوکر شب
فراق کی مصیبت سنا رہے ہین مگر ان خوش رخ سنگدلون نے اس بلا کی چپ سادھی ہے کہ
مندجائین چشم عاشق تب بھی وہ لب نہ کھولین۔ پتھر کر رکھا ہے۔ شمال کی جانب سے
اُٹھنے والی کالی گھٹا نے اس دلفریب سین پر سونے پر سہاگہ کا کام کر دیا ہے۔ باد بہاری
کے ہلکے ہلکے جھونکے آرزوہائے مردہ کے ساتھ نفخ صور کا برتاؤ کر رہے ہین۔ کوئل کی
کوک۔ مور کا شور۔ بلبل کے چہچہے۔ پپیہہ کی پکار۔ قمری کی کوکو۔ اور ہائے آبشار کا بلندی
سے گر گر سبز بختان دامن کوہ کے پاؤن پڑنا یہ سب وہ باتین ہین جو حسین اور جوشیلے
دلون کے ساتھ وہ سلوک کرتی ہین جو ایک ہو دیوانہ کے ساتھ کرے۔ ایک دلکش
اور سہانے وقت مین ہم سیر کرتے ہوئے ایک پرفضا باغ مین جا نکلے ہین جسکو دیکھتے ہی
سُنے ہوئے باغ جنان کا نقشہ آنکھون مین کھنچ گیا ہے۔ اس باغ کے ہر ایک پتی اور ہر
ایک برگ گیاہ پر اس غضب کا جوبن برس رہا ہے کہ زبان سے بے اختیار نکلتا ہے
ع اگر فردوس بر روے زمین است ہمین ست و ہمین ست۔ غنچہ کی

پھر پھیرن بجائے خود ایک خاص مزہ ہی ہے ۔ مرغان خوش الحان یا وجھنگا ہی سے چھوٹتے ۔ ایسے شفتالون پر کچھ اس قدر لطیف مین قسمت سرائی کر رہے ہین کہ دل ہاتھ سے نکلا جاتا ہے ۔ دارم تاک مین خوشہ ہائے انگور آویزان ہین یا ہی لعلین سے بھرے ہوئے قمقمے ہین کہ جنکو دیکھتے ہی منہ مین پانی بھر آتا ہے ۔

راقم محمد نبی خان منشی فاضل پرشین
ٹیچر ہائی اسکول رامپور اسٹیٹ

ترکان آل عثمان

عورتون کو کبھی کبھی اس بات کی بھی اجازت مل جاتی ہے کہ تماشہ بر آرا بازار مین جا کے کچھ خرید لین ۔ یا کسی عام تفریح گاہ تک گاڑی پر بیٹھ کے سفر کرین ۔ یا گرمیون کے موسم مین اطراف وجوانب کے کسی سنسان مقام مین جا کے کھانا پینا پکنک کا لطف اٹھائین کسی کافہ یا دوسری محافظ عورت کے زیر نگرانی جو عورتین کہ علائق مین داخل ہین گاڑی پر سوار ہوکے ایوان شاہی کے پھاٹکون کے اندر ہی اندر چکر لگاتی ہین ۔ لیکن اس شان سے کہ گاڑی کے دونون جانب ایک ملتاجی[۵] رہا کرتا ہے جو ایک ہاتھ گاڑی کے دروازے پر رکھے ساتھ دوڑتا ہے ۔ اور اس کو ہدایت کر دی جاتی ہے کہ ایک لحظہ کے لیے بھی گاڑی کا ساتھ نہ چھوڑے ۔ لیکن یہ نگرانی بہ ظاہر اسباب محض ایک ضابطہ کی پابندی ہے ۔ اور نوجوان عورتین اس سیر سے بہت کچھ لطف اٹھاتی ہین ۔ بعض اوقات جب حرم کی کسی خاتون کو ناسازی طبع کی شکایت ہوتی ہے تو حکیم صاحب جن سے حرم والیون کا علاج متعلق ہوتا ہے تبدیل آب و ہوا تجویز کرتے ہین ۔ اس غرض کے لیے یا تو مریضہ دو ایک ہفتہ کے واسطے کسی سلطانی نزہت گاہ مین بھیج دی جاتی جو دریا باسفورس کے کنارے واقع ہے ۔ یا کسی ایسی حرم والی کے گھر مین بھیج دی جاتی ہے جو حرم

[۵] ملتاجی کے لغوی معنی لکڑہارے کے ہین یہ اناطولیہ کے مسلمان کسان ہین جو حرم مین نوکر رکھے جاتے ہین ۔ اور ان کا فرض منصبی یہ ہوتا ہے کہ باورچی خانون اور آتشدانون کے لیے ایندھن فراہم کیا کرین ۔ اور یہ ہر دائرے کے خواجہ سرا کے ماتحت ہوتے ہین ۔

سے باہر کسی شخص کو بیاہ دی گئی ہو - اور وہان حرم کے قواعد و آداب سے آزاد ہو کے چند روز کے لیے ایک سادی آزادانہ زندگی کا لطف اُٹھا لیتی ہے - عورتون کی ایک اتنی بڑی جماعت مین جنھین ایک دوسرے سے کوئی خاندانی علاقہ نہ ہو انتظام قائم رکھنے کے لیے سخت قسم کے آداب و قوانین جاری کیے گئے ہین - اور لحاظ مرتبہ اور عزت کے کم و بیش سخت سزائین مقرر ہین - اوپر مذکور ہو چکا کہ آداب حرم کی رو سے اس بات کی ممانعت ہے کہ کوئی عورت والدہ سلطانہ کی حضور مین اوپر کا لباس پہن کے جائے - اسی قاعدہ کی رو سے علائق اور کلفہ دونون کو ممانعت ہے کہ جب محل کے اندر کام کاج مین مشغول ہون ایک ہلکے دوپٹہ سے زیادہ سنگین و گرم کپڑے مین اپنے شانون کو چھپائین - یہ ایک ایسا شاہانہ قانون ہے جو مرض سل کے پیدا ہو جانے کا بھی سبب ہو جاتا ہے جو مرض کہ حرم سرا مین اکثر ہو جایا کرتا ہے - کلفہ جن کو انتظام سے تعلق ہے باضابطگی قائم رکھنے کے لیے کافی نہین ہین اس لیے کہ حرم مین زیادہ تر وہی عورتین ہین جنکا ابھی عنفوان شباب ہے - تاہم جسطرح بنے انتظام قائم رکھنا ضروری ہے - لہذا اگر محکمہ جات مذکورہ کی سرگروہون مین سے کسی کی ماتحتی مین کوئی تربیت پانے والی لڑکی اگر اپنے فرائض مین غفلت کرے تو وہ سزا کے ذریعہ سے درست کی جاتی ہے - پہلے جرم کے موقع پر دلچسپی سے روکا جانا یا سب سے الگ نظر بند کیا جانا کافی سمجھا جاتا ہے - لیکن اگر وہ عورت اس سزا پر اپنی حرکتون سے باز نہ آئی تو وہ خواجہ سراؤن کے سپرد کر دی جاتی ہے - اگلے دنون خواجہ سرا یہ سزا دیتے تھے کہ پاؤن کی ایڑیون مین ڈنڈے مارتے لیکن اس سے چونکہ بعض لڑکیان لنگڑی ہو گئین لہذا اب کسی نرم لکڑی سے پیٹی جاتی ہین اور یہ بھی قید ہے کہ پاؤن کے سوا کسی اور جگہ ضرب لگائی جائے -

وہ لونڈیان جنکا کام باورچیخانہ حمام اور دوسرے ذلیل کامون سے متعلق ہے اگرچہ محل مین اُن کے لیے ترقی کے موقع بہت تھوڑے ہین مگر اچھی طرح کھلائی پلائی جاتی ہین اور اُن کے ساتھ سلوک بھی اچھا کیا جاتا ہے - اور ایک مدت تک کام کرنے کے بعد وہ آزاد کر دی جاتی ہین اور اُسوقت انھین بطریق انعام ایک معتدبہ رقم دی جاتی ہے -

اگر محل کی کوئی چھوکری جو باہر بیاہی ہو لاوارث مرجائے تو اُس کی تمام ذاتی جائداد

اُس کلفہ کو ملتی ہے جس نے اُس کی پرورش کی تھی - جس لونڈی غلام کی خرید محل کے لیے ہوئی ہو اور محل کے اندر ہی وہ مر جائے اُس کی جائداد کے اصلی وارث خود سلطان ہین - اس کا نتیجہ یہ ہے کہ خزانہ عامرہ کی جو بھاری رقم حرم کی ضرورتون مین صرف ہوا کرتی ہے وہ لونڈیون کے مرنے پر پھر خزانہ سرکاری مین داخل ہو جاتی ہے -

خانگی غلامی جو ممالک عثمانیہ کے مسلمانون مین مروج ہے اُس غلامی سے بالکل متفاوت ہے جو چند ہی روز ہوئے امریکہ کے مسیحیون مین مروج تھی - ممالک عثمانیہ مین بہت سے معدلت کے قوانین غلامون کی حمایت کرتے ہین مجموعی طور پر یہ کہ اُن کے ساتھ مالک ماں باپ کا سا سلوک کرتے ہین - اور چونکہ اپنے سے جدا طبقہ کے نہین خیال کیے جاتے اکثر بہت ہی جلد آزاد و خود مختار اہل ملک مین مل جل جاتے ہین - سوسائٹی کے موجودہ نظام کے مطابق محل کی خدمت کے لیے لونڈی غلام لابدی ہین - از روے شرع اسلام مسلمان آزاد و شریف عورتون کے لیے بے برقع و نقاب باہر نکلنا ناجائز ہے لیکن لونڈی جو اپنے مالک کی جائداد ہے اُسکے لیے لوگون کے سامنے آنے کی چندان ممانعت نہین - حرم سلطانی مین حبشنین اور دیگر عورتین جو خط و خال اور حُسن و جمال کے لحاظ سے نہین بلکہ جسمانی قوت اور قوی ہاتھ پاؤن کے اعتبار سے دوسری عورتون پر ترجیح رکھتی ہین گھر کے ذلیل تر خدمات بجا لانے کے لیے مول لی جاتی ہین - مگر وہ جنھین خدا نے حسن و جمال اور اچھے خط و خال عطا کیے ہین نازک قسم کے اعلیٰ فرائض سر انجام دینے کے واسطے محفوظ رکھی جاتی ہین -

جب سے کہ عام بردہ فروشی کا بازار بند کیا گیا - مخفی اور اندرونی بردہ فروشی زیادہ عام ہو گئی - اور بہ نسبت اگلے زمانہ کے زیادہ پھیل گئی ہے - یہ تجارت زیادہ وسعت کے ساتھ معزز طبقہ کی خاتونون کے ہاتھ مین ہے - جنمین سے بعض خود بھی آزاد شدہ لونڈیان ہین - اور کہا جاتا ہے کہ اِس سے وہ بہت معتد بہ نفع اُٹھاتی ہین - علی الخصوص جبکہ اُن کا کاروبار بڑے پیمانے پر جاری ہو جاتا ہے - جیسے ہی لونڈیون کی کوئی نئی کھیپ دار السلطنت مین پہونچتی ہے ایک دلال بردہ فروشی کرنے والی خاتونون کے پاس بھیجا جاتا ہے - انھین اگر ضرورت ہوئی تو یا گاڑی پر سوار ہو کے خود ہی پیشہ ور بردہ فروش کے گھر مین چلی جاتی ہین - یا کہلا بھیجتی ہین کہ لونڈیان معائنہ کے لیے اُن کے گھر مین بھیجدی

جائین - یہ بردہ فروش خاتونین چھہ سال سے دس سال تک کی عمر کی لڑکیون کی بہت متلاشی رہتی ہین - اُن کی قیمت و ۵۰ گنیون کے قریب دیتی ہین - اور امید یہ رہتی ہے کہ جب یہ سترہ برس کی عمر کو پہونچین گی اس کی دس گونی رقم وصول ہوجانے گی - انتخاب اور معاہدۂ بیع کی تکمیل کے بعد لڑکی اپنے نئے گھر مین لا کے ایک کلفہ کی زیر تربیت دے دی جاتی ہے جو نہایت مستعدی سے اُس حیثیت کے مطابق اُسے تعلیم دیتی ہے جس حیثیت کی اُسے زندگی بسر کرنا ہوگی - حیثیت یہ ہے کہ یا تو وہ کسی معزز شخص کی حرم یا بی بی بن کے رہے گی یا سلطان المعظم کے لیے مول لی جائیگی یا خود اسکی مالکہ اُسے سلطان کی نذر کریگی یا کوئی اور شخص اُسے خرید کے سلطان کو نذر کر دے گا تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنی وہ غرضین حاصل کرے جو محل سلطانی سے وابستہ ہون - اُن غیر پیشہ ور لونڈیان بیچنے والیون مین سے اکثر وزرا اور عہدہ داران سلطنت کی بیبیان ہین جن مین باہم لاگ ڈانٹ رہا کرتی ہے کہ کس کے گھر مین زیادہ حسین اور زیادہ قیمتی کپڑے پہنے اور بنی سنوری لڑکیان ہین -

جن لونڈیون کو کوئی معزز خاتون اس طریقہ سے اور اس غرض کے لیے مول لیتی ہے اُنھین بانسلی اور دف بجانا - گانا - ناچنا - اور کاڑھنا سکھایا جاتا ہے - ایک دینی معلمہ یعنی خوجہ قادن اور اُس کی اتالیقہ اُسے عقائد اسلامیہ کی بھی تعلیم دیتی ہے اور نیز اُسے ترکی محلات کے آداب و اخلاق اور اوضاع و اطوار سکھائے جاتے ہین - حرم سلطانی مین قہوہ جی (قہوہ پلانے والی) اور شبوک جی (شطب پلانے والی) کے آسان خدمات بھی اُن کی ہم پایہ لونڈیون کو سکھائے جاتے ہین - بجز بڑی بوڑھی اور پرانے فیشن کی خاتونان ترک کے اور سب خاتونون مین شطب کی جگہ سگرٹ کا رواج ہوگیا ہے - اور حقہ کشی کے کمرے جو پچاس ساٹھ برس پہلے تمام معزز امراے ترک کی محل سراؤن مین ایک ممتاز جگہ ہوا کرتے تھے اب گھٹتے گھٹتے ادنے درجہ کے رہگئے ہین - یہ عملہ جس وضع و اسلوب سے خاتون مصر یعنی لیسمی سلطانہ مذکورہ کی منہ بولی ماں کے محل مین تھا اُس کا مختصر تذکرہ اس موقع پر بے محل نہ ہوگا - کیونکہ اس سے اُن کے گھر کی تصویر نظر آجائے گی -

شطب پلانے والی کے ذمے یہ خدمتین ہین کہ بی بی کے شطب کو صاف اور تیار رکھے تمباکو اور اُس کے لوازم کو تیار کرے - اور جب بھر کے تیار کرے تو بڑی بی بی اور

اُسکی مہمان خاتونون کے سامنے پیش کرے - گو یہ سب کام بظاہر بہت آسان اور غیر اہم نظر آتے ہین لیکن اُن کے ٹھیک طور پر عمل مین لانے مین جیسی حد درجے کی احتیاطین کیجاتی ہین اُن کے لیے بہت سے وقت اور چند سال تک سکھائے جانے کی ضرورت ہے - تاکہ خانم افندیون کو جو ادنی ادنی بات پر نام رکھتی ہین نکتہ چینی کا موقع نہ ملے شطلب کا حصہ - شاہ بلوط کی خراد کی ہوئی لمبی سے کہربا کی مرصع مہنال - اور مٹی کے شطلب ضرور ہے کہ بڑی احتیاط سے اور جدا جدا صاف کیے جائین - یہی حق یعنی علاقہ اور تانبے کا تمباکو ضرور ہے کہ باریک باریک کاٹ کے نرم ریشم کا سا بنایا جایا - اور پھر شطلب ضرور ہے کہ بہت ہی نفاست سے بھرا جائے اگر تمباکو کم ہوا یا زیادہ بھر دیا گیا تو شطلب پینے والون کی نظر مین سخت پھوہڑپن ہے -

جب خانم اور اُن کے مہمان کھانے کے کمرے سے نکل کے دیوان خانے (یعنی ڈرائنگ روم) مین آئین اور دنگلون پر بیٹھین تو وہ کلفہ حاضر ہوتی ہے جس کا کام کافی پلانا ہے اور "قہوہ جی" کہلاتی ہے - اُس کے ہاتھ مین کشتی ہوتی ہے اُس پر ایک ارغوانی رنگ کی کارچوبی پوشش پڑی ہوتی ہے - چاندان ننھی ننھی اعلے درجہ کی چینی کی پیالیان اور سونے چاندی کے دیگر ظروف ہوتے ہین - اس کافی پلانے والی ساقیہ کے پیچھے پیچھے اُس کے ہاتھ کے نیچے کام کرنے اور اُس سے تعلیم پانے والی چھوکریان ہوتی ہین - جو ایک ایک کرکے آگے بڑھتی - پیالی مین کافی انڈیلتی - اُسے تشتری مین رکھتی - اور بڑے ادب سے مہمانون کے آگے اُن کے مرتبہ اور عزت کے مطابق ترتیب سے پیش کرتی ہے - یہ اُس کا فرض ہے کہ ان مہمانون کے مرتبون کو پہلے سے دریافت کر رکھے - تاکہ وقت پر کسی کم رتبہ والی کو پہلے کافی نہ دیدے - اگر ایک ہی مرتبہ کی دو تین خاتونین موجود ہون تو ضرور ہے کہ نشست کی ترتیب کے مطابق اُنھین کافی دیجائے - لیکن اگر مہمان خاتونون سے خود گھر کی بی بی زیادہ رتبہ رکھتی ہو تو لازم ہے کہ کافی کی پیالی پہلے اُسی کے سامنے پیش کی جائے -

اس کے بعد سگریٹ یا حقون کی باری آتی ہے - سگریٹ ہر خاتون کے سامنے جدا جدا تھالیون مین رکھ کے پیش کیے جاتے ہین - اور جب وہ خاتون سگریٹ کو اٹھا کے کہربائی مہنال مین لگالیتی ہے تو ایک دوسری لونڈی ایک چھوٹے برنجی ظرف

کو ہاتھ مین لیے جس مین ایک روشن چنگاری رکھی ہوئی ہے ادب سے آگے بڑھتی ہے اور خاتون اُس سے اپنا سگریٹ روشن کرتی ہے - مگر حقہ پیش کرنے کے انداز مین زیادہ تکلف و ادب برتا جاتا ہے - حقہ پلانے والی لونڈی حقے کے درمیانی حصہ کو ایک نزاکت کی ادا سے ہاتھ مین لیے ہوئے اور اُس کی مہنال اتنی بلند کیے ہوئے کہ عین مہنال خاتون کے خاص منہ کے محاذی ہو عجب خوش خرامی کی چال سے آگے بڑھتی - اور اُس کے ہونٹھون کے قریب لیجا کے آہستہ آہستہ حرکت دیتی ہے اب وہ خاتون حقہ کو اپنے ہاتھ مین لے لیتی ہے - اور لونڈی ایک تھالی کو جو اُس کے دوسرے ہاتھ مین ہوتی ہے زمین پر رکھ کے حقہ کو بڑی نزاکت سے اُسمین رکھدیتی ہے اور آہستہ سے جھک کے اور سلام کرکے دور جا کھڑی ہوتی ہے - اب جبکہ خاتون کے ہاتھ مین حقہ کی نے ہوتی ہے ایک دوسری لونڈی ایک مسی ظرف مین کو لے لیے ہوئے آگے بڑھتی - اور ایک خوبصورت ستھے سے دست پناہ سے ہر چلم مین کو لے رکھتی ہے - اور ساتھ ہی خوشبودار دھوئین سے کمرہ مہک اُٹھتا ہے -

جب سب حقے روشن ہو چکتے ہین تو یہ خدمت گزار لونڈیان کمرے کے بائین مین صف باندھ کے دست بستہ کھڑی ہو جاتی ہین - اور اُن کی آنکھین خوبصورتی کے ساتھ نیچے کو جھکی ہوتی ہین - اور تا وقتیکہ کسی کام کو پیالیان یا حقے بڑھانے کے لیے پھر نہ بلائی جائین نہ نظر اُٹھاتی ہین اور نہ اپنی جگہ سے حرکت کرتی ہین - بس اتنا مین وہ چپکے چپکے دل ہی دلمین بیبیون کے لباس - اُنکی گفتگو اور اُن کے اوضاع واطوار پر خیال آرائی کرتی رہتی ہین - ادھر بیبیون مین آسمان حُسن کے اِس عقد ثریا (لونڈیون کی صف) پر بحث ہوتی ہے - اور نکتہ چینی کی شان سے اُن کی نسبت رائین قائم کی جاتی ہین - اور اِن لڑکیون کے متعلق اپنی شخصی رائین کو وہ یون آمیختہ کی طرح سناتی ہین کہ دیگر مقامات کے لوگ سن پائین تو متحیر ہو جائین اور اُن کی بڑی دلچسپی ہو - انمین سے بعض خاتونین ایسی بھی ہوتی ہین جنھین اُن کے بھائیون یا بیٹون نے محض اِس غرض کے لیے بھیجا ہے کہ احباب کے حرم خانون مین آمد و رفت کرکے اُن کے لیے کوئی اچھی بی بی یا حرم ڈھونڈھ نکالین - کیونکہ ایسے معاملات بغیر خاتونون کی وساطت کے نہین اجرا پا سکتے - اور وہ کسی حسین دوشیزہ کو اپنی خوشی و مرضی سے

موافق پاکے اُس کے ناک نقشہ کی بہت اچھی تصویر اپنے لفظوں میں دکھا دیتی ہے۔ [illegible]
ایسا ہوا تو اس صحبت کے بعد درخواست پیش کر دی جاتی ہے - مالک قیمت بتاتی ہے - اور
اگر اس پر فریقین راضی ہوگئے تو وہ لونڈی اپنے نئے گھر میں لائی جاتی ہے - اور اکثر
اوقات مکاتب کی حیثیت میں آتی ہے یعنے اس اقرارنامے کے ساتھ کہ تھوڑے
زمانے کے بعد وہ آزاد ہوجائے گی اور اُسکے ساتھ مالک نکاح پڑھائے گا -

---

ایک پردیسی کی یاد وطن

پردیس [illegible] ہے کیا کیا سامان عیش و راحت — لیکن کسی طرح سے لگتی نہین طبیعت
دو دن کی [illegible] نی سے ہے کاٹنا مصیبت — یاد وطن سے دل کو ہوتی ہے سخت وحشت
آرام چین اپنا دنیا مین بس وہین ہے — پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہین ہے

کانٹا بھی اُس جگہ کا گل ہے مری نظر مین — سودا بھرا ہوا ہے اپنے وطن کا سر مین
تاثیر ہے کچھ اُس کے دیوار اور در مین — لگتا نہین کہین جی لیکن بس اپنے گھر مین
آرام چین اپنا دنیا مین بس وہین ہے — پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہین ہے

حسرت سے تک رہی ہے بلبل چمن کی جانب — دوڑے چکور ماہ چرخ کہن کی جانب
پروانہ اُڑ رہا ہے شمع لگن کی جانب — کھنچتا ہے دل ہمارا اپنے وطن کی جانب
آرام چین اپنا دنیا مین بس وہین ہے — پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہین ہے

ہم نے تمام دُنیا سو بار دیکھ ڈالی — پردیس کی ہر اک شے ہے اپنی دیکھی بھالی
وہ چیز ہی نہین ہے دل کو لبھانے والی — پیارے وطن مین اپنے ہے کچھ ادا نرالی
آرام چین اپنا دُنیا مین بس وہین ہے — پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہین ہے

ملجائے مجھکو یارب وہ جھونپڑا پرانا — یعنی وہ گھر ہمارا چھپر پڑا پرانا
وہ سال خوردہ کمبل وہ بستر ا پرانا — بہتر ہے سونے سے وہ گھر مرا پرانا
آرام چین اپنا دُنیا مین بس وہین ہے — پیارے وطن سے پیاری کوئی زمین نہین ہے

چل جائے مجھ پہ یارب جب وطن کا جادو — بیتاب ہوکے بھاگون غربت سے [illegible] آ ہو
پیارے وطن کو دیکھون پھر ہجر مین [illegible] — آسمان تجھ کو سب ہے قادر ہے اے خدا تو

آرام چین اپنا دنیا میں بس وہیں ہے
پیارے وطن سے پیاری کوئی زمیں نہیں ہے

مرقد بھی بس وہیں ہو مولد جہاں ہے میرا
اُجڑا ہوا گھروندا اک گلستاں ہے میرا

وہ خانہ باغ ویران باغ جناں ہے میرا
میں کیا کہوں کہ کیسا پیارا مکاں ہے میرا

آرام چین اپنا دنیا میں بس وہیں ہے
پیارے وطن سے پیاری کوئی زمیں نہیں ہے

حامد حسین قادری از کچھیا بدن ضلع مرادآباد

عندلیب اور کرمک شب تاب

عندلیب خوش نوا اک صبح سے تا وقت شام
کرتی تھی قریہ کو اپنے زمزمہ سے شاد کام

ہو گئی گو چرخ سے زائل شفق کی روشنی
بند اُس کی زمزمہ ذانی نہیں لیکن ہوئی

ایسی حالت میں لگی محسوس کرنے بھوک پیاس
شدتِ جوع و عطش سے ہو گئی وہ بدحواس

گرد اپنے اک نگاہِ شوق سے دیکھا وہاں
تو نظر آئی زمیں پر ایک شئی سی ناگہاں

ظلمت شب میں چمکتی تھی وہاں کچھ فصل پر
کرمک شب تاب اُس کی ضو سے وہ سمجھی مگر

بس زمیں پر اُتری وہ شاخ گل پُر خار سے
جی میں تھا لقمہ بنائے کرم کو منقار سے

کرمک شب تاب نے یہ چال اُس کی تاڑ لی
کچھ عجب معجز بیانی سے مخاطب یوں ہوئی

کاش میری شمع کا پروانہ بنتی عندلیب
جان میری جیسی ہے مفتون نوا کی عندلیب

ہوتی نفرت سی مرے برباد کرنے میں تجھے
جیسی نفرت ہے ترے نغمہ کی مٹنے سے مجھے

کیونکہ یہ ہیں ایک ہی صانع کے انداز و ادا
روشنی مجھکو عطا کی تجھ کو خوش الحان کیا

نغمہ و ضو سے جہاں تا ہم مسخر کر سکیں
اور شب کی بھی بہار افزائی مل کر کر سکیں

جب سنی بلبل نے یہ تقریر مجمل ہوشربا
کرمک شب تاب کی دل سے ہوئی مدح سرا

کر دیا اُس کو رہا اب کلک سے مضمون طراز
کر لیا بلبل نے اپنے کھانے کا کچھ اور ساز

جنگ جو ہمسائے حاصل اس سے کچھ عبرت کریں
اپنے اپنے نفع اصلی کی کوئی صورت کریں

بھائی بھائی سے نہ آپس میں کریں جنگ و جدال
تا رہیں محفوظ آفت سے ہر اک کے جان و مال

پیار سے مل جل کے گائیں چمکیں جب تک ہے حیات
زندگی کی ہو بسر آرام سے غربت کی رات

بدرالزمان - کلکتہ

بادشاہ بروس اور عنکبوت

شہ بروس اسکاٹلینڈ کا بحرِ غم میں ہو کے غرق
تھا وہ بیشک تاجور تھا تاجِ زرّیں زیبِ فرق
اک مہم سر کرنی تھی منظور اُس کو لاجواب
سعی پیہم درپے تو کی لیکن رہا ناکامیاب
ہو رہا تھا ایسی حالت میں وہ محوِ ملال
چند لمحے بعد دل میں آ گیا جو کچھ خیال
عین اُس ہنگام گر پڑی اوپر سے واں اک عنکبوت
رک کے شہ اپنے خیالوں سے ہوا محوِ سکوت
تھا زمیں سے فاصلہ چھت کا بس دور و دراز
شہ کو آتا تھا نظر لا حل معمّا سا یہ راز
رینگنے ہی وہ لگی فوراً جھپٹ کر تار سے
گر پڑی وہ منہ کے بل فوراً زمیں پر بار سے
ہو گئی لیکن وہاں اُوپر کو فوراً تیز تیز
پھر پھسل کر آ رہی لب پر فغانِ درد خیز
ہو گیا دوران سر تب دور اُٹھ کر پھر چلی
چل رہی تھی جس پہ وہ باریک رہ تھی تار کی
پھر گری وہ کھا کے چکر گرچہ فرشِ خاک پر
تیز گہ ہے سُست گاہے گاہ نیچے گاہ فوق
بالیقیں شہ نے کہا اب بوالہوس مکڑی کبھی
ہار رہا جب کوششیں چڑھنے کی اُوپر کر چکی
لیک پھر اوپر چلی ایک بار دیکھو حوصلے
ڈیڑھ ہی بالشت پر ہے اب درِ امید سے

کنجِ تنہائی میں آ کر پڑ رہا خستہ جگر
بیٹھا جاتا تھا دلِ مایوس اندیشے سے مگر
خوش رعایا تا کہ ہوں سب بیٹھے لگانے تھے جو آس
ہو گیا تھا اس لئے اُس وقت وہ بیحد اداس
شدتِ جوشِ الم سے تھا بہت زار و نزار
بولا اب میں چھوڑ دوں گا منصبِ سرکار و بار
ایک تارِ ریشمی بن تھی لٹکتی بر ملا
بجھیوں ان تو مکڑی یہاں کرتی ہے آخر کیا بلا
قطعِ منزل کا ذریعہ اُس پہ اک باریک تار
اپنے آسائش کے گھر تک جائیگی کیونکر یار
سخت کوشش سے چلی آخر براہِ مستقیم
جس جگہ پہلے ہوئی تھی چند لمحہ کو مقیم
ٹھہری دم بھر بھی نہ وہ تا کھولے شکوہ میں زباں
سر میں کچھ چکر سا تھا ظاہر غشی کے کچھ نشاں
آدھ گز پہلے سے بھی اُوپر کیا اُسنے سفر
راہ پھر ایسی کہ تھک جاتی تھی وہ ہر گام پر
زود تر ہمت سے لیکن ہو گئی فوراً سوار
چھ دلیرانہ ہوئی تھیں کوششیں اُسکی شمار
پھر بلندی کی طرف زنہار جانے کی نہیں
اور اُلٹ کر آ رہی ہر بار وہ سوئے زمیں
اُف یہ کیسی تھی گھڑی بھر دل حسرت مآب
حیف لو ناکام اب بھی ہو گئی ناکامیاب

تین جو اور تین جو تھم تھم کے استقلال سے
کی جھپٹ جرأت سے جب تھا فصل کمتر بالشت
آفرین صد آفرین کا نعرہ مارا شاہ نے
پاس کے پہلے جو کھڑے تھے واہ کہتے تھے
والی اسکاٹلینڈ نے پھر کیا بالجزم عزم
پھر گیا خنجر بکف وہ جانب میدان رزم
گوش دل سے سن، کھو یہ نکتہ پیارے نظرین
بزدلی کا کلمہ تم کو لے نہ جائے پھر کہین

یعنی تھوڑا تھوڑا اوپر کو وہ بڑھتی ہی گئی
پہونچی منزل گاہ مقصد مین یہ مین دفر چی
پائینگے عزت کا تمغہ دل سے اپنی ہاعی جو ہین
فتح کرلی اُس نے یون رہجائونگا کس طرح مین
ناقل رنگین بیان نے اسطرح کی ہے خبر
اور صف اعدا کو اُس نے کردیا زیر و زبر
تم نہ حاشا کہیو مجھ سے ہو نہین سکتا یہ کام
سوئے یاس و حسرت و ناکامی و حزن مدام

بدر الزمان۔ کلکتہ۔

قدر افزایان دلگداز

دلگداز کی اشاعت مین اِن دنون بہت کچھ بد نظمی رہی۔ جس کے اسباب کا ظاہر کرنا بھی بے نتیجہ ہے۔ لیکن اب ایسا اہتمام اور انتظام کردیا گیا ہے کہ سب پرچے جلد ہی شائع ہوجائین اور آیندہ پرچے وقت پر نکلتے رہین — اپریل۔ مئی۔ اور جون کے پرچے عنقریب حاضر ہون گے —

الملتمس منیجر دلگداز۔

[illegible] زوال اور [illegible]
[illegible] اور ان کا [illegible]
[illegible] عاشقان [illegible] اور [illegible]
[illegible] مریم کی سرگذشت [illegible]
[illegible] جس کی [illegible] دان [illegible]
شہر دل اور [illegible] الدین [illegible] کا روز
یا باشعور اور پر [illegible] اور پھر [illegible] عاشق ہے

حسن کا بچھڑنا - روحی اور روم کی لڑائی -
ایرانیون اور ترکون کی پھوٹ - اس کا انجام
اور پھر آخر میں اتفاق اور اتحاد -

منصور موہنا - ابرض سندھ مین ایک مسلمان
انصاری خاندان - اس کی تباہی - اور پھر
محمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا - حسن و عشق
کی نہایت دلفریب دلکش تصویرین مسلمان مجاہدون
کے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے فتوحات - ہما

فردوس بریں - نہایت ہی حیرت انگیز ناول
[illegible] اور ان کے فدائی جنتی
جنت کی سیر - ایک مازم بچے لڑکی کا حور بن جانا
اور اس کے عاشق کا باطنی لوگون کے ہاتھ مین
پڑ کے خراب ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ گی
اور اس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رخ -
اس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے
بے مثل اور بے نظیر ناول ہے -

شہید وفا - غرناطہ اور اسپین مین مسلمانون
کا زوال - اور اس زوال کی حالت مین بھی
ایک سچے عاشق کا امتیازی رجحان و دیانت بازی
عشق حسرت و اندوہ کی سچی تصویر ہے

قیس و لبنیٰ - بابو شنکر چند چٹرجی کے اس ناول کا
[illegible] کا ترجمہ نہایت فصیح اردو مین -

[illegible] [illegible] حقیقت کا [illegible]
[illegible] اس کی [illegible] بیان - خاندانی [illegible]
[illegible] شریف زادے [illegible] کا شہر خاص
[illegible] اور خاص رنگ [illegible]

دلکش - (دو حصہ) طالب کی اور عشق
نہایت ہی بھلی زبان اور سچا جوش عشق
[illegible] دلکش و پُرلطف -

دولوی و دلھن - ایک نہایت ہی دلچسپ
انگریزی ناول کا ترجمہ کرکے دلگداز مین شائع
کیا گیا - اور علیحدہ بھی چھپ گیا -

آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے
دور کی ایک مزےدار تصویر - جو عورتین دھوکہ
دے کے کرتی اور صورت دکھا دیتا بھولی بات
سمجھتی ہیں اُنکی **غفلت کا خمیازہ** -

بدرالنساء کی مصیبت - ایک حسرت ناک
داستان جس مین ریل پر بیبیون کے بیل
سے کیسی طرح کی خرابیان پیدا ہوتی ہیں -

بیوہ کا بیاہ - ایک عجیب ڈرامہ رضامندی اور
نارضامندی کی شادیان -

جلدہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ [illegible] اس سال صرف چند رسالے نکلے تھے
جلد دلگداز سنہ [illegible] (صرف آٹھ رسالے نکلے تھے)
جلد دلگداز سنہ [illegible] (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز سنہ [illegible] (اس مین ابتدائی چند رسالے
سنہ [illegible] کے اور باقی سنہ [illegible] کے ہین جنہین
ملا کے ایک جلد مرتب کی گئی ہے)
جلد دلگداز سنہ [illegible] (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز سنہ [illegible] (مکمل بارہ پرچے)

سلسلۂ مشاہیر اسلام

جہان سے گزرے ہیں جن کا شہرہ ہے اور بزرگوں کے نام آیا کرتے ہیں ان کے حالات عموماً لوگ نہیں جانتے ہیں۔ مگر اردو زبان میں ان کے حالات سے نہایت ہی غفلت برتی گئی ہے۔ اسی خیال سے مشاہیر کا سلسلہ ہمیں نکالنا پڑا جو اکثر ہیں ان کی سوانح عمری مرتب کی ہے کا ایک سلسلہ شروع کیا ان بزرگوں کے حالات میں ایک مستقل رسالہ تحقیق و تنقید کے ساتھ مدون ہو جائے اگر احباب قدردانی کی وجہ سے اس سلسلہ شروع کر دیا گیا ہے اور ہمارا قصد تھا کہ پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی پبلک کے ہاتھ میں ہے اور اس کی قیمت ۸؍ ہے جن صاحبوں کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائیں۔ دوسرا نمبر ابوبکر شبلی ہے جس میں حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔ زیر طبع ہے۔

قدردانوں سے امید ہے کہ اس سلسلہ کی قدر افزائی فرمائیں گے۔ اور عام اجازت دیتے ہیں کہ اس کا ہر نمبر شائع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے ان کی خدمت میں وی پی ایبل بھیجا جایا کرے۔ قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائے گی۔ یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا۔ لیکن اگر قدردانوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس سلسلہ کے نمبر جلد جلد شائع ہوں گے۔ اور زیادہ سستے کر دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے احباب خاص اور قدردانان ملک سے پورا امید ہے کہ خود بھی اس سلسلہ کی سرپرستی فرمائیں گے اور اپنے احباب کو بھی اس کی ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کریں گے۔ ہم محنت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اس کو تقویت دے کے جاری رکھنا اور عام پبلک کو اس کی طرف متوجہ کرنا اہل ملک اور خصوصاً مسلمانوں کا کام ہے

ضروری اطلاع

آئندہ سے جملہ خط و کتابت عزیزی محمد فاروق منیجر دلگداز سے کی جائے۔ اور منی آرڈر وغیرہ بھی انھیں کے نام پر آئیں۔ وہی قدردانان دلگداز کے احکام کی تعمیل کریں گے اور انھیں کے مہر سے رسالہ وی پی ناظرین کی خدمت میں حاضر ہوں گے فقط

الملتمس محمد عبدالحلیم شرر پروپرائٹر و ایڈیٹر دلگداز

دلگداز

اپریل (مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) سنہ ۱۹۰۶ء

جلد ۱۱ ——— نمبر ۳

ایڈیٹر مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

قیمت مع محصول مکمل پرچہ یعنی ناول و تاریخ سالانہ عہ

اِن مین سے کوئی دو جز لیے جائین تو عمار

اور کوئی ایک ہی جز لیا جائے تو عہہر

(قومی پریس لکھنؤ مین چھپ کے)

لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع ہوا

مولینا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے تصانیف موجودہ دفتر دلگداز

تاریخ اور لائف

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیان جو بیت المقدس کی حکومت کے لیئے صدیون تک مسلمانون اور عیسائیون مین جاری رہیں منصف مزاج انگریزی مورخ مسٹر کاکس کی کتاب کا ترجمہ جو تنقیح عربی تاریخون سے کیے گئے ہین۔ عہ

تاریخ سندھ جلد اول - ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد بن قاسم تک۔ اس کتاب کے پڑھنے سے نظر آسکتا ہے کہ فاتحین عرب نے سندھ مین کیا کیا۔ اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخون کی نہایت قابل وثوق طریقہ سے تنقید کی گئی ہے۔ عہ

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی۔ آپکی تعلیمین آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفہ الٰہی۔ عہ

حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی۔ اُس کی تعلیمین اُس کا علم و فضل اور اس کے جانباز فدائی۔ ۶ ر

اسلامی سوانح عمری - علمائے اسلام کے جو حالات اخبار ہند مین شایع ہوا کرتے تھے اُن کی چند کاپیان زائد چھپوالی جاتی تھین جو اخباری تقطیع پر ہین۔ چند ہی جلدین باقی رہ گئی ہین۔ ۸ ر

ملکہ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی شہزادی ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ ۳ ر

لارڈ بیکن - بانی فلسفہ جدید کے حالات اور اُس کا فلسفہ۔

افسانہ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی۔ جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز مین شائع ہوئے تھے۔ ۳ ر

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی کئی نمبرون پر تقسیم ہو کے دلگداز مین شائع ہوا تھا۔ اہل مطابع نے اسے جداگانہ چھاپ لیا۔ ۶ ر

ناول

یوسف و نجمہ مکمل - اس کے چند نا تمام اوراق ملک مین پھیلے ہوئے تھے۔ اور ہر طرف تکمیل کا تقاضا تھا۔ اب فی الحال یہ مرتب ہو کے ایک جلد مین شائع ہوئے ہین قیمت پوری کتاب کی جس مین ابتدائی حصہ بھی شامل ہے۔ عمہ

شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی کے واقعات ملکہ فرانس کی عشق بازیان۔ مردون کے پہلو مین زنانہ تیپ اور اُس کی سحر آفرینیان۔ عجب مزے کا ناول ہے۔ عمہ

فتح اندلس - اسپین پر عربون کا حملہ۔ جولین حاکم سندھ کی بیٹی۔ اُس کے ساتھ شاہ اسپین کی دغا بازی اور آخر اُن مظالم کا مسلمانون کے ہاتھ سے عجب لطف کے ساتھ خاتمہ۔ صرف ابتدا ہی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ زور بیان نے نیچر و واقعات مین کیسی جان ڈالی ہے۔ عمہ

مقدس نازنین - ایک برٹن لڑکی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے مین ترقی کرکے پوپ منتخب ہو جانا مسند پاپائی پر بیٹھ کے اُس کا وضع حمل مسیحیون مین شورش اور مسلمانون کے ہاتھ سے اُس کا نجات پانا۔ عہ

فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان مین عیسائیون کی حالت۔ اور اُن کا مجنونانہ جوش شہادت۔ ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب کرنا۔ اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور موجب حیرت بنا دینے والا انجام۔ عہ

ایام عرب - دو حصہ۔ جاہلیت عرب کے رسم و رواج۔ شاعری اور بہادری۔ رزم اور بزم صحرا کا عشق اور محل کا عشق دو عربی شاہزادیان

دولت

لوگ کہتے ہیں کہ دولت اندھی ہے اسی بنا پر خیال آرایان سلف نے دولت کی تصویر اندھی بنا لی ہے کیونکہ وہ ایک ایسی معشوقہ ہے جو اکثر نااہلوں ہی سے ہم آغوش ہو جاتی ہے۔ اور ان لوگوں کے پاس زیادہ سرمایہ دیکھا جاتا ہے جو ذاتی برتاؤ پانے کی اہلیت رکھتے ہیں وہ نہ اس کا صحیح استعمال جانتے ہیں۔

مگر ہم ایسا سمجھتے ہیں کہ دولت کی تو بڑی بڑی آنکھیں ہیں لیکن ہاں جن لوگوں کے پاس وہ بکثرت و جمعیت پہنچ جاتی ہے ان کو البتہ اندھا بنا دیتی ہے۔ چار پیسے ہوئے اور یہ حالت ہوئی کہ نہ اپنا پرایا سجھائی دیتا ہے اور نہ اپنا نیک و بد نظر آتا ہے قومی اور نوعی منافع سے نظر پیچھے ہٹتے ہٹتے شخصی اور ذاتی منفعتوں کے تنگ دائرے میں محدود ہو جاتی ہے۔ اور پھر سوا اس کے کہ ہم دنیا کی ہر جائز ناجائز لذت کا مزہ اٹھا لیں اور کسی بات کا خیال نہیں رہتا۔ تمام انسانی اخلاق جو انسانیت کا زیور ہیں حاجتمندان ستم گر کے معانی بن جاتے ہیں۔ اور وہی چہرہ جو خوبصورت اور روشن تھا بڑا اور تاریک نظر آنے لگتا ہے۔ خودداری غرور بن جاتی ہے۔ اور خدا کی نعمتوں سے فیضیاب ہونا نفس پرستی کی شان دکھانے لگتا ہے۔

روپیہ اگرچہ اجلا اور روشن ہے۔ اور ظاہر میں کسی حسین کا گورا چہرہ نظر آتا ہے مگر اس میں ایک ایسی سیاہی بھی ہے کہ اگر دیر تک ہاتھ میں رکھیے تو ہاتھ کالے ہو جاتے

ہین - یہی کالک اگر احتیاط نہ کی گئی تو ہاتھون ہاتھون سے بڑھ کے منھ مین لگ جاتی ہے اور دولتمندون کی صورت ایسی بنا دیتی ہے کہ سوا غرض والون کے کسی کو بھلی نہین معلوم ہوتی - سچ یہ ہے کہ اُس سے بہتر اور نمایان کرشمۂ دولت کی دورُخی حالت کا نہین نظر آ سکتا -

اگر اہل عالم کی غرضین دولت والون سے نہ اٹکی ہوتین تو شاید اُن سے بُرا کوئی نہ ہوتا - اور کسی گروہ کی اتنی مذمت نہ کیجاتی جتنی کہ دولتمندون کی - مگر دولت ایسا جادو ہے کہ اپنے مالکون ہی کو خراب اور بدصورت نہین بناتا بلکہ گرد و پیش کے تمام لوگون کو بھی جھوٹا خوشامدی - ذلیل اور سفلہ بنا دیتا ہے -

لیکن خوشامد کرنے والون کے اس کثیر التعداد گروہ کے موجود ہوتے بھی دنیا مین دولت والون کی جتنی مذمت کی گئی ہے کسی کی نہین کی گئی - اہل دل اتقیا عارفین نے اُن کو اسقدر ذلیل خیال کیا کہ اُن کے قریب جانے سے بھی احتراز کیا - اور تھرز رہنے کی ہدایت کی علما و فضلا نے اِس نفس پرست گروہ کی مذمت مین دفتر سیاہ کیے شعرا نے اپنی غرض نکالتے وقت اگرچہ دولتمندون کی تعریف مین بڑے بڑے قصیدے کہہ ڈالے مگر جب اپنی غرض نکال چکے تو ہجوین کہین - اور صاحبان دولت کو جی کھول کے گالیان دین -

ایک با مذاق شاعر دولت کی تعریف مین خوب کہہ گیا ہے کہ

اے زر تو خدا نۂ ولیکن بخدا ستار عیوب قاضی الحاجاتی

اِس تعریف کو سُن کے شاید کوئی بے وقوف دولت والا بھول گیا ہو - اور اپنے دل مین خوش ہولیا ہو - لیکن اگر وہ عقل سے کام لیتا تو سمجھ جاتا کہ اس سے زیادہ ہجو ملیح نہین ہوسکتی -

تم دیکھتے ہو کہ اہل عالم کی عام بداخلاقی نے رشوت ستانی کا بازار گرم کر رکھا ہے - اپنی دینوی زندگی مین ہر شخص کو کبھی نہ کبھی رشوت ضرور دینی پڑتی ہے - عدالت مین - ریلوے آفس مین - ملازمت مین - تجارت مین غرض ہر اسلوب زندگی مین ہمین رشوت لینے والون سے سابقہ پڑ جاتا ہے - مگر سب سے بدتر اور نہایت ہی ناپاک قسم کی رشوت دینے والا امرا اور دولتمندون کا گروہ ہے -

یہ لوگ ہر قسم کی بد اخلاقی اور شہوت پرستی میں مبتلا ہوتے ہیں مگر رشوت دے کے دنیا والوں کی زبان بند کرتے اور اُس لئے اپنی تعریف کراتے ہیں ۔ شب و روز سخت ترین زناکاری میں منہمک رہتے ہیں ۔ اور روپیہ کے زور سے مشہور کیا جاتا ہے کہ بڑے عفیف و پارسا ہیں ۔ شراب گلگون کے جام لنڈھائے جاتے ہیں ۔ جب دیکھیے مخمور و بدمست نظر آتے ہیں ۔ مگر گرد و پیش کے غرض باندھے وابستگان دامن کہتے پھرتے ہیں کہ ان سے زیادہ باشرع کوئی درویش و ولی ہی نہیں ہو سکتا ۔ جاہل مطلق ہیں مگر اعلےٰ سے اعلےٰ درجہ کے مصنفین کرایہ پر مل جاتے ہیں جن کے تصانیف رشوت دے کے حاصل کیے جاتے ہیں اور دنیا میں مشہور ہوتا ہے کہ آپ بڑے زبردست محقق اور پایہ کے مصنف ہیں ۔ شاعری سے مس نہیں ۔ سامنے بٹھا کے ایک مصرع کہلائیے تو نہ کہا جائے گا ۔ مگر گرد کے خوشامدی شاعروں کو رشوت دیدے کے اُن کا کلام مول لیتے اور بڑے بلند خیال و نازک طبع شاعر بن جاتے ہیں ۔ یہ تو چند گنتی کی باتیں تھیں دولت والوں کو صرف دولت مندی اور رشوت دینے کی استطاعت کے طفیل میں ہر قسم کے دینی و دنیوی کمالات حاصل ہو جاتے ہیں ۔ کسی فن اور کسی ہنر کا شوق ہو آپ کی طبیعت اُدھر آئی اور بے پڑھے لکھنے کی زحمت اُٹھائے ۔ اور بغیر محنت مشقت کیے فرید روزگار باکمالوں میں آپ کا شمار ہو گیا ۔

الغرض یہی کرایہ کے اور دوسروں سے خریدے ہوئے کمالات ہیں جنکو شاعر نے بالاختصار "ستار عیوب و قاضی الحاجات" کے وسیع و جامع الفاظ میں جمع کر دیا ہے ۔

دنیا میں دو قسم کے دولت مند نظر آتے ہیں ۔ ایک وہ جنھوں نے دولت کو ذاتی کوشش اور خود اپنی محنت و مشقت سے حاصل کیا ہے ۔ دوسرے وہ جنکو دولت ورثہ میں آباً عن جدٍّ ملتی چلی آتی ہے ۔ یا یوں کہیے کہ جنھوں نے دولت و حشمت کے آغوش میں پرورش پائی ہے ۔ اور [illegible] کے رئیس ہیں ۔

اوّل الذکر طبقہ امرا میں بہت سی خوبیاں ملیں گی ۔ اور اُن میں سے اکثر ذاتی جوہر کے زیور سے آراستہ ہیں ۔ ان لوگوں میں ہر قسم کے کاملین اور وہ افتخاران عالم ملیں گے جن کے ہاتھوں سے دنیا ترقی کر رہی ہے ۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ

لوگ دولت کے ذریعہ سے کمالات نہیں حاصل کرتے۔ بلکہ کمالات کے ذریعہ سے انھون نے دولت حاصل کی ہے۔ اور روپیہ اگرچہ اُن کے ہاتھون مین ہے مگر رستے دنون تک ٹھہرنے نہین پایا کہ ہاتھ اور منھ کالے ہو جاتے۔

لیکن اُمرا کا آخر الذکر طبقہ نوع انسانی کا وہ ناپاک گروہ ہے جو بُرائیون اور بداخلاقیون کا سرچشمہ ہے۔ جس طرح گرمی اور روشنی کا منبع آفتاب ہے۔ پانی کا سرچشمہ سمندر ہے۔ اور ہر قسم کی دھات کا مبدا اُسکی کان ہوا کرتی ہے۔ اُسی طرح تمام بُرائیون اور بداخلاقیون کا مخزن و مرکز ان خاندانی دولتمندون کا ناپاک گروہ ہے۔ یہ نہ ہوتا تو دنیا مین کوئی بُرائی بھی نہ ہوتی۔ اور ان کا ناپاک اثر نہ پڑتا تو دنیا انسانی صورت فرشتون سے آباد ہوتی۔ انسان مین گناہون اور بدکاریون کے جذبات بیشک شیطانی قوت نے پیدا کیے ہین جس کی بنا پر وہ مردود ہے اور اُس پر لعنت کی جاتی ہے۔ مگر موروثی دولتمند ہی اُن تمام بُرائیون کو قوت سے فعل مین لاتے ہین۔ اور سچ پوچھیے تو دنیا کے اخلاقی بگاڑ کے اصلی ذمہ دار یہی لوگ ہین۔ روپیہ اُنکے پاس تھا ہے۔ اُسکی سیاہی نے اُن کے ہاتھ اور منھ کالے کر دیے ہین۔ اور یہ کالک جسم کے اندرونی حصہ تک اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ اندرونی جذبات اور اخلاق سب تاریک ہو گئے ہین۔ وہی سیاہی اُن کی آنکھون پر بھی اثر کر گئی۔ جس کی بدولت دولت کو الزام لگایا گیا۔ ورنہ وہ بدنام ہوئی۔ حالانکہ اصلی اندھے یہ ہین۔ کسی نے شراب کی عیب پوشی مین یہ شعر کہا ہے۔ اور خوب کہا ہے کہ

مے کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است — بلکہ مے می شود از صحبت نادان بدنام

یہ شعر شراب کی حالت پر اتنا صادق نہین آتا جتنا کہ دولت کی بدنامی پر صادق آسکتا ہے۔ اسی لیے ہم اس شعر کو یون پڑھتے ہین کہ

زر کہ بدنام کند اہل خرد را غلط است — بلکہ زر می شود از صحبت نادان بدنام

خاندانی دولتمندی کی اس آفت کو ہم ہی نے نہین محسوس کیا۔ بلکہ دنیا قدیم الایام سے محسوس کرتی آئی ہے۔ اسی نے ساسانیون کی ناپاک حالت اور اُن کی بداخلاقیان دیکھ کے مزدک کا فرقہ پیدا کیا جس کا دعوی تھا کہ پانی۔ ہوا۔ اور روشنی وغیرہ کی طرح دولت بھی خدا کی اُن نعمتون مین سے ہے جن پر کوئی اپنا قبضہ نہین جتا سکتا۔ بلکہ ہر شخص اُس سے یکسان طور پر نفع اُٹھانے کا مجاز ہے۔ وہ لوگ

طبقہ اوّل کے دولتمندون کے مخالف نہ تھے - کیونکہ وہ اپنے فضل و کمال اپنے ذاتی جوہر اور اپنی محنت و شفقت کے صلہ مین دولت حاصل کرتے ہین - انھین جو کچھ اختلاف تھا صرف دوسرے طبقہ والون یعنے موروثی اہل دولت سے تھا - جو باپ یا کسی وارث کے مرجانے سے دولت کثیر کے مالک ہوتے - اور اُسکے ذریعہ سے ہر قسم کی بداخلاقی اور شہوت پرستی کو اپنے لیے جائز کر لیتے ہین - مزدک سے صرف اتنی غلطی ہوگئی کہ عورتین بھی اُس نے جائداد مین شامل کر دیا - ساسانیون کے زمانے مین چونکہ لونڈیان محلون مین بھری جاتی تھین - اور ساسانیون سے پہلے بابل و نینوا والون مین چونکہ عام عورتین بجائے عقد نکاح کے فروخت کی جاتی تھین اس لیے اُن دنون کسی شخص سے ایسی غلطی ہوجانا کوئی تعجب کی بات نہین ہے -

نیز اسلام کے ظہور کے بعد خود اسلام کے دامن مین خوارج - قرامطہ - ملاحدہ - اور بابی وغیرہ کی قسم سے جو فرقے پیدا ہوئے اُن کی بنیاد بھی اسی بات پر تھی کہ خاندانی دولتمندی کے مخالف تھے - یونان وروم کی جمہوریت بھی اسی خیال کے تقاضے نے ظاہر کی - اسی کے طفیل مین انگلستان کے سریر آرا سے بہ جبر و اکراہ میگنا چارٹا کا دستورالعمل فرمان فرمائی دستخط کرایا گیا - اور اسی نے فرانس کی شاہنشاہی کو پامال کر کے جمہوری سلطنت قائم کی -

خلاصہ یہ کہ خاندانی دولتمندی کے مٹانے کا مسئلہ دُنیا مین اکثر پیدا ہوا - اور تھوڑا بہت اثر بھی دکھا گیا - لیکن چونکہ حکومت ہمیشہ دولتمندون کے ہاتھ مین رہی - وہی حکمران تھے اور وہی عہدہ داران سلطنت جنھین دولت نے اندھا بنا دیا تھا - جو دنیا کی عام اصلاح کو ہمیشہ اپنی خود غرضی پر قربان کر دیا کرتے تھے - اسلیے پوری طرح کامیابی نہین ہوئی

سب سے زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ دین اسلام بھی اپنے اصول و آئین شریعت سے اس امر کی مساعدت کرتا ہے کہ دولت کسی گھرانے مین جمع نہونے پائے - چنانچہ ہمارا قانون وراثت اسکی پوری تصدیق کرتا ہے آجکل کے نہلسٹ اور سوشلسٹ لوگون کی طرح اسلام یہ تو نہین کہتا کہ ہر دولتمند کے مرجانے بعد اُسکی کل جائداد پبلک پراپرٹی ہوجاوے - لیکن دیگر اقوام کے قوانین وراثت کی طرح اُس نے یہ کبھی نہین کہا -

کہ موروثی اور آبائی جائداد صرف اولاد اکبر کو دیجائے اور باقی لوگون کو گزارہ ملے اُس نے بہت سے ورثا کی ایک فہرست بتائی - اور حکم دیا کہ اِس نسبت سے یہ جائداد اپنے سب وارثون مین تقسیم کر دی جائے - جس تقسیم کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ چاہے کتنی ہی بڑی جائداد ہو چند پشتون کے بعد دیکھیے تو نوع انسان کے ایک وسیع دائرے مین پھیل جاتی ہے اور آبائی دولت مندی کا سلسلہ نہین قائم رہنے پاتا - نئے دولتمند پیدا ہوتے رہتے ہین - اور پُرانے حصول دولت کی کوشش سے بے پروا نہین رہ سکتے -

لیکن سلطنت اور امارت چونکہ آبائی دولت مندی کی طرفدار رہے اِسلیے بارہا کوشش کی گئی کہ اِس قانون وراثت مین ترمیم ہو جائے - مسلمان تعلقداران اودھ کی وراثت سے اسلام کی برکتین اُٹھ گئین - اور اُنھون نے محض خود غرضی کے جوش مین اُسے خوشی کے ساتھ قبول کر لیا - اور بعض ناسمجھ لوگ جو شریعت اسلامیہ کی اصلی برکت - اور اُسکے سچے اغراض سے ناواقف ہین اب بھی کبھی کبھی غل مچادیا کرتے ہین کہ مسلمانون کا عام قانون وراثت بدل دیا جائے -

یورپ کی آزادیون اور ترقیون نے اگرچہ دنیا کی بہت کچھ اصلاح کر لی ہے مگر اب بھی وہان خود غرض دولت مندون کا اثر اسقدر غالب ہے کہ لبرل گروہ جو دولت مندی کی قوت توڑنا چاہتا ہے مغلوب ہے - اور روز بروز مغلوب ہوتا جاتا ہے اور انگلستان کی ایسی سمجھدار قوم مین بھی امپیریلزم کا خبط بڑھ رہا ہے - جو لوگ استعمال دولت مین مساوات قائم کرنا چاہتے ہین باغی قرار دیے گئے ہین - اور اُنکی بیخ کنی کی کوشش کی جاتی ہے -

لیکن اگر زمانہ کی یہی رفتار ہے تو ایک دن ساری دنیا پر یہ ضروری قانون حکومت کر رہا ہوگا کہ "لیاقت و جوہر کے صلہ مین یا اپنی محنت و مشقت سے دولت حاصل کرنے والے اپنی زندگی بھر اُس سے نفع اُٹھانے کے مجاز ہین لیکن اُن کے مرنے کے بعد دولت کسی خاص وارث کی ملکیت نہین بلکہ پبلک جائداد ہے جسے سلطنت کا جمہوری انتظام قومی و ملکی مصالح مین صرف کرے گا"

اُس مبارک وقت کے آنے کا پہلا درجہ یہ ہوگا کہ ساری دنیا سے شخصی حکومت کی نحوست دور ہو جائے گی - اور دوسرا درجہ یہ ہوگا کہ دولت پبلک پر برابر کی قرار دی جائے گی اور وہی سچا مبارک وقت ہوگا جب کاہل امیرزادون کو نہ شہوت رانی کے لیے روپیہ ملے گا

نسیم پرستی کے لیے - اُن کی دست بُرد سے غربا کی عزت و آبرو محفوظ ہو جائے گی - نہ کسی کے پاس اتنا روپیہ ہوگا کہ رشوت دیدے کے بے تعلیم کے صنف بنے یا شعر کے شاعر بنے - اور بداخلاقیوں میں مبتلا ہو کے مسائل اخلاق مستور رہو - اس خیر و برکت کے دور میں مزدور کو اپنی پوری مزدوری ملے گی - اور محنت کرنے والا اپنی محنت کا پورا پھل پائیگا اور ہر شخص کو اُسی چیز میں شہرت حاصل ہوگی جس میں وہ حقیقۃً کمال رکھتا ہے - اور اسی وقت نظر آئے گا کہ دولت ان ہی سے زیادہ لوگ جو نے محنت و مشقت اُسے حاصل کر لیا کرتے ہیں

نازنینان عرب کی عفت

یہ بات خاص عربوں میں ہے کہ لڑکیاں اگرچہ بظاہر بیباک نظر آتی ہیں - اور بے تکلفی میں اس قسم کی باتیں کہہ جاتی ہیں جو ہندوستان میں انتہا درجہ کی بیشرمی اور بیحرمتی کا نمونہ خیال کی جائیں لیکن اسکے ساتھ ہی عفیفہ اور پاکدامن ہوتی ہیں - شعراء عرب شریف زادیوں پر اظہار عشق کرتے تھے - اپنی نظموں میں معشوقہ کا نام لے کے بیان کرتے تھے کہ فلاں تاریخ شب کو میں اُسکی خوابگاہ میں گیا - اُس سے یہ باتیں ہوئیں - اور وہ مجھ سے آغوش شوق کھول کے یوں ملی لیکن اس پر بھی اُن کے چال چلن پر حرف نہیں آتا تھا - دو ایک شاعروں کو ایسی جرأت بھی ہوگئی کہ چور کی طرح معشوقہ سے ملے - خلوت میں اُس کے ساتھ بیٹھے - اظہار شوق کیا - کھل کھل کے باتیں کیں - اور بغیر اسکے کہ بدکاری کا خیال بھی دل میں گذرے واپس چلے آئے -

اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جو دیگر اقوام و ممالک میں حیرت و تعجب سے دیکھے جائینگے لیکن اہل عرب میں وہ معمولی باتیں تھیں - اور ایسی نہیں کہ ان پر بدگمانی کی جائے منجملہ ان کے بنی قضاعہ کا ایک یہ واقعہ ہے جس کا بیان کرنا ہمارے ناظرین کے لیے لطف سے خالی نہ ہوگا -

بنی قضاعہ میں ایک شریف و صاحب اثر شخص تھا - خدا نے اُسے سات بیٹے دیے تھے جن میں سے ایک نہایت ہی حقیر و کمرو اور شکل و شمائل میں نہایت ذلیل تھا - خاندان کی یہ خدمت اُسکے سپرد تھی کہ اونٹ چرایا کرتا - اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا گھر کا غلام

ہے۔ اتفاقاً ایک اُونٹ بھاگ گیا۔ بھائیون نے کہا "جاؤ اُسے ڈھونڈ لاؤ؟" انھون نے کہا "اکیلا مین ہی ہون؟ تم نہ جاؤ؟" باپ نے یہ جواب سُن کے کہا "اب جاتا ہے کہ نہین؟ ذرا بھی دم مارا تو اسی وقت مار کے ڈال دونگا۔" مار کا ڈر بڑا ہوتا ہے آپ مجبوراً اونٹ کو تلاش کرتے ہوئے گھر سے نکلے۔ سردی کا موسم تھا۔ بھوکے پیاسے اور جاڑے کی شدت سے کانپتے ہوئے صحرانوردی کر رہے تھے کہ شام کو بدویون کے ایک خیمہ کے پاس پہونچے جس مین ایک نیک بڑھیا اپنی حسین و پری جمال بیٹی کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ بڑھیا نے ترس کھا کے کھلایا پلایا۔ اور ٹھہرا لیا۔ جب بڑھیا کام کاج کے لیے وہان سے ہٹی تو لڑکی نے آپ کی عجیب صورت دیکھ کے بنانا اور مسخرہ پن کرنا شروع کیا۔ کہنے لگی "مین نے تم سے اچھا خوبصورت اور بانکا جوان آج تک نہین دیکھا تھا۔ ایک کام کرو۔ جب رات کو سب سو جائین تو تم چپکے سے اُٹھ کے میری خوابگاہ مین چلے آنا اُس وقت ہم تم اطمینان سے باتین کرین گے۔" آپ سمجھ گئے کہ بناتی ہے۔ بولے "مجھے معاف کیجیے۔ بنائیے نہین۔" اتنے مین لڑکی کا باپ اور اُس کے سات جوانمرد تہمتن بیٹے آگئے۔ سب نے کھایا پیا۔ اور خیمہ کے سامنے زیر سما سو گئے۔ جب سب لوگ غافل ہو گئے تو شیطان نے آپ کو امنگ دکھائی۔ اگرچہ جانتے تھے کہ لڑکی نے صرف بنایا تھا مگر دل نے نہ مانا۔ چپکے سے اُٹھے۔ دبے پاؤن خیمے کے اندر گئے۔ اور لڑکی کو تنہا اور غافل پا کے آہستہ سے جگایا۔ اُس نے آنکھ کھولتے ہی پوچھا "کون؟" بولے "مین ہی ہون تمھارا غریب الوطن مہمان۔" چین بہ جبین ہو کے اُس نے کہا "کیون شامت آئی ہے؟ نکل یہان سے اور دُور رہو!" گھبرا کے پلٹے۔ ڈرے اور سہمے ہوئے چپکے چلے آتے تھے کہ کتا جو خیمہ کے پاس رہا کرتا تھا بھونکتا ہوا جھپٹا۔ آپ نے اپنی لکڑی سے ہزار ہٹایا۔ مگر وہ بھلا کب مانتا تھا؟ لپک کے آپکا دامن پکڑ ہی لیا۔ اب اُسے آپ اپنی طرف کھینچ رہے تھے اور وہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس کشمکش مین آپ نے یک دفعہ زور کر کے پیچھے کھینچا تو لڑکھڑا دھڑیم کر کے ایک اندھے کنوئین مین جا رہے جو پیچھے تھا۔ اور ساتھ ہی وہ کتا بھی دامن کے ساتھ کھنچ کے کنوئین مین آ رہا۔

دھماکے کی آواز اُس حسین و پری جمال دوشیزہ کے کان مین گئی تو خدا ترسی سے اُٹھی۔ اور کنوئین کی جگت پر آ کے کہا "خدا کی قسم جی تو یہ چاہتا ہے کہ ابھی کنوئین

کو تیری خبر نہ دون - لیکن خدا سے ڈر کے تیری جان بچاتی ہون" یہ کہہ کے اُس نے رسّی ڈالی - اور کہا اسے پکڑ لے - اوپر تک کھینچ کے لائی تھی کہ طاقت نے جواب دیدیا - اور ایسے قدم اُکھڑے کہ خود بھی کنوئین مین جا رہی -

اب صبح ہوئی - اور لوگون نے حیرت سے دیکھا کہ لڑکی خیمہ مین سے غائب ہے - اِدھر اُدھر ڈھونڈھنا شروع کیا - یہان تک کہ معلوم ہوا لڑکی اور نوجوان - اور لوگ تاڑ گئے کنوئین مین دیکھا - غیرت حمیت جوش مین آئی - اور لڑکی کے بھائی سب کے سب تلوارین اور تیر لیکے بیٹھے چاہتے تھے کہ دونون کا کام تمام کر دین - مگر خدا نے بچا لیے - لیکن خود باپ نے سب کو روکا - اور کہا کبھی مجھے اپنی بیٹی پر بدگمانی نہین اُسکی پاکدامنی ایسی نہین کہ بدگمان کیا جا سکے - پھر رسیان ڈال کے سب کو کنوئین سے نکالا - اور لڑکی نے بھی سچ سچ بیان کیا اور پھر مہمان سے کہا "خدا کی قسم مین جانتا ہون کہ میری لڑکی پارسا اور بیگناہ ہے لیکن یہ واقعہ ایسا پیش آگیا کہ سارے عرب مین رسوائی ہوگی - اگر کوئی اسے اپنے عقد مین لیگا تم کو تمھارے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ بی بی کی خبرگیری کر سکو - اگر ایسی اُمید دلاؤ تو اُس لڑکی کے ساتھ تمھارا نکاح پڑھا دون - یون مین بدنامی سے بچون گا - اور تمھاری آرزو پوری ہو جائیگی" ان بیچارے کو جان کے لالے پڑے ہوئے تھے . منتظر تھے کہ کب سر اڑا دیا جائیگا - یکایک یہ خلاف توقع سوال سُنا تو بے تحاشا کہہ اٹھے بولے "مجھ مین سوا بھلائی کے کوئی خرابی نہین - اور مجھ سے زیادہ نیک شوہر چراغ لے کے ڈھونڈھیے گا تو بھی نہ ملے گا" یہ سُن کے وہ خوش ہوا - اور پچاس اونٹ - ایک لونڈی - اور ایک غلام کے مہر پر اپنی لڑکی ان کے عقد مین دیدی -

اب آپ کے جوش مسرت کی کوئی انتہا نہ تھی - وہ بھاگا ہوا اونٹ تو خدا جانے کہان گیا - آپ خوش خوش اپنے گھر گئے - اور باپ سے ساری سرگزشت بیان کی جس خاندان مین شادی ہوئی تھی چونکہ وہ معزز و محترم اور شریف تھا - باپ نے بھی خوشی کے ساتھ قبول کیا - مہر کی چیزین لے کے گیا - اور بہو کو رخصت کرا لایا -

اِس کے بعد مدت تک آپ صحرائے عرب مین زندہ رہے - مسافر اور سیّاح آپ کے یہان آ کے مہمان ٹھہرتے - آپ کی بدصورتی اور آپ کی بی بی کی زیبائی و رعنائی کو دیکھ کے حیران ہوتے - اور آپ - اپنی یہ آپ بیتی کہانی سُنا سُنا کے انھین خوش اور مطمئن کر دیا کرتے -

ہم نشین

اے اچھے اور پیارے ہم نشین تجھ سے زیادہ لطف دنیا کی کسی چیز مین نہین - تو ہمارے لیے پیدا کیا گیا ہے اور ہم تیرے لیے پیدا ہوئے ہین - تجھ سے ہمارا دل بہلتا ہے اور ہم سے تیرا - دنیا کی تمام نعمتون اور عالم کے پرفضا سے پرفضا مقامات کی سیرون ہمین اُسوقت لطف آتا ہے جب تو پہلو مین ہو اور تجھے اس گھڑی مزا ملتا ہے جب ہم تیرے پاس ہون - تو نہ ہو تو ہماری زندگی بےمزہ ہے - اور ہم نہ ہون تو تیری زندگی - شکایات زمانہ کا دفتر تو ہمارے سامنے کھولتا ہے اور ہم تیرے سامنے - تو اپنا درد دل ہمین سناتا ہے - اور ہم تجھے -

بنال بلبل اگر بامنت سر یاری ست — کہ ما دو عاشق زاریم و کار ما زاری ست

اس مین شک نہین کہ دل بظاہر اپنی تمناؤن اور آرزوؤن کا خواستگار رہتا ہے - اور اُس پیاری دلربا صورت کو ڈھونڈھا کرتا ہے جو ہمارے مقاصد کا سرچشمہ ہے - مگر کسی تماشے مین بھی اگر مزہ آتا ہے تو اُس وقت جب تو ہم سفر ہو - اور اُسکے ساتھ بیٹھنے اور دل کی ہوسین نکالنے مین بھی جب ہی دل لگتا ہے جب تو ہمارا انیس صحبت ہو - اور ایسا ہی حسن عقیدت ہمین تیرے ساتھ بھی ہے - لہذا اے مونس غمگسار ہم نشین تیرے بغیر معشوقہ شیرین ادا کی دلفریبیان بھی پھیکی ہین - اور دولت وصل بھی بےمزہ ہے -

شب ہجران کی نہ کٹنے والی گھڑیون مین جب دل دھڑکتے دھڑکتے قرار لیتا ہے - اور دشت و بادیہ پیمائی کی دشوارگزار منزلون مین جب ہم تھک کے بیٹھتے - اور ہر اُمید سے مایوس اور ہر طرف سے وحشت زدہ ہو کے ٹھہرتے ہین - اور زخمی پاؤن سے کانٹے نکالنے مین مشغول ہو کے خیال کے دامن مین پناہ لینا چاہتے ہین اُسوقت اے ہمارے مونس قدیم ہمنشین سب سے پہلے تو ہی ہمارے پاس آتا ہے - اور اپنی دلفریب باتون سے دم بھر مین دل بہلا دیتا ہے - ساحر خیال کے عامل و موکل ہماری آفت زدگی پر ترس کھا کے یاران وطن - اعزا و اقارب - اور معشوقہ پری جمال تک کو ہمارے سامنے لا کے کھڑا کر دیتے اور اکثر ہمارے پہلو مین بٹھا دیتے ہین - مگر اے کسی صحبت دیرین کے ہم نشین تو خود ہی چلا آتا ہے سب سے پہلے آتا ہے - اور دوڑتا ہوا آتا ہے -

یہ کیون؟ اسلیے کہ تیرے بغیر نہ صحبت یار مزے کی ہے - اور نہ وطن کے بچھڑے ہوؤن کی ملاقات اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ہم ہر چیز کو تیری نظر سے دیکھتے - ہر آواز کو تیرے کانون سے سنتے - ہر خوشبو کو تیری قوت شامہ سے سونگھتے - اور ہر مزے کو تیری ہی زبان سے چکھتے ہین -

اے دلدار ہم نشین - اگرچہ یہ ایسے کہ کسی کا چاند سا چہرہ پہلو میں ہو ہمیں چین نہیں آ سکتا جب تک ہم بیوفاؤں سے شان وفا نہ ظاہر ہو دل نہ مانے گا - پہلو ون سے جب تک دل نہیں دو ا تا دن کو قرار نہ آئے گا - اور سچی مسرت و اطمینان ہمیں کبھی نہیں کی تسلی نہ ہوگی - گرچہ کہنا چاہیے تسکین ہمیں تجھ سے خطاب کر کے شعر

ہم نشین جب وہ سر بام ہی آئیں گے   دل کو لانے وہ مرے گھر میں چلے آئینگے

یہ رہ چشم سے ہو گئی کبھی اور بھی ہوئی تھی ؟

اسی سبب سے انسان پر جو اثر اسکے ہم نشینوں کا ہوتا ہے کسی کا نہیں ہوتا - ہم نشین ہمیں جس رنگ پر لگا دیں ہم بے تکلف خوشی کے ساتھ اُسی رنگ میں لگ جاتے ہیں - مذاہب و ملل کی تاریخ پر نظر ڈالو تو صاف نظر آ جائے گا کہ جو کام ہم نشینوں نے کیا ہے نہ داعیان مذاہب کی دعوت کر سکی ہے - اور نہ بادشاہوں کی شمشیر زنی - جہاد سے ملک فتح ہو جاتے ہیں - قومیں مغلوب ہوتی ہیں - اور تاج و تخت حاصل ہو جاتے ہیں - مگر دل نہ فتح ہوتے ہیں اور نہ ہاتھ میں آتے ہیں - دعوت دین معقول و موجہ دلیلیں پیش کر کے قائل کر دیتی ہے - مناظرے کی کتابیں لاجواب کر کے عاجز بنا دیتی ہیں - مگر پھر بھی جی نہیں چاہتا کہ اس اصول اور اس وضع کو اختیار کر لیا جائے دل میں یہی خیال جما رہتا ہے کہ ہمارا دین و آئین ہمارے لیے - اور اُن کا اُن کے لیے ہے - یہ بے حمیتی ہے کہ غیروں کی ریس اور دوسروں کا اعتقاد اختیار کر لیا جائے -

مگر اس کے مقابل اے انیس صحبت ہم نشین تو دل کو فتح کر کے اپنے قابو میں کر لیتا ہے تو ہمارے خیالات و عقائد اور ہماری معاشرت پر حکومت کرتا ہے - اور تیری اُنس بھری باتیں ہمیں اس طرح لبھا لیتی ہیں کہ گویا ہم اپنی خودی اور اپنی اپنائیت کو بھول جاتے ہیں - دنیا کی کوئی چیز ہماری نظر میں ہم سے اچھی نہیں - کیونکہ اس عالم میں برا بھلا جو کچھ ہے ہمارے لیے اور ہماری دلچسپی کے واسطے ہے نہ یہ کہ ہم سے اچھا ہو - مگر اے انیس صحبت ہم نشین تو بعض اوقات ہمیں اپنی ذات سے بھی اچھا معلوم ہوتا ہے - ہم تیرا رنگ اپنے اوپر چڑھاتے - اپنی وضع چھوڑ کے تیری روش اختیار کرتے - اور اپنے مذہب سے الگ ہو کے تیرے مذہب کو اختیار کرتے - حتیٰ کہ اپنی خودی مٹا کے تیرے دم سے جیتے ہیں -

مناظرہ کرنے والوں اور ردّ مذاہب کی کتابیں لکھنے والوں سے کہہ دو کہ

اب اِس کا زمانہ نہین رہا - اب اپنی کوششون سے بجاے نفع پہونچانے کے وہ دنیا مین فساد پھیلا رہے ہین اُن کی تحریر و تقریر کا نتیجہ اگر کچھ ہے تو فقط اسقدر کہ اپنون مین تعصب بڑھاتے - اور غیرون کے دل مین نفرت اور ضد پیدا کرتے ہین - اگر سچی تبلیغ چاہتے ہین تو انہیں صحبت اور ہمنشین بن کے ہمین اپنی طرف بلائین - اور اپنے بن کے ہمین اپنا بنائین -

ہم تم اور سب اپنے ہم نشینون کے بندے ہین - اور اُنھین سے پہچانے جاتے ہین - کسی کو اگر ہماری حالت کا سچا اندازہ کرنا ہے تو ہمارے اخلاق و عادات اور ہمارے اوضاع و اطوار کی جستجو کرنے سے پہلے ہمارے ہم نشینون کو دیکھے - کیونکہ وہی ہمارا لباس اور ہماری کھلی تصویرین ہین - جو جذبات ہم مین مضمر اور پوشیدہ ہین اُن مین کھلے اور نمایان نظر آئین گے - ہماری آرزوئین اور ہوسین اُن کی زبان سے ظاہر ہون گی - اور ہمارے ارادے - اور ہمارے شوق اُن کے کامون اور عملون کے دامن مین چھپے ہون گے -

شاہزادون اور امیرزادون کے لیے اچھے اور لائق و فائق اُستاد ڈھونڈھ کے بہم پہونچائے جاتے ہین - علماے گران پایہ سے التجا کی جاتی ہے - کاملان فن تلاش کیے جاتے ہین - مگر افسوس مصاحب اور ہم نشینون کے انتخاب مین احتیاط سے نہین کام لیا جاتا - حالانکہ اصلی اُستاد - حقیقی معلم - اپنے رنگ مین رنگنے والے - اور اپنا سا بنانے والے یہی جلیس و ہم نشین ہین - امراے قوم کے بگڑنے اور انتہا درجہ کی بداخلاقیون مین مبتلا ہونے کا باعث یہی ہے کہ استاد و معلم سب اچھے تھے مگر جلیس خراب و ناکارہ - اور ہم نشین بدوضع و بداطوار تھے -

نوعمرون پر منحصر نہین - سن رسیدہ اور خود مختار امرا کی ابتدائی بدوضعی اور آخری تباہی کا عام سبب بھی یہی رفیق و ہم نشین ہین - اہل زمانہ ہمیشہ سے امرا اور دولت مندون کی شکایت کرتے چلے آئے ہین - اُن کی خرابیون کا اگر آپ پتہ لگا سکین تو آخر مین یہی تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمنشین اچھے نہ تھے - اور اُن مین جن چند کے ہم نشین و مصاحب اچھے تھے اُنھون نے دین و دنیا کی ایسی خدمت کی جو ہمیشہ یادگار رہے گی اور اُن کا نام رہتی دنیا تک لوح زمانہ پر ثبت رہے گا -

جلوۂ جانان

حسرت دید ہی ہے دونوں جگہ گشتان دلکو در رقیب پہ رات کو کوئی یار ہین

رات کے پہلے پہر کا پہلا گھنٹہ ختم ہو چکا ہے آسمانی بیشمار منور قندیلین نورانی ہو چکی ہین لیکن یہ قدرتی چراغ چودھوین رات کے پورے چاند کے درخشان پرتو سے کسیقدر بے رونقی کا عالم دکھا رہے ہین - بہار کی رات کے صاف اور نورانی ماہتاب کے گرد والے ستارون کا جھمکا اُن موتیون کے ہار کا جو کسی خوش نصیب کے گستاخ ہاتھون سے ایک چاند کے ٹکڑے کے سینے پر ٹوٹ کر بکھر گیا ہو دھوکا دیرہا ہے روشن رات کا منور عالم قابل دید ہے -

ہم اپنے معزز ناظرین کو یہ روشن اور دلربا منظر بمبئی کی اُس عالیشان فلک نما عمارت کی چھت پر سے (جو شہر کے مشرقی شمالی کنارے مین واقع ہے اور جہان سے سمندر کا فرحت خیز سین قریب تر پیش نظر ہے) دکھانا چاہتے ہین -

یہ تین منزل کی خوبصورت عمارت اسوقت چاند کی شفاف روشنی مین اصلیت سے زیادہ خوبصورت معلوم ہو رہی ہے - مکان کی شان و شوکت اور ساز و سامان پر نگاہ ڈالنے سے مکان پر الہ دین والی طلسمی محلسرا کا حق بجانب گمان ہوتا ہے - ہم سجے ہوئے فردوس پیکر کمرون کو طے کرنا بیحد مشکل سمجھکر صرف چھت کے نظارے پر قناعت کرتے ہین -

کھلی ہوئی وسیع چھت دلکش چاندنی مین بہشت کا صحن معلوم ہو رہی ہے ہلکی ہلکی چینیائی کرسیان پڑی ہین خوبصورت گملون مین پھولدار درخت اپنی نفاست اور رعنائی پر دلربا انداز سے نازان ہین - ہمارے سین کی مشرقی حد وسیع سمندر سے محدود ہے جو اسوقت چاند کی خوشنما روشنی مین پارے کے دریا کا عالم دکھا رہا ہے - رات کی ٹھنڈی ہوا کی تحریک سے وقتاً فوقتاً چمکدار موجین تلوار بنکر اُٹھتی ہین اور پھر ہماری نگاہ سے غائب ہو جاتی ہین - بڑے بڑے اسٹیمر اور اُن کی روشنی ہماری آنکھون کے سامنے ہے لیکن زیادہ

فاصلہ کی وجہ سے ہم اُنکی زیبائش کی داد نہیں دے سکتے۔ گرد کی آبادی میں جانے بلند مکان کا پائین باغ معلوم ہو رہی ہے۔ مکانات کی روشنی۔ اُن کی چہل پہل ہماری نگاہوں کو اپنی طرف مخاطب کرنے کے لیے ناکافی ہیئت سے لیکن چوڑی سڑک پر آنے جانے والی گاڑیوں کی روشنی ٹوٹتے ہوئے ستاروں کی بہار دکھا کر ہم کو حیران کیے ہے ہم رات کے کھانے کی گھنٹی کی آواز سن کر اس قدرتی دلربا سین کو اسی حالت میں چھوڑ کر اپنے کمرے میں جانا چاہتے ہیں۔ بڑے ہال کو جو موجودہ زمانے کی اعلےٰ آرائشوں کا مخزن ہو رہا ہے طے کرتے ہوئے ایک جان لیوا منظر پیش نظر ہوتا ہے۔ آہ! دنیا میں ایسا جلوہ دیکھ کر انسان کو پھر کچھ نہ دیکھنا چاہیے ہماری طرح ہمارا قاتل بھی گھنٹی کی آواز سن کر ڈائننگ روم کو جا رہا ہے غارتگر جمال پر آنکھ پڑتے ہی ہم نے تو کلیجہ پکڑ کر تھام لیا لیکن بیقرار دل چپکے چپکے کہنے لگا۔ آتش ؎

خدا مرے ترے سودا سے تیری زلف پیچاں کا — جو آنکھیں مست تو نظارہ ہو الٰہی سنبلستاں کا

اللہ اللہ عالم فریب حسن روز افزوں ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے۔ قد اور اُسکی رعنائی ہماری حسرت کے دریا کی طرح بڑھ رہی ہے آج لمبے خمدار گیسو متعدد چوٹیوں میں بڑے احتیاط سے گوندھے گئے ہیں لیکن پھر بھی یہ ظالم ہمارے آرائش پسند نازنین کے بس کے نہیں ہیں۔ کبھی گورے گالوں پر لہراتے ہیں اور کبھی اُبھرے ہوئے سینے پر بڑے پیار سے بل کھاتے ہیں۔ زلفوں کے سیاہ خوبصورت اور شاندار سلسلے پر نگاہ ڈالنے والی کی آنکھوں میں زمانہ کیوں نہ تاریک ہو۔

آتش ؎

کم نہیں کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ
دیکھ لے طاؤس کافر کو تو چلانے لگے

روشن پیشانی چاند کے بیداغ ٹکڑے سے چمک اور صفائی میں کہیں زیادہ ہے نہیں نہیں ہماری رائے غلطی پر ہے چاند کو ہمارے چاند کی پیشانی سے کوئی نسبت نہیں ہے بلکہ اُس کے تلوے چاند سے کہیں زیادہ صاف ہیں ہائے اتنا کون کہے۔ داغ ؎

یا دکھا دو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا — یا یہ کہہ دو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

قاتل تری آنکھیں شوخی اور شباب کی مستی سے بھری ہیں ہماری پُرشوق نگاہ ان لبریز ساغروں پر قربان ہوئی جاتی ہے اور بے پیے شراب کا سرور ہمارے دل کو مست کیے ہے - جگر ؎

عالم نظر میں ہے تری مست شباب کا
رہتا ہے بے پیے مجھے نشہ شراب کا

تیرے سیدائے اور نور شباب سے منور رخسار حسن میں چاندنی کے پھول ہیں شیشہ ساعترین ایسا کوئی دل نہیں جو بلبل کی طرح ان کی محبت میں ہر وقت فریاد نہ کرتا ہو - گلاب کے پھول کو تیرے مقابلے تقصیر اور نازک رنگ پر بڑا ناز ہے کاش ہمارے رنگین اداؤں حسین کے خوشرنگ رخساروں سے کسی دن سامنا ہو جائے اور ہم چپ چاپ کانوں کہیں -

گل عنادل کو مبارک ہیں گلزار رنگین
جگر ؎
ہے وہی رنگ جو ہی ہو ترے رخساروں میں

پتلے نازک اور سرخی مائل ہونٹ اس دلربا تبسم سے پھیر جھاڑ کر رہے ہیں جسے بے قرار دل پر بجلی گرانے کا پورا اختیار حاصل ہے - خدا کے واسطے اس برق تبسم کو جلد چمک کر ہمارا کام تمام کر دے تاکہ ہمیں اتنا کہنے کا موقع ملے - داغ ؎

مسکرائے مرے لاشے پہ وہ منہ پھیر کے داغ
حشر تک یاد رہے گا یہ تبسم مجھ کو

او مسکرا کر ہماری طرف سے منہ پھیر لینے والے کیا واقعی ہماری جان لینے کی دل میں ٹھان لی - کیا اس جانستان ادا پر ہم قربان ہو جائیں -

آہ! او بے مروت خود تیری ترچھی ترچھی قاتل نگاہیں اس بات کی گواہی دے رہی ہیں - آتش ؎

آنکھ تو نے جس سے پھیری دم فنا اس کا ہوا
مردے کے آثار زندے میں نظر آنے لگے

صرف دو منٹ کی جلوہ آرائی کے بعد ہی ہمارا دل افروز چاند برج خلوت مین چھپ جاتا ہے اور ہم چودھوین رات کے چاند کیطرف دیکھ دیکھ کر کمال حسرت و ناکامی کے عالم مین اپنے کمرے کی دیوارون سے سر ٹکراتے ہین اور رہ گئے ہین - ؎

چاند سے منھ کو ترے یاد کیا کرتے ہین
شب مہتاب مین فریاد کیا کرتے ہین

آہ! اے قاتل حسین اپنے مشتاق شہادت کو قتل کرنے آنا اور پھر یون منھ پھیر کے چلے جانا انصاف کے خلاف ہے - ؎

رفتن بزیر تیغ و نہ مردن گناہ من
بردن بزیر تیغ و نکشتن گناہ کیست

راقم جگر - مالک جگر کمپنی لکھنؤ -

سب کے عوض دیگر خدمات و مہموں کی طرف مصروف کر دیا اور افسوس کہ ایسے اکسیر صفت ہیں بار پر شوکت ابد کبھی ان اولوالعزم نوعمری کی آرزو بر آئی

یہ شخص مختلف قسم کے مشاغل میں پھنس گیا عزت و دولت حاصل کی بڑے بڑے لوگوں سے تعلقات پیدا کیے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے پا کے معزز و ممتاز رہا مگر کسی تک وہ وقت نہیں آنے پایا تھا کہ اس کا نام خاص عزت سے ... گیا اس کی عزت ... بڑی موقع جس کے لیے ... گیا مگر جس کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ اس نے لکھنؤ کو شاہی سے ... اور اس کی بنیاد پہ ہمیں ضرورت لاحق ہوئی ہے کہ ... وقت کو پلٹ کے ... میں ... اور رہا وہیں کہ یہ نام رہتی دنیا تک قائم رہنے والا ہے

آخر وہ وقت بھی گیا برٹش سلطنت ... بقول ... سلطنت نے ساتھ دوپہر سلطنت لکھنؤ ... آنکھوں پہ بہت ہما مدت باتے دور کے عجیب ... وحشتیں ... سے جو گئے لیکن ہنوز آنکھوں میں ... رہے تھے اور تین دن ... ہونے پائے تھے کہ ۱۸۵۷ء کی قیامت صغریٰ برپا ہوئی بڑے بڑے دو ہندوؤں کی دولتیں لٹیں بڑے بڑے ... ان کی نخوتیں خاک میں مل گئیں ... مہمان ... جیسے سعدی شیرازی سوز و گداز کے ساتھ ان اشعار میں دکھا گئے ہیں ؎

روزے افتاد فتنہ در شام   ہر کس از گوشۂ فرا رفتند
پسران وزیر ناقص عقل   بگدائی بہ روستا رفتند
روستا زادگان دانشمند   بوزیری بہ پادشا رفتند

ایک بڑے پر شور طوفان کے بعد ہوا تھمی تو نظر آیا کہ حکومت کی باگ ایک دوسری قوم اور دوسرے مذہب والوں کے ہاتھ میں ہے۔ اور اب ہماری قسمت کے مالک ایسے لوگ ہیں جن کی نظر میں ادنیٰ و اعلیٰ۔ امیر و غریب۔ رئیس و رعیت شاہزادے اور گدا زادے۔ شہری و دیہاتی۔ ہندو اور مسلمان سب ایک درجے پر ہیں۔ قومی و مذہبی مغایرت اور جداگانہ معاشرت کی وجہ سے وہ قوم ہمارے خیالات و جذبات اور ہمارے مذاق و عادات کو سمجھ ہی نہیں سکتی اور اس

ناواقفیت پر مبنی تھی کہ گزشتہ غدر نے اُسے تمام اہلِ وطن سے بدظن بنا دیا تھا۔ ہر ہندوستانی کو وہ باغی تصور کرتی۔ اور ایک ایک کے ساتھ اُسے تعصب تھا۔ صاف نظر آنے لگا کہ اگر حاکم و محکوم میں اجنبیت کے دور ہونے کا کوئی ذریعہ پیدا نہ ہوا۔ تو سارا شہر تباہ اور ساری قوم پامال ہو جائے گی۔

اور واقعی ان دنوں سارے ملک اور شہر کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ اگلا ستم رسیدہ بادشاہ غریب الوطنی میں مبتلا تھا اور کلکتے میں دریائے بھاگیرتھی کے کنارے بیٹھا اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔ غدر کی طوائف الملوکی میں جس نابالغ بچے کو باغیوں نے زبردستی تاجِ شاہی پہنایا تھا اُس نے بداقبالی کا ہولناک منظر دیکھا اور بھاگ کے کوہستانِ ہمالیہ کی گھاٹیوں اور نیپال کی قلمرو میں جان بچائی۔ چند شاہزادے اور نواب زادے جو اس اُجڑی بستی میں باقی تھے وہ خانہ نشین ہو گئے تھے کہ جن گلیوں میں کل شاہی وقار کے ساتھ نکلتے تھے آج اُنھیں میں محکوم ہو کے کیونکر نکلیں۔ اِسی قسم کا خیال دیگر اُمرا میں بھی تھا کہ جب باہر نکلنے کی وہ شان و شوکت اور آن بان ہی نہ رہی تو کیا منہ لے کے گھر سے باہر نکلیں۔ رہے متوسط اور ادنےٰ درجے کے اہلِ شہر ان کی یہ حالت تھی کہ انگریزوں کے نام سے ڈرتے تھے اُن کے پاس جانا اور اُن سے ملنا جلنا تو بڑی بات تھی۔ بہرحال سارے شہر میں کوئی نہ تھا جو رعایا کا وکیل بن کے حکام کے پاس جاتا۔ اور حکومت و رعایا کے درمیان واسطہ بنتا۔

ایسے نازک وقت اور ایسی خطرناک حالت میں اس دیہاتی شخص نے جی مضبوط کر کے دل میں کہا کہ "اب ملک کی خیرخواہی یہ نہیں ہے کہ لوگوں میں ایسے خیالات پھیلائے جائیں جو انگریزوں اور موجودہ حاکموں کے خلاف اور رعایا کے دل میں بجائے اُنس و اُلفت کے نفرت و وحشت پیدا کرنے والے ہوں بلکہ اب اصلی خیراندیشی اور دوستی یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے لوگوں کو انگریزوں سے مانوس بنایا جائے۔ اور آمادہ کیا جائے کہ سب لوگ جدید حکومت کے ساتھ اطاعت و وفاداری کا برتاؤ کریں"۔ دوسری طرف اُس نے خیال کیا کہ اگرچہ فی الحال انگریزوں کے دل میں غدر کے واقعات کا سخت غصہ بھرا ہو

سے نفاق کی آگ بھڑک رہی ہے۔ اور ہندوستانیوں کا اپنا بھی خیرخواہ نہیں
خیال کرتے۔ مگر ان سے دل کے تعلقات پیدا کرنا چاہیے تاکہ رعایا بھی ان کو اپنا
دیکھنا چاہتا ہے۔ اور رعایا کی طرف سے اُن کے دل صاف ہوں۔

ان خیالات کے دل میں آتے ہی وہ ہمت کے قدموں سے اٹھا اور نئے
اپنی جان خطرے میں ڈال کے اس سچی ملکی خدمت کو صدق دل سے ادا کرنا شروع
کیا۔ حکام سے بھی ملا۔ اور صاحب نے اہل شہر سے بھی۔ انھیں ان کی حرکت سے
نفرت کیا۔ اور ان کو ان سے ملایا۔ اور ان کا جو ادھر وفادار بنایا۔ یہ اس نے شہر
سے نہ اہل شہر کو گویا گزرا۔ اور سمجھا کہ ایسے نازک وقتوں میں ہمیشہ جو
ارباب علم اور اہل امن ہوں اس کی طرف سے بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ طرح طرح کے
سے الزام دیئے گئے۔ صدہا بے بنیاد افواہیں اس کی نسبت شہر میں اڑائی گئیں۔ اور
اس کی ذات پر صدہا حملے کیے گئے۔ مگر نیک دلوں نے ان کمزور حملوں کی اس نے
ذرہ بھی پروا نہ کی۔ بلکہ معاملہ کی بے مثال نفرت سے جو سچی لگن اسے تھی اس کا جوش
اور بھی بڑھتا گیا۔ آخر اس کے نام کی شہرت ہونے لگی۔ اور سارے شہر میں
وہ ایک زبردست لیڈر بن گیا۔

الغرض ان خیراندیشی کی کارروائیوں اور سچی ہی خواہی ملک و قوم نے
تھوڑے ہی زمانے میں یہ کرشمہ دکھایا کہ شہر کے تمام رؤسا و امرا
نوابزادوں اور شاہزادوں کے نام دھبے دھبے مٹ گئے۔ اور بڑے بڑے
معزز خاندانوں پر زمانے نے گمنامی و زوال کا پردہ ڈال دیا۔ مگر وہ
غریب الوطن دیہاتی جو کبھی بظاہر نوعمری و ناتجربہ کاری کے تقاضے سے
وارد شہر ہوا تھا اور آوارہ گرد لوگوں کی طرح گلی کوچوں کی خاک چھانتا پھرتا تھا
وہی شہر کا سب سے بڑا رئیس۔ گورنمنٹ کا سب سے بڑا خیرخواہ۔ رعایا کا
سب سے بڑا دوست اور مذہب کا سب سے بڑا حامی تھا۔ اور جدھر دیکھیے اور
جس زبان سے سنیے آغا علی خان عرف آغائی صاحب ہی کا نام سنا جاتا تھا
جنھوں نے گالیاں دی تھیں وہی اب اس کے حسن وطن کے آگے سر جھکائے کھڑے تھے۔ جنھوں نے بدنام کیا تھا وہی سامنے خوشامدیں کرتے تھے۔

اور آنکھوں سے نظر آ رہا تھا کہ سچائی اور راست بازی کی کس طرح فتح ہوتی ہے اور بھلائی کیونکر انسان کے کام آتی ہے۔

اب اس اولوالعزم شخص اور اپنے وطن کے اس سچے خیر اندیش بلکہ بچانے والے کو ہم نے پبلک کے سٹیج پر لا کے کھڑا کر دیا اور اسے اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیا ہے تو ہمیں اس کے مفصل حالات بھی بتانے چاہییں لہٰذا آئندہ باب سے ہم اس کے حالات زندگی شروع کرتے ہیں جن سے ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اولوالعزم لوگ اپنے لیے ترقی کا راستہ کس طرح ڈھونڈھ لیا کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خود اپنی ذات سے بنے ہوئے ہوتے ہیں کیسے ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ معلوم ہوگا کہ اصلی بہی خواہی ملک و قوم کیا ہے اور ملک کی کون سی غایتیں سچی خدمتیں ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

خاندان و وطن

مہاجران عرب کے بعد جب شجاعان ترک و تاتار نے اپنی سپہگری و جوانمردی کا جوہر دکھانا شروع کیا اور دنیا کو زیر و زبر کر کے ہر جگہ اپنی دھاک بٹھا دی تو دیگر ممالک ارض کی طرح ہندوستان میں بھی ان کی ایک زبردست اور متمدن سلطنت قائم ہو گئی جو دربار مغلیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اگلے مسلمان فاتح زیادہ تر فتح کرنے اور مفتوح قوم کو اپنا مطیع و منقاد بنانے میں مصروف رہتے تھے۔ مگر اب اس متمدن شہنشاہی کے دور میں ایران و ترکستان کے لوگ یہاں آ آ کے بستے اور آباد ہونے لگے۔ اور ہندوستان کے بلاد و قصبات بجائے مسلمانوں کی نوآبادیاں ہونے کے ان کے مسکن و مامن اور مولد و موطن بننے لگے۔ ہندوستان کی مغربی سڑکیں اولوالعزم اور بلند حوصلہ نوواردوں کے قافلوں سے ہر وقت بھری نظر آتی تھیں۔ جو دربار میں حاضری دے کے عزت و قدر حاصل کرتے اپنا ہنر و کمال دکھا کے انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے۔ کسی اچھے سواد کو پسند

دیتے یہان جاگیرین اور معافیان پاتے۔ پھر اپنے علاقون مین جاکے آباد ہوتے
۔ چند روز مین ولایتی سے دیسی اور ترکی و ایرانی سے ہندوستانی
بن جاتے تھے۔

انھین نو واردون مین وسط ایشیا کے ایک اولوالعزم خاندانی سپہگر مرزا
محمد نعیم خان تھے جو غالباً جن مین ذرائع معیشت تنگ اور دور دورانی وبہبودی
کی کساد بازاری دیکھ کے جنوب و مشرق کی طرف چل کھڑے ہوے تھے۔ وہ ہندوستانیون
کے قدردان اور جوہر شناس دربار مین پہونچے یہ بہادر مغل مغلون غالب بارہوین
صدی کے نصف اول مین وارد دہلی ہوا تھا۔ یہان کے دربار معلیہ کو ان نو ن
تازہ ولایت ترکی نژاد سپاہیون کی بے انتہا ضرورت تھی کیونکہ ۱۱۱۸ھ مین
شہنشاہ اورنگ زیب غازی کے ناعاقبت اندیش بیٹون معظم شاہ و اعظم شاہ
کی باہمی جنگ دیکھ کر انھون نے قریب قریب تمام نامی گرامی جوانمردون اور کارآزمودہ
بہادرون کا خاتمہ کر دیا تھا جس کے باعث سلطنت کمزور ہو رہی تھی اور تاج و
تخت شاہی نازک و خطرناک حالت مین تھے۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ نیا اریکہ آرائے
سلطنت محمد معظم الملقب بہ بہادر شاہ ضرورت سے زیادہ رحمدل بلکہ پست
حوصلہ اور دل کا کمزور تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر غازی کو خدا نے
جیسا بلند حوصلہ و اولوالعزم اور منتظم و مدبر پیدا کیا تھا ویسا ہی اس کا یہ مہین پور
خلافت پست حوصلہ و قاصر ہمت اور باغیون سے درگزر کرنے بلکہ ڈرنے والا
تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت کو کمزور اور وارث تاج تیموری کو پست حوصلہ دیکھ کے
مخالفون اور سرکشون نے ہر طرف سر اٹھایا۔ ایک طرف عالمگیری عہد کے پہاڑی
چوہے یعنی مرہٹے پہاڑون سے نکل کے سرسبز و شاداب ملک کو تباہ و پامال
کرنے لگے۔ اور دوسری طرف سکھون نے ممالک پنجاب مین زور پکڑنا
شروع کیا۔

خلاصہ یہ کہ گو میان سپاہی کی ہمیشہ قدر ہوتی آئی تھی مگر مذکورۂ بالا اسباب
کی بنا پر ہندوستان ایک کارآزمودہ شمشیر زن اور جانباز سپاہی کا کبھی
اتنا محتاج نہ تھا جتنا کہ ان دنون تھا۔ ایسے نازک دور مین مرزا محمد نعیم خان

کے ایسے شور ما سپاہی اور بانکے ترچھے جوان کا ادھر آنکلنا منجملہ مغتنمات سمجھا گیا۔ قدر دان وجوہر شناس دربار نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور آتے ہی ایک معزز فوجی عہدے پر ممتاز ہو گئے۔

اس زمانے مین دہلی کا تیموری دربار ایسی متنزلزل حالت مین تھا کہ روز جھگڑے فساد پیدا ہوتے تھے۔ اور اس لیے انہی کے عہد مین سپاہی کو جوہر شجاعت دکھانے کا ہر وقت موقع مل سکتا تھا۔ مرزا محمد نعیم نے چند ہی روز مین ایسا نام پیدا کر لیا کہ دربار کو اُن کی طرف خاص توجہ ہو گئی اور بیس پچیس برس بعد وہی نہین اُن کے جوان ہمت صاحبزادے مرزا محمد مقیم بھی دہلی کے ایک نامی رسالدار تھے جنھین ایک ہزار سوارون کی سرداری کا خلعت عطا ہوا تھا۔

اوراق تاریخ پر نظر ڈالنے سے نظر آسکتا ہے کہ ان بہادرون نے اُس دور مین کیسے کیسے زبردست سرکے اور عبرت انگیز واقعات دیکھے ہونگے اور کن نامی گرامی سپاہیون مین داد شجاعت دی ہو گی۔ ۱۱۵۱ھ کی وہ ہوش رُبا گھڑی جب نادر شاہ وارد ہند ہوا ہے۔ اور اُس کے ناخداترس مغلون نے قتل عام کے لیے دہلی کے گلی کوچون مین بے رحمی سے تلوارین بلند کی ہین ان جان نثار سلطنت باپ بیٹون کو زندگی بھر یاد رہی ہو گی۔ اور اُس کے ۲۲ برس بعد جب ۱۱۷۴ھ مین پانی پت کا مشہور روزگار میدان گرم ہوا ہے اور احمد شاہ دُرانی کے ہاتھ سے مرہٹون کی زبردست قوت ایک ہی دن مین پامال ہو گئی ہے اور تقریباً دولاکھ مرہٹہ کھیت رہا ہے تو اُس میدان مین بھی مرزا محمد مقیم کی تلوار نے یقیناً اپنا جوہر دکھایا ہو گا۔ کیونکہ یہ لڑائی اُسی سلطنت اور اُسی خاندان شاہی کی حفاظت کے لیے تھی جس کے ساتھ اُن کے والد اور خود اُنھون نے عہد وفا کیا تھا۔ اور جس کی حمایت مین جان سے بھی دریغ نہ کرنا اُن کا فرض تھا۔

غالباً اُنھین وفادارانہ جان فشانیون کی یہ قدردانی ہوئی کہ مرزا محمد مقیم خان کے صاحبزادے مرزا غلام محمد خان بھی وارث تاج تیموری

کے اُردوئے خاص مین ۵۰۰ سوارون کے افسر مامور ہوئے۔

اب دہلی کا رنگ بالکل بگڑ گیا تھا۔ چغتائی دیہیم و سریر کے وارث کا دربار کسی وظیفہ خوار رئیس کے دربار سے زیادہ وقعت نہ رکھتا تھا۔ اور اس کمزوری پر بھی یہ حالت تھی کہ بادشاہ اُمراے دولت کے ہاتھ کا کھلونا تھا۔ اس کے مقابل حکمرانان اودھ کا دربار روز بروز چمکتا جاتا تھا۔ یہان ایسی قدردانی و فیض رسانی ہوتی تھی اور دولت کی ایسی گنگا بہ رہی تھی کہ باکمالان دہلی کا رُخ اسی سرزمین کی طرف پھر گیا۔ اور نے وارثان سیف و اہل قلم جس نے قدم اُٹھایا ادھر ہی آ کے دم لیا۔ اور جس طرح ایک عہد میں بیشتر ملک پنجاب کی سڑک جو کابل سے دہلی کو آئی ہے، باکمالان ترکستان و عجم کے قافلون سے بھری رہتی تھی اُسی طرح اب وہ سڑک جو دہلی سے لکھنؤ کو آئی ہے باکمالان دہلی کے قافلون سے بھری نظر آنے لگی۔ کبھی اُس پر میر و سودا کے ایسے شعرا سفر کرتے دکھائی دیتے تھے۔ کبھی مولوی محمد اسمٰعیل کے ایسے علما و فضلا۔ اور کبھی مرزا بیگ خان اور ایلچ خان کے ایسے نامور سپاہی۔

آخر دہلی کے دیگر اہل کمال کی طرح مرزا غلام محمد خان کے بھی دل مین آئی کہ دربار دہلی کو چھوڑ کے نئے دربار اودھ مین قسمت آزمائی کرین۔ جہان کی قدردانی و جوہر شناسی اور سرفرازی و ذرہ نوازی کی دھوم ہو رہی ہے گو بگڑے درباروں کی درباداری اور اکثر اُمرا و رؤسا کی بے نظیر حالت نے حوصلہ پست کر دیا تھا اور جی یہی چاہتا تھا کہ کسی گوشۂ عافیت مین بیٹھ کے باقی زندگی امن و فراغ بالی مین بسر کر دین مگر اُمیدون نے حوصلہ افزائی کی اور مشرق کی طرف چل کھڑے ہوئے۔

اُن کے اس سفر کا زمانہ بقیاس غالب احمد شاہ دُرانی کے معرکۂ پانی پت سے دس ہی بارہ برس بعد تھا۔ جب کہ اودھ کا مرکز سلطنت لکھنؤ نہین فیض آباد تھا۔ اور نواب شجاع الدولہ بہادر کا آخری عہد تھا۔ بکسر کی لڑائی نے جو معرکۂ پانی پت کے تین ہی سال بعد ہوئی تھی نواب شجاع الدولہ کا حوصلہ اس قدر پست کر دیا تھا کہ اب انھین سرحدی علاقون کی طرف

جانے کی بہت کم ہمت ہوتی تھی - اکثر لکھنؤ مین قیام کرتے تھے - کیونکہ یہ شہر اُن کی قلمرو کے زیادہ وسط مین واقع ہوا تھا - مگر مستقر حکومت ابھی تک فیض آباد ہی تھا۔

مرزا غلام محمد خان جب وارد لکھنؤ ہوئے ہین تو نواب شجاع الدولہ غالباً فیض آباد مین تھے - جس کے باعث بجاے لکھنؤ مین اقامت گزین ہونے کے انھون نے فیض آباد کا ارادہ کیا - دو تین دن کے سفر مین ۵۰ میل کی مسافت طے کی تھی - اور فیض آباد ابھی ۲۳ میل باقی تھا کہ قصبۂ رُدولی مین گزر ہوا جہان مسلمان شرفا کثرت سے آباد تھے - مخدوم شاہ عبدالحق قدس سرہ العزیز کے مزار اور نیز زہرہ بی بی کے ایک فرضی مزار نے اس قصبے کو دور دراز کے مقامات کا اسلامی مرکز بنا رکھا تھا - اور جو لوگ تھے مذہبی عنصر کے غالب ہونے کے باعث اُس عہد کی سوسائٹی سے موافق ایک اچھی اور بے لوث دینیدارانہ زندگی بسر کرنے والے تھے - اکثر شرفا کے قبضے مین تھوڑی بہت زمین تھی جس کی بدولت سب کے سب کمال اطمینان و فارغ البالی سے قناعت و عافیت کی خاموش و بے ضرر زندگی بسر کر رہے تھے -

مرزا غلام محمد خان کو یہ زندگی نہایت پسند آئی - دربار داری اور جھوٹی سچی خوشامد سے اُن کا دل پہلے ہی متنفر ہو چکا تھا اور جن اگلے دربارون کو اپنی آنکھون سے دیکھ چکے تھے اُن کے مقابل موجودہ دربارون کی اُن کے دل مین کچھ وقعت نہ تھی اِس قصبہ کی حالت دیکھتے ہی یکایک کچھ ایسے خیالات پلٹے کہ جس طرح دہلی کو خیرباد کہی تھی اسی طرح فیض آباد کو بھی دور ہی سے سلام کیا - اور جو کچھ سرمایہ پاس تھا اُس سے تھوڑی بہت اراضی حاصل کر کے رُدولی کا گوشۂ عافیت اختیار کر لیا -

اودھ گزیٹیر کے دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رُدولی ایک بہت ہی پرانا قصبہ ہے اور مختلف زمانے اور دگرگونی عالم کے اکثر کرشمے دیکھ چکا ہے - اجودھیا کی قربت یقین دلاتی ہے کہ سورج بنسی خاندان کے دور اور خاصۃً راجہ رام چندر جی کے زمانے مین یہ علاقہ خوب آباد و بارونق ہوگا - جب ہندوؤن کے اُس محترم خاندان کا زوال ہوا تو اکثر مُنی اور رشی اور اصول و دیانت کے بڑے بڑے مرتاض لوگ

آس پاس کے تمام جنگلون مین رہ پڑے - اور سارا علاقہ اُن تارک الدنیا عُزلت نشینون کے آشرمون سے بھرا ہوا تھا- چند روز بعد بھر لوگون نے اُس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا- یہ قوم جو بھر کے لقب سے مشہور ہے ایک پرانی غیر آریاء ہندوستان کی اصلی قوم بتائی جاتی ہے جس نے آریہ لوگون کو کم زور پا کے چھیڑ دو پکڑ لیا تھا اسی قوم بھر مین سے رُدّو رُل نام ایک سردار تھا جو اس قصبے کا بانی خیال کیا جاتا ہے - اور اپنے ہی نام کی مناسبت سے اس کا نام اُس نے رُدولی رکھ دیا تھا-

پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آیا کہ راجپوتون کا اقبال دوبارہ چمکا جو بھر لوگون کو مغلوب و مقہور کر کے اس قصبے اور اُس کے مضافات پر قابض ہو گئے آخر اسلام کا علم اقبال بلند ہوا- اور ردولی کے قرب و جوار مین سپہ سالار مسعود غازی کا مشہور حملہ ہوا۔ مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ اُن کے حملے کا ردولی پر بھی کچھ اثر ہوا تھا یا نہین مگر تقریباً سنہ ھ مین جب علاء الدین خلجی کے نبرد آزماؤن اور صف شکن بہادرون نے راجپوتون کی ریاست ہائے انہلواڑہ- چتور- دیوگیر- مندور- جیسلمیر اور بوندی وغیرہ کو پامال کیا تو یہان کے راجپوتون کو بھی مغلوب کر کے اس تمام علاقے پر قبضہ کر لیا- غرض اُسی وقت سے یہان مسلمانون کا قدم جما-

اس کے ایک صدی بعد جب جونپور کے مشرقی فرمان روائون اور دہلی کے مسلمان تاجدارون نے ایک دوسرے کے مقابل میدان جنگ گرم کیا ہے تو یہ علاقہ گو شرقی سلاطین کے قبضے مین تھا مگر ایک مدت تک دونون حریفون کی فوجون کی جولانگاہ بنا رہا-

انھین شرقیین مین سے سلطان محمود شرقی کا زمانہ تھا کہ ردولی کے مسلمانون مین ایک بڑا بھاری ہنگامہ ہوا جو اس وقت تک یادگار رہے - اور جس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن دنون اس قصبہ اور اس کے قرب و جوار مین مسلمانون کا کس قدر اثر تھا- وہ واقعہ یہ ہے کہ موجودہ تعلقدار ردولی کے مورث اعلے محمد صالح اور سالار محلہ کے رؤسا حسن رضا اور دیگر مسلمانون مین کسی وجہ سے عداوت و مخالفت پیدا ہو گئی- اُن دنون یہان کا والی تاتار خان نام ایک شخص تھا جو محمد صالح کا

شاگرد یا مُرید تھا۔ محمد صالح نے تاتار خان کو اپنی مدد پر بُلا کے ۸۴۶ھ میں سالار محلہ والو
پر حملہ کر دیا۔ یہ لوگ بھی مسلح ہو کے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مقابلے کو نکلے۔ سخت لڑائی
ہوئی۔ آخر والی ملک کی مدد نے سالار محلہ والون کو شکست دی۔ اُن کے بہت سے
لوگ نذر اجل ہو کے شہیدون کی فہرست مین داخل ہوئے۔ جن کے مزار سالار محلہ
مین اس وقت تک موجود ہین۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آج سے تقریباً
پانچ صدی پیشتر ردولی مین مسلمان محض تازہ وارد لوگون کی حیثیت سے نہین آباد
تھے بلکہ اُن کے محلہ بسے ہوئے تھے۔ اور ایک دوسرے کے مقابلے کے
لیے اُن مین گروہ بندی تھی۔

آخر ۸۸۱ھ مین دہلی کے سلطان بہلول لودی نے دولت شرقیین کا خاتمہ
کر دیا۔ مگر شرقی سلطنت کے زوال کے ۵۱ برس بعد ہی بابر کے ہاتھ سے پانی پت کے
خون آشام میدان مین ابراہیم لودی کے ساتھ لودی سلطنت کا بھی خاتمہ ہو گیا
اور دولت مغلیہ کا آغاز ہوا۔ معلوم ہوتا ہے کہ شرقی سلطنت کے خاتمے کے زمانے
سے اس وقت تک ملک اودھ کو تخت و تاج دہلی سے کوئی تعلق نہ تھا اور بعض
افغان سردار خود روطور پہ یہان کے حاکم ہو گئے تھے۔ جن مین سے باین نام ایک
سرکش افغان نے اطاعت سے قطعاً انحراف کیا۔ اور بابر کو شہنشاہی سند حاصل
کرنے کے تیسرے ہی برس ۹۳۴ھ مین اودھ کا سفر کرنا پڑا۔ دریاے گنگا کے
کنارے افغانون نے مقابلہ کیا۔ مگر بابر پُل باندھ کے پار اتر آیا۔ اور باین کو شکست
دی۔ اور گھاگرا کے کنارے تک اُس کا تعاقب کرتا چلا گیا۔ اس طرح ردولی
اور اُس کے علاقے پر خود بابر نے بذات خود حملہ کر کے قبضہ کیا۔

لیکن پھر بھی اس سے انکار نہین کیا جا سکتا کہ مغلیہ خاندان اپنے عروج
کے اس ابتدائی زمانے مین اس علاقے پر اپنا قبضہ قائم نہین رہ سکا۔ اور کچھ
ایسے اتفاقات پیش آئے کہ اُدھر بنگالے کی افغانی سلطنت پٹنہ اور بہار
سے آگے نہ بڑھ سکی اِدھر دولت مغلیہ بھی دو دعویداران سلطنت کے جھگڑون
مین ایسی پھنسی کہ اودھ کی طرف سے بالکل غافل ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جو مسلمان ردولی
مین آ کے آباد ہو گئے تھے اُن کی قوت کمزور ہو گئی۔ اور سارے علاقے پر

چوہان اور بیس راجپوتون کا قبضہ ہو گیا جنھین شہنشاہ اکبر نے ۹۸۱ھ مین اپنا مطیع و منقاد بنایا۔ اکبر کے بندوبست کی رو سے ردولی ایک باقوت پرگنہ قرار پایا جس کا خراج مذکورہ بالا راجپوتون کے ذمہ ۴۸۶۸۰۳۲ کی معتدبہ رقم مشخص ہوا۔ یہ محصول اس پرگنہ کی ۳۵۱۵۳۳ بیگھہ زمین پر تھا۔ اس خراج کے علاوہ راجپوتان مذکور پچاس سوار اور دو ہزار پیدل فوج رکھنے کے بھی پابند کیے گئے تھے۔

اس کے بعد اگرچہ ہندوؤن کی زمینداری سلطنت کی طرف سے برقرار رکھی گئی تھی مگر کچھ ایسے اسباب پیش آتے گئے کہ اس تعلقہ مین مسلمانون کی قوت روز بروز بڑھتی ہی رہی۔ جس کے ظاہری اسباب یہ معلوم ہوتے ہین کہ (اول) تو یہان مسلمان ولیون کے دو مزار مدت ہائے دراز سے قائم تھے۔ ایک زہرہ بی بی کا مزار جن کی نسبت یہ کہانی مشہور ہے کہ وہ ایک خوب صورت کنواری اور پارسا و پرہیزگار لڑکی تھین۔ مگر خدا نے بینائی کی نعمت سے محروم کر دیا تھا۔ دعا کرانے کے لیے سید سالار مسعود غازی کی خدمت مین گئین۔ اُنھون نے اپنے روحانی فیض و تصرف سے اُن کی آنکھین روشن کر دین اور اپنے عقد نکاح مین لے لیا۔ نکاح کے بعد اٹھارہ ہی برس کی عمر مین اُنھون نے انتقال کیا اور بہرائچ مین دفن ہوئین۔ جہان اُن کی قبر آج تک موجود ہے۔ مگر ردولی والون نے حصول فیض یا اُن کی یادگار قائم کرنے کے خیال سے یہ کارروائی کی کہ بہرائچ جا کے زہرہ بی بی کی قبر کی ایک اینٹ لائے اور اُسے ردولی کی زمین مین دفن کر کے ایک فرضی مزار بنا دیا۔ ہر سال جیٹھ کے پہلے اتوار کو اُس پر بڑا بھاری میلا ہوا کرتا ہے۔ جس مین مختلف مقامات کے تقریباً ساٹھ ہزار آدمی جمع ہو جاتے ہین۔ روضہ کا اعلے جاروب کش جہیز کی وضع کا ایک پلنگ چڑھاتا ہے۔ اور ادنے طبقہ کے لوگ شادی کرتے اور براتین نکالتے ہین۔

دوسرا مخدوم شاہ عبدالحق قدس سرہ العزیز کا مزار۔ شاہ عبدالحق صاحب کا عرس ہر سال ۱۲۔ جمادی الثانی کو ہوتا ہے۔ جس کی شرکت کے لیے متوسط طبقہ

سے تقریباً پچاس ہزار آدمی دور دور سے آتے ہین - یہ دو نون مزار مدت دراز سے مرجع خلائق بنے ہوئے ہین - اور اُنھین کی کشش نے ردولی مین مسلمانون کی قوت واثر کو روز افزون ترقی دی -

(دوسرے) یہ کہ فیض آباد ایک مدت دراز تک صوبہ داران اودھ کا مستقر حکومت رہا - لہذا اُسی کی قربت نے ردولی مین بھی حاکم قوم کا اثر بڑھایا -

اودھ کے شاہی زمانے مین ردولی مین ایک گڑھی تھی - اور زیر تحصیلداری کا دفتر رہتا تھا - قصبۂ ردولی کی موجودہ حالت یہ ہے کہ پرگنہ کا مستقر اور مسلمانون کی بڑی بستیون مین ہے - سنہ ۱۹۰۱ع کی مردم شماری مین اس کی آبادی ۱۱۷۰۸ آدمیون کی ثابت ہوئی - جس مین ۶۴۵۱ یعنے نصف سے زیادہ مسلمان تھے - پرگنہ ردولی اکبر کے زمانے مین یقیناً بہت بڑا تھا مگر فی الحال اُس مین ۱۹۶ گاؤن ہین اور آبادی گنجان ہے - پورے تعلقہ کی مردم شماری سنہ ۱۸۸۱ع کی مردم شماری کی رو سے ۱۱۰۲۶۲ تھی جو سنہ ۱۹۰۱ع کی مردم شماری مین ثابت ہوا کہ سابق سے ترقی کر کے ۱۳۱۸۱۱ ہو گئی - اس مین مسلمانون کا شمار ۲۸۸۰۸ تھا - یعنی ساری آبادی مین بحساب فی صد ۲۶ شخص - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرگنہ مین بھی مسلمانون کی تعداد بہ نسبت دیگر اضلاع و پرگنہ جات کے بڑھی ہوئی ہے -

خلاصہ یہ کہ ردولی ایک ایسی بستی تھی جو مرزا غلام محمد خان کو نہایت پسند آئی - اور یہان عزلت گزین ہو جانے کو اُنھون نے نواب شجاع الدولہ کی درباداری پر ترجیح دی - یہ ہم نہین بتا سکتے کہ مرزا غلام محمد خان یہان مع اہل و عیال کے آئے تھے یا تن تنہا - اور اپنی بی بی کو ساتھ لائے تھے - یا یہان آ کے شادی کی - لیکن اس مین شک نہین کہ خدا نے اُنھین فرزند ردولی ہی کے خاموش گوشۂ عافیت مین عطا کیا - جس کا نام اسی سرزمین کی مناسبت سے اور یہین کے مسلمانون کے اگلے مذاق کے مطابق اُنھون نے مرزا سالار بخش رکھا - کیونکہ جہان تک ہم نے تتبع کیا ہے دہلی مین اُن دنون اس نام کا بالکل رواج نہ تھا -

مرزا سالار بخش کی ولادت غالباً ۱۱۹۹ھ مین ہوئی جبکہ رفتہ رفتہ زمانہ

ایک بڑا دورہ ختم ہو رہا تھا۔ کیونکہ بارہوین صدی کے پورے ہونے کو دو ہی سال باقی تھے۔ تیرہوین صدی سر پر آ پہونچی تھی۔ اور اُس کے ساتھ جو نیا دور شروع ہونے والا تھا اُس کا تمہیدی سامان اِن واقعات سے نظر آنے لگا کہ نواب شجاع الدولہ نے ۱۱۸۸ھ مین اس عالم فانی کو رخصت کیا اور نواب آصف الدولہ بہادر اریکہ آراے سلطنت ہوئے۔ جن کی تخت نشینی نے فیض آباد کی تاریخ ختم اور لکھنؤ کی تاریخ شروع کر دی۔ یکایک ایسی ہوا چلی کہ فیض آباد اُجڑنے اور لکھنؤ بسنے لگا۔ کیونکہ اب مرکز سلطنت یہی آخر الذکر شہر تھا

ناگہان لوگون کو نظر آیا کہ گویا لکھنؤ مین ایک سیلاب شروع ہوا ہے جس کی کیفیت دیکھنے کو لوگ ہر طرف سے دوڑے چلے آتے ہین۔ ۱۱۹۰ھ مین نواب آصف الدولہ کے حکم سے وہ عظیم الشان اور بے نظیر امام باڑہ تعمیر ہونا شروع ہوا جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے آج ساری روے زمین پر نظیر نہین رکھتا آناً فاناً مین لکھنؤ کی آبادی بڑھنا اور پھیلنا شروع ہوئی۔ اور چند ہی روز مین شہر کی آبادی کی حدون نے اس قدر وسعت حاصل کی کہ دور دور کی بستیان اُس کے دامن مین چھپ کے جزو شہر ہو گئین۔

ممالک متحدہ کے ڈسٹرکٹ گزٹیر مطبوعہ ۱۹۰۴ع مین اس عہد کی حالت اِن الفاظ مین دکھائی گئی ہے:- "آصف الدولہ کے عہد مین لکھنؤ کی شان و شوکت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ ویسی شان نہ اُن دنون کہین سُنی گئی تھی اور نہ اُس کے بعد سُنی گئی۔ سارا صوبہ پورے عظمت و جلال پر تھا۔ نواب نے (بخلاف اپنے والد مرحوم کے جو ایک اولوالعزم سپاہی تھے) ریاست کی کل دولت اپنے ذاتی شوق پورے کرنے اور مشرقی شان و شوکت کے کل سامان بہم پہونچانے مین صرف کرنا شروع کر دی۔ ہندوستان کا کوئی دربار اُن کی ہمسری نہ کر سکتا تھا۔ اُن دنون صرف امام باڑہ اور رومی دروازہ ہی کی عمارتین نہین تیار ہوئین بلکہ ہر طرف قصر و ایوان اور باغ اور زیست گاہین بننے لگین۔ لب دریا قلعہ کے مغربی پہلو پر دولت خانہ تعمیر ہوا جس مین نواب کے رہنے کے لیے آصفی کوٹھی بنی۔ رزیڈنسی کی عمارت قائم ہوئی جسے غدر کے پُرفتن زمانے مین بڑی بڑی مصیبتون اور

سخت حملون کا مقابلہ کرنا تھا۔ بیبیاپور اور جھوٹ مین عالی شان ایوان قائم کیے گئے عیش باغ۔ چار باغ اور یحییٰ گنج مین باغ اور کوشکین بنین۔ محلہ ہاے وزیر گنج امانی گنج۔ فتح گنج۔ رکاب گنج۔ دولت گنج۔ بیگم گنج اور نخاس وغیرہ خاص سرکاری حکم سے اور دیگر محلہ اراکین دولت اور وابستگان کی کوششون سے آباد ہوئے۔ چنانچہ احاطہ خانساماں۔ ٹکیت گنج۔ ٹکیت راے کا بازار۔ تحسینی گنج۔ ٹکرای۔ جھاؤنی حسین الدین خان۔ حسن گنج باؤلی۔ بھوانی گنج۔ بالک گنج۔ کشمیری محلہ نوازگنج۔ تحسین گنج۔ عنبر گنج۔ اور جھاؤ لال کا بازار سب اُسی عہد کی یادگارین ہین نواب صاحب کی والدہ بہو بیگم صاحبہ نے خداگنج اور علی گنج آباد کیے۔ اور حسن رضا خان نے دریا پار حسن گنج بسایا۔ جنرل کلاڈ مارٹن آکے وزارت کے خلعت سے سرفراز ہوئے۔ اور اپنی وہ عالی شان کوٹھی تعمیر کی جو عوام مین "مارکین صاحب کی کوٹھی" کے لقب سے مشہور ہے۔ ان محلون کی تعداد سے خیال کیا جاسکتا ہے کہ ہر طرف سے کس قدر خلقت آتی اور ان مین کھپتی چلی جاتی تھی۔ خلاصہ یہ کہ اس عام مرجعیت کی بدولت چند ہی روز مین لکھنؤ کی آبادی پانچ چھ لاکھ کے قریب ہوگئی جس کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اُن دنون لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہرون سے زیادہ آباد تھا۔ بلکہ ساری مشرقی دُنیا مین شاذ و نادر ہی کوئی شہر اُس کی ہمسری کا دعوے کرسکتا ہوگا۔

الغرض ایک خدائی تو لکھنؤ آنے پر تلی ہوئی تھی مگر مرزا غلام محمد خان کچھ اس طرح پاؤن توڑکے اور دُنیا کی طرف سے پیٹھ پھیر کے ردولی کے عزلت کدے مین بیٹھے تھے کہ کبھی ادھر رُخ کرکے بھی نہ دیکھا۔ فیض آباد سے ہر مذاق اور ہر طبقہ کے لوگ روزانہ اُنھین کی بستی مین ہوکے گزرتے اور لکھنؤ کی راہ لیتے تھے۔ ایک رات قیام کرکے لکھنؤ کی دولتمندی و عروج کے قصے بیان کرتے تھے۔ مگر مرزا صاحب کے پاے استقلال کو لغزش نہ ہوئی۔ خود ہی نہین اپنے صاحبزادے مرزا سالار بخش کو بھی زمانے کے مذاق کے مطابق ردولی ہی مین تعلیم دلائی۔ پھر جب جوان ہوئے تو ردولی ہی کے ایک ہم مرتبہ شریف خاندان سے سمدھیانا قائم کیا۔ اور مرزا امام بخش نام ایک صاحب کی دختر نیک اختر سے عقد کردیا۔ شادی

کے بعد بھی بچا سے اس کے دو بیٹے کو لکھنؤ جانے کی اجازت دین اپنی مختصر زمینداری
کے کاروبار مین مشغول کر دیا تاکہ قناعت پسند باپ کی طرح سعادتمند بیٹا بھی صبر و
شکر سے اپنے وطن و جوارہی مین زندگی بسر کرے۔

مگر جس جوہر کو دونون باپ بیٹون نے بڑی کوششون سے دبایا تھا
تیسری پشت مین یکایک اس شان سے ظاہر ہوا کہ خاندان ہی نہین سارا دیہی
بستی عش عش کر گئی۔ اور وہ عزلت گزین خاندان جس پر کسی کی نظر بھی نہ پڑتی تھی
ایسا چمکا کہ بڑے بڑون کا حسود بن گیا۔ اس لیے کہ مرزا اسدالله بخش کو خدا نے
چار ہونہار فرزند دیے جو فلک اقبال پر ستارہ بن کے چمکے۔ اور چارون نے
ایک خاص شان پیدا کی۔ انھین چار فرزندون مین منجھلے مرزا آغا علی خان
عرف آغائی صاحب تھے۔ جن کے حالات زندگی لکھنا ہمارا اصلی مقصود ہے

تیسرا باب

ولادت و طفولیت

مرزا آغا علی خان بہادر کی ولادت تقریباً ۱۲۲۳ھ مین ہوئی یعنی ۱۸۰۹ء
مین جس سال کہ انگلستان مین مسٹر گلیڈسٹون کا سا فخر قوم اسٹیٹسمین پیدا ہوا
اور جبکہ لکھنؤ کے مسند فرمان روائی پر نواب سعادت علی خان کا سا مدبر و منتظم
حکمران جلوہ افروز تھا۔ نواب آصف الدولہ بہادر کے زمانے کی طرح اس دور مین
شہر لکھنؤ کو ظاہری نمایش و نمود نہین حاصل ہو رہی تھی بلکہ وہ انتظامات عمل
مین آرہے تھے جنھین حقیقی ترقی کہنا چاہیے۔ اس لیے کہ ایک طرف تو ساری قلمرو
کا نہایت عمدگی و عدالت گستری سے بندوبست کیا گیا۔ عمدہ انتظامات و قوانین
جاری کیے گئے۔ اور دوسری طرف خزانۂ شاہی دولت سے معمور ہونے لگا
اس امر کو تاجدار اسے لے کے ایک ادنے باجگزار تک حسرت و اندوہ کے
ساتھ محسوس کر رہا تھا کہ نواب سعادت علی خان نے تخت نشینی کی ہوس مین
دھا ملک ہاتھ سے کھو دیا۔ اور انتظامات حکومت مین ایسٹ انڈیا کمپنی

کے اختیارات زیادہ ہوگئے۔ لیکن پھر بھی لکھنؤ مین ایسی اچھی صحبتین قائم تھین کہ کسی
قسم کا غم زیادہ زمانے تک نہین محسوس ہو سکتا تھا۔ اس لیے کہ زمانے بھر کے
چُنے ہوئے اہل کمال اس خطہ مین فراہم ہو گئے تھے۔ سوداؔ و میرؔ کے سے شعرا
اور انشاء اللہ خان کے ایسے بذلہ سنج شاید زمانے کو پھر نہ نصیب ہون گے

آغائی نے آنکھ کھولتے ہی نواب سعادت علی خان کی خوش انتظامی
و خوش تدبیری کا رنگ خود اپنے دیہات کے وطن مین دیکھا۔ اور لکھنؤ کے
اوج و عروج اور اس کی چہل پہل اور دلچسپیون کے حالات شہر کے آنے
جانے والون سے سُنے۔ بچپن کے بے صبرانہ شوق سے کیا کیا جی چاہا ہوگا
کہ کسی طرح اُڑ کے لکھنؤ جائین اور اس مشرقی بابل کی سیر کرین۔ لیکن چھ ہی
برس کی عمر کو پہونچے تھے کہ ۱۲۲۹ھ مین کسی سازش کے باعث ایک نمکحرام
شخص کے ہاتھون نواب سعادت علی خان نے جام زہر کے ساتھ جام فنا پیا
اور غازی الدین حیدر تخت پر بیٹھے۔ وہ پُرانا خوش انتظامی و کفایت شعاری
کا دور ختم ہوا۔ اور سعادت علی خان کا جمع کیا ہوا چودہ کروڑ روپیہ بے جگری سے
بے پروائی سے لُٹایا جانے لگا۔

دولت کے بے روک صرف اور فیاضی و قدر افزائی نے اب شہر کی
چہل پہل بدرجہا زیادہ بڑھا دی تھی۔ اور لکھنؤ کے اُمرا کی ڈیوڑھیون اور یہان
کے شرفا کے نکھرے مذاق نے اب الف لیلہ کے طلسمی قصر و ایوان کو بھی مات
کر دیا تھا۔ نواب غازی الدین حیدر کو تخت پر بیٹھے پانچ ہی برس ہوئے تھے
کہ مارکوئس آف ہیسٹنگز گورنر جنرل ہند ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۹ء مین وارد
لکھنؤ ہو کے دولت اودھ کے مہمان ہوئے۔ اُنھون نے یہان اوج و عروج
دیکھا۔ بادشاہ کی خوش انتظامی کی تعریف کی۔ اور اُنھین شاہی کا خطاب
دے کے بجائے خود مستقل بادشاہ اودھ بنا دیا۔ یہی وقت ہے جب سے
کہ فرمان روایان اودھ بجائے نواب کے بادشاہ لکھے جانے لگے۔ اور
اُن کے نام کا سکہ جاری ہوا۔ اودھ کی سلطنت نے بھی سرکار برطانیہ کی
اس مرحمت و عنایت کا شکریہ بڑی گرمجوشی و دریا دلی سے ادا کیا۔ پہلی مرتبہ

ایک کروڑ روپیہ پھر دوبارہ گورکھا کی مہم پیش آنے پر لیے گئے کہ سرکار انگریزی کی طرف سے استدعا ایسی کی گئی ہو۔ ایک کروڑ روپیہ اور تیسری بار پچاس لاکھ روپیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرض دیا گیا۔ یہی وہ ہندوستانی مہربانیاں اور بے تکلفی کی فیاضیاں اور بے نیازیاں تھیں کہ لارڈ ماٹرا لارڈ ہیسٹنگز صاحبان گورنر جنرل ہند نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی جانب سے باجلاس کونسل سلطنت اودھ کی خیرخواہی کا عملی ثبوت کا شکریہ ادا کیا۔ اور تاجدار اودھ کی بے انتہا تعریف کی گئی۔

نواب سعادت علیخاں بہادر کے عہد کے واقعات جنھیں آغائی صاحب نے ہوش سے بچپن کی آنکھوں طفولیت کے دیکھا تھا۔ اور جن کا نقش بچپنے بلکہ طفلی کے دل کی سادی لوح پر پڑا تھا اب تک اُن کے حافظہ میں محفوظ تھے۔ جب اس دور کے حالات کو انھوں نے زیادہ سمجھداری اور غور و سنجیدگی کی نظر سے دیکھنا شروع کیا تو یہ حالت ہو گئی کہ کبھی شاہی رسوم دھام اور موجودہ عیش پرستیوں کا سماں حیرت اور اپنا گرویدہ بنا لیتا۔ اور کبھی نواب سعادت علی خان کی کفایت شعاری دوراندیشی تدبیری یاد آجاتی۔ اور ساتھ ہی دل پر غیرت و خوف کا اثر پڑنے لگتا۔ خاص یہ کہ غازی الدین حیدر بادشاہ نے بڑی بڑی فیاضیاں دکھائیں۔ اور اپنے دارالسلطنت کے بنانے سنوارنے اور اُس کی رونق بڑھانے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھا رکھا یہاں تک کہ ۱۲۴۳ھ میں اُنھوں نے عالم برزخ کا سفر کیا جب کہ آغائی صاحب کا عنفوان شباب تھا اور عمر اکیس بائیس برس کے قریب تھی۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن کی تعلیم و تربیت کا زمانہ یہی غازی الدین حیدر بادشاہ کا عہد تھا۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ آغائی صاحب نے کن کن بزرگوں سے تعلیم پائی اور اُن کے اساتذہ کون کون حضرات تھے۔ نہ وہ زندہ موجود ہیں کہ یہ معمہ خود اُن سے دریافت کر کے حل ہو سکے۔ اور نہ اُن کے بچپن کے ایسے احباب موجود ہیں جنھوں نے مرحوم کو لکھتے پڑھتے دیکھا یا ہم مکتبی کا شرف حاصل کیا ہو۔ لیکن ان کی لیاقت و قابلیت اور اُس عہد کے طرز تعلیم و سلسلۂ درس کا اندازہ کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جس قسم کی تعلیم اُس عہد کے شریف زادوں کو دی جاتی تھی

آغائی صاحب مرحوم کو بھی دی گئی اور تکمیل کے ساتھ دی گئی۔
اُن دنون ایک سپاہی کے لڑکے اور نیز اُس دور کے عام رئیس زادون کے لیے سب سے مقدم شہسواری و فن سپہگری کی تعلیم تھی۔ یہ فنون آغائی صاحب کے لیے ورثہ آبائی تھے جس ورثہ کو اُنھون نے پورے ذوق و شوق سے نہایت تکمیل کے ساتھ حاصل کیا۔ اور نظامت کے زمانے مین جس کا ذکر آئندہ آئیگا بارہا ان کمالات کا ثبوت بھی دے دیا۔ سلطنت کو چند ہی روز مین مرحوم کی حسن کارگزاری دیکھ کے تسلیم کرلینا پڑا کہ وہ تقریباً تمام نظماے اودھ سے زیادہ بہادر نڈر اور مستقل مزاج تھے۔ اور عرصۂ رزم مین جب تک حریف کو مطیع و منقاد یا پسپا نہ کر لیتے تھے قدم پیچھے نہ ہٹاتے تھے۔ افسوس کہ سپہگری و نبرد آزمائی کا زمانہ پانی پت کی آخری لڑائی کے ساتھ ختم ہو چکا تھا۔ ورنہ آغائی صاحب بھی ویسے ہی نامی گرامی شہسوار اور ایک زبردست سپہ سالار ثابت ہوتے جیسے کہ اُن کے آبا و اجداد ہوتے آئے تھے۔
لکھنے پڑھنے کی تعلیم مین اب بہ مقابل اُس زمانے کے زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے۔ کہنے کو تو کہا جاتا ہے کہ علم و فضل مین فی الحال ہندوستان نے بے انتہا ترقی کی ہے اور معیار تعلیم اگلے دنون کے دیکھتے بہت سخت ہو گیا ہے مگر سچ یہ ہے کہ سوسائٹی کے لیے جیسے مناسب اور حاضر طبیعت باکمال اگلی تعلیم پیدا کیا کرتی تھی موجودہ تعلیم نہین پیدا کر سکتی۔ اُن دنون نہ زیادہ حساب سکھایا جاتا تھا نہ جغرافیہ۔ جبر و مقابلہ۔ اُقلیدس اور تاریخ وغیرہ کی تعلیم ہر طالب علم کے لیے لازمی تھی۔ اُن دنون صرف فارسی زبان پڑھائی جاتی تھی۔ کیونکہ یہ زبان سرکاری دفاتر کی زبان ہونے کے علاوہ ہندوستان کی مہذب سوسائٹی پر بھی حکومت کر رہی تھی۔ اُس کی شاعری و نثاری اعلے درجے تک سکھائی جاتی تھی۔ اساتذہ اور مشہور و باکمال شعرا کے ہزارہا اشعار زبانی یاد کرائے جاتے تھے اور فارسی ادب کی کتابین پڑھائی جاتی تھین۔ جن مین تاریخی واقعات نو روایات اور لطائف و حکایات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہوتا تھا۔ تھوڑی سی عربی بھی فارسی کی تقویت کے لیے پڑھا دی جاتی تھی۔ جسے کمال کے ساتھ حاصل

آئینا صرف علما اور مقتدایان دین کا کام تھا۔

اس تعلیم سے انسان سوسائٹی مین خاص قسم کی نمایان وقعت حاصل کر لیتا تھا۔ مناسب وقت و حسب حال اشعار اُس کی زبان پر ہوتے۔ بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی مین اقران و امثال سے فوقیت لے جاتا۔ معاملہ نگاری کا اُسے بہت اچھا سلیقہ ہوتا۔ اور فصاحت و بلاغت مین بے مثل و بے ہمتا تسلیم کیا جاتا۔ غرض وہ پرانی تعلیم تھی اور یہ اگلی لیاقت و قابلیت۔ بخلاف اُس کے آج کل کا تعلیم یافتہ چھ سات زبانین اُردو۔ فارسی۔ عربی اور انگریزی وغیرہ پڑھتا ہے اور حساب۔ ہندسہ۔ اُقلیدس۔ الجبرا۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ سائنس اور ریاضیات وغیرہ کی قسم سے متعدد علوم و فنون حاصل کرتا ہے مگر باوجود اس کے مصداق "طلب الکل فوت الکل" نہ جاہل ہی رہتا ہے اور نہ عالم بننے پاتا ہے۔ اُس مین نہ ذہانت پیدا ہوتی ہے نہ طباعی۔ اجتہادی قوت سے اُسے مس نہین ہوتا۔ اور ایسا نظر آتا ہے کہ جتنی ذہانت و طباعی تھی وہ بھی لکھنے پڑھنے سے سلب ہو گئی۔

آغائی صاحب پرانی تعلیم کا ایک اعلے نمونہ تھے۔ اور جن لوگون کو اُن کی صحبت مین اُٹھنے بیٹھنے اور اُن سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا ہے یا جن صاحبون کو اُن سے سابقہ پڑا ہے کچھ وہی خوب جانتے ہین کہ وہ کیسے باذاق و سخن سنج تھے۔ اور معاملات پر غور کر کے کیسی مناسب راے قائم کیا کرتے تھے۔ انھین کیسے کیسے لطیفے اور ادبی حکایات یاد تھے۔ بات بات پر کیسے کیسے دلچسپ اشعار سُناتے تھے۔ ہر معاملے مین وہ کس خوش اسلوبی واقفیت اور سلیقہ شعاری سے گفتگو کرتے تھے۔ اور کس قدر جلد اپنی اجتہادی قوت۔ اخلاقی جرأت۔ اور تجربہ کاری و واقفیت کو سامعین و حاضرین کے دل پر نقش کر دیا کرتے تھے۔

لیکن غالباً یہ کہنا غلطی ہوگا کہ آغائی صاحب کو محض دہلی کی تعلیم نے ایسا باکمال بنا دیا۔ اُن کی ذات مین تین چیزین جمع ہو گئی تھین جو شاذ و نادر ہی کسی شخص مین یکجا ہوتی ہین۔ پیدائشی ذہانت و طباعی۔ اچھی تعلیم و تربیت۔ اور

لکھنؤ کی اعلےٰ درجے کی صحبت۔ اُن کی ذہانت ایک جوہر قابل تھا جسے وطن کی عمدہ اور شریف تعلیم و تربیت نے نہایت اچھی وضع مین تراشا۔ اور لکھنؤ کی صحبت نے اس جوہر مین جلا پیدا کی اور اُسے غیر معمولی آب و تاب سے چمکایا اور اسی وجہ سے جب تک آغائی صاحب وطن سے نہین نکلے تھے ہم اُنھین ایک معمولی درجے کا تعلیم یافتہ شریف زادہ پاتے ہین۔

اواخر زمانۂ قیام رودولی یعنے بیس بائیس برس کی عمر مین ہم اُنھین ایک عجیب کشمکش کی حالت مین پاتے ہین۔ تعلیم اُن کی جس قدر ضروری خیال کی جاتی تھی پوری ہو چکی ہے۔ والد تمام بزرگان خاندان بلکہ خاندان کے کل ملنے جلنے والے اُنھین آمادہ کرتے ہین کہ گھر کی زمینداری کی طرف توجہ کرین۔ اور کھیتی کے کاروبار مین قناعت کے ساتھ مصروف ہون۔ اور اُن پریشان خیالیون سے پرہیز کرین جو اُلوالعزمی کے بادپا گھوڑے پر سوار کرا کے اُنھین ادھر اُدھر کی ہوا کھلایا کرتی ہین۔ یا کم سے کم قرب وجوار کے کسی رئیس کے یہان سلسلۂ ملازمت جاری کرین۔ بہرحال دوستون اور عزیزون مین سے ہر ادنےٰ و اعلےٰ اس بات پر مصر تھا کہ وہ روزگار سے لگین۔ اور کسب معیشت مین باپ بھائیون کا ہاتھ بٹائین۔ مگر وہ خود جو اپنے دل کو ٹٹولتے تو اُن تمام صورتون کو جو پیش کی جاتین اپنی ہمت اور اپنے حوصلے سے کم پاتے۔ گھر کی زراعت اور زمینداری مین کوئی ایسی معتدبہ منفعت نہ نظر آتی۔ اور کسی چھوٹے درجے کے رئیس کے آگے ذلت کے ساتھ سر طاعت جھکانے کو جی نہ چاہتا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز مین والدین کو شکایت پیدا ہوئی اور اعزہ کی طرف سے بعض اوقات کلمات طعن و تشنیع بھی سُننے جانے لگے۔ غرض آغائی صاحب ان تمام باتون کو دیکھ سُن کے دل ہی دل مین کُڑھتے اور خون جگر پیتے تھے مگر زبان سے اُف نہ کرتے بعض اوقات مجبور ہو کے دل مین آتی کہ کسی بڑے تعلقدار کے پاس جا کے نوکری کی درخواست کرین۔ لیکن ہمت بلند روکتی اور کہتی تمھارے لیے ایسی ذلت گوارا کرنا نہایت شرم کی بات ہے۔ کبھی جی چاہنے لگتا کہ

گھر کی کھیتی باڑی مین مشغول ہون مگر وہی بلند حوصلگی پھر دامن پکڑتی کہ تمھارے لیے یہ بھی باعث ننگ ہے۔ غرض اسی کشمکش نے دل مین ایک الجھن پیدا کی اور وہی جوش اُن سے ظاہر ہوا جس نے دُنیا کے مشہور و نامور لوگون سے بڑے بڑے کام کرا لیے ہین۔

چوتھا باب

بلند حوصلگی کا پہلا سفر

آغائی صاحب اسی گومگو اور تردد کے عالم مین تھے کہ اعزا کے طعن و تشنیع اور والدین کی سرزنش غیرت مند اور غیر متحمل طبیعت پر ایک تازیانہ کا اثر کر گئی اور بات یہ ہوئی کہ اُن کے والد ماجد مرزا سالار بخش نہ کوئی بہت بڑے رئیس تھے نہ صاحب مقدرت تعلقدار۔ مختصر زمینداری اور سر پر ایک بڑے خاندان کا بار۔ زیادہ زمانے تک بیٹون کی تعلیم و تربیت کا بار بھی نہ اُٹھا سکتے تھے۔ اُن کا مسلک یہ تھا کہ دیہات کی سادگی اور کفایت شعاری کی زندگی بسر ہو۔ اس کے مقابل آغائی صاحب کی یہ حالت تھی کہ کسی معمولی کام مین مشغول ہونے یا تھوڑی ماہوار کی نوکری کرنے کو اپنی ہمت بلند اور اپنے حوصلے کے مقابل ادنے اور ذلیل خیال کرتے تھے۔ زمانہ شناس باپ یہ حالت دیکھ کے بیٹے کو بے پروائی اور کاہلی کا الزام دیا کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی ایسے کلمات کہہ بیٹھتے جو غیور و اُولوالعزم بیٹے کو ناگوار گزر جاتے۔ آخر اسی قسم کے کلمات سُنتے سُنتے ایک دن تنگ آ گئے۔ چپکے سے ٹوپی سر پر رکھی اور انگرکھے کے بند باندھتے ہوئے دروازے پر پہنچے۔ مان باپ سمجھے کہ کسی عزیز یا آشنا سے ملنے کو جاتے ہین۔ مگر بیٹے کی یہ حالت ہوئی کہ دروازے پر آتے ہی دل مین ٹھان لی کہ اب بغیر کامیاب ہوئے اور گوہر مراد حاصل کیے نہ گھر کی صورت دیکھین اور نہ مان باپ کو اپنی صورت دکھائین گے۔ غرض بقول مغرب کے پرانے مسلمان سیاح ابن بطوطہ کے جو کہتا ہے کہ مین بغیر کچھ لیے اور خالی

ہاتھ اس طرح گھر سے نکل کھڑا ہوا جس طرح کوئی طائر آشیانے سے اُڑ جاتا ہے۔ وطن مالوف کو خیر باد کہہ کے غریب الوطنی کی منزل میں قدم رکھا۔

لکھنؤ اس زمانے میں مشرق کا بابل۔ دولت عباسیہ کے دور کا بغداد یا ہندوستان کا پرانا شہر دہلی تھا۔ اس لیے گھر سے نکلے تو سیدھے لکھنؤ کو چلے جہاں کی ترقیوں اور دولتمندیوں کے افسانے بچپن سے اس وقت تک سنتے رہے تھے۔ اور جس کی نسبت یقین تھا کہ اس سرزمین پر پہونچ کے آدمی آدمی ہی نہیں بن جاتا بلکہ حوصلۂ ظرف سے زیادہ عروج حاصل کر سکتا ہے۔ یہاں اُس زمانے میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں نصیر الدین حیدر بادشاہ کا عہد تھا۔ اور لکھنؤ دہلی کی تقلید چھوڑ کے اپنی سوسائٹی کے لیے نئی مجتہدانہ تراش خراش پیدا کر رہا تھا۔ وضع۔ لباس۔ اخلاق۔ عادات غرض ہر چیز میں ترمیم و اصلاح ہوئی تھی۔ اور بالکل کو چھوڑ کے سب لوگ ہنسی مذاق اور عیش و عشرت میں مشغول تھے باہر سے آنے والوں کی حد سے زیادہ اور اُن کی اُمید دن سے بڑھ کے قدر و منزلت ہوتی تھی۔ اور جو جس قدر زیادہ لائق ہوتا تھا اُسی قدر زیادہ آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا۔

نواب معتمد الدولہ آغا میر نواب منور الدولہ اور نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم کے ایسے نامی گرامی اور زیرک و مدبر لوگ خلعت وزارت سے سرفراز ہو رہے تھے۔ بادشاہ کے مذہبی انہماک نے بارہ امام کی بنیاد قائم کی۔ اور اُن میں پاکدامن سیدزادیاں۔ اچھوتیوں کے نام سے نامزد کر کے رکھی گئیں۔ ہر مہینے کسی نہ کسی امام کی ولادت کی خوشی میں جشن طرب کا سامان نظر آیا کرتا اور اسی سلسلے میں صدہا قسم کی خیر و خیرات ہوتی جس نے شہر میں عجب چہل پہل پیدا کر رکھی تھی۔

دولت سندی کا یہ تماشا دیکھنے کے لیے آغا ئی صاحب آنے کو تو لکھنؤ میں آ گئے مگر ہنوز بچے تھے بیس بائیس برس کی عمر تھی۔ اور تجربہ کاری کا زمانہ۔ علاوہ بریں چونکہ یک بیک بغیر کسی سے کہے سُنے اور کوئی سفارش حاصل کیے چلے آئے تھے لہذا نہ کسی امیر کے پاس جانے کے لیے کوئی ذریعہ

تعارف تھا۔ اور نہ کوئی ایسا شخص تھا جو کسی معزز سرکار میں تقریب کرتا۔ شہر میں آتے ہی ہر طرف مارے مارے پھرنے لگے۔ اور خاموشی کے ساتھ چپکے ہی چپکے یہ دیکھنا شروع کیا کہ لوگوں کی کیا حالت۔ اور شہر کا کیا رنگ ہے ہر طرف کیسے گلچھرے اڑ رہے ہیں۔ جو لوگ کچھ کرتے ہیں کیسا کام کرتے ہیں اور کیسے خیرخواہ سلطنت ہیں۔ اور جو غافل ہیں کیسے غافل ہیں۔

اس سیر نے مرزا صاحب کو غور و فکر اور انتخاب کا اچھا موقع دیا۔ اور جیسا کہ ہم تمہید میں بتا چکے ہیں سبحان علی خان سے زیادہ کسی کو بیدار مغز پایا اور نہ ایسا کوئی مدبر و منتظم ریاست نظر آیا۔ لیکن سبحان علی خان کی ذات بجائے خود ایک معزز و محترم سرکار بنی ہوئی تھی۔ جہاں تک ایک کمسن ناتجربہ کار نووارد کا پہونچ جانا کوئی آسان امر نہ تھا۔ لیکن باوجود دشواریوں کے حوصلہ مند نوجوان نے ہمت نہ ہاری اور کوشش شروع کی کہ جس طرح سے اسی خاندان سے تعلقات پیدا کریں۔ چند ہی روز میں یہ سعی مشکور ہوئی۔ اور اس خاندان میں رسائی پیدا کرنے کے لیے بھی انھوں نے کسی ہوشیار و تجربہ کار شخص کی طرح خیال رکھا کہ زینہ بہ زینہ قدم رکھ کے ترقی کریں۔ تاکہ ترقی کو استقلال ہو اور اُس بے اصول شخص کی سی حالت نہ ہو جو یک بیک آسمان پر پہونچنے کی کوشش کر کے گرتا اور اپنے ہاتھ پاؤں توڑ لیتا ہے۔

چنانچہ سب کے پہلے سبحان علی خان کے چھوٹے صاحبزادے فدا حسین خان کے رفیقوں میں داخل ہوئے۔ مثل مشہور ہے کہ "ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات"۔ تھوڑے ہی دنوں میں آغائی صاحب نے دکھا دیا کہ وہ معمولی قسم کے مصاحب اور خوشامدی رفیق صحبت نہ تھے۔ اپنے مہذب و شائستہ مذاق سے فدا حسین خان کا دل بہلاتے اور انھیں اپنی باتوں پر فریفتہ کرتے۔ ساتھ ہی ہر معاملے میں آزادی و متانت سے سچی رائے دیتے۔ اور فدا حسین خان کے لیے گویا ایک ایسی عینک بنے ہوئے تھے جس کے ذریعہ سے وہ ہر نیک و بد کو بہ آسانی دیکھ سکتے۔ یہ حالات دیکھ کے خاندان کا ہر شخص آغائی صاحب کا شیدا ہو گیا۔ اور قدردانی کی راہ سے ہر ایک چاہنے لگا

کہ اُنھین اپنی صحبت مین لے لے۔ چنانچہ تھوڑے زمانے کے بعد سبحان علی خان کے منجھلے صاحبزادے رضا حسین خان نے اُنھین اپنی طرف کھینچا۔ اور کوشش کر کے خاص اپنی صحبت مین لیا۔

سچ یہ ہے کہ اس تھوڑے زمانے و لکھنؤ کی ان اعلے درجے کی صحبتون ہی نے مرزا آغا علی کو آغائی صاحب بنا دیا۔ ایک طرف تو لیاقت و کارگزاری دکھانے اور جوہر شناس رئیس کو اپنا قدردان بنانے کا موقع ملا۔ دوسری طرف شہر کے بڑے بڑے امرا د و رسائی صحبتون مین پہونچتے اُن کا مذاق سمجھنے۔ اور اُن مین ہر دل عزیز بننے کی عزت حاصل ہوئی۔ امرا اور رؤسا سے اگر تہذیب و شائستگی اور نشست و برخاست کے آداب معاشرت کا سبق ملا تو علما و شعرا اور نیز اعلے درجے کے ادیبون اور انشا پردازون کی صحبت سے واقفیت و معلومات کا دائرہ وسیع ہوا۔ مذاق کامل بن احباب کی تعداد بھی بڑھی۔ خلاصہ یہ کہ سبحان علی خان کے خاندان اور مکان ہی سے آغائی صاحب کو ایک ایسا شخص بنا دیا پادشاہی زمانے مین اگر سلطنت کے لیے سودمند تھا تو انگریزی گورنمنٹ یا دستاویز عیبت دونون کے لیے مفید ثابت ہوا۔

اب آغائی صاحب شہرت و نمود حاصل کرتے کرتے سبحان علی خان کے بڑے صاحبزادے نواب مظفر حسین خان کی صحبت مین بھی آنے جانے اور آہستہ آہستہ اُن کے مزاج مین در خور پیدا کرنے۔ ... یہی تعلق اُن کی اصلی ترقی کا پہلا ذریعہ ہوا مظفر حسین خان ایک معزز شاہی منصب دار تھے اور حفظ و تحصیل خاص اُن سے متعلق تھی۔ لیکن وہ تو دلچسپی و خوش مذاقی کی باتون مین مشغول رہتے۔ شب و روز عیش و عشرت کی گرم بازاری تھی۔ حفظ و تحصیل کا کام ایک ہوشیار کایستھ دیوان کے ہاتھ مین تھا۔ جو عیش پرست تحصیلدار صاحب کی سہل انکاری کے باعث اُس عہد کے تمام دفاتر کی طرح اس تحصیل کے دفتر پر بھی مامور و گویا کل سیاہ و سفید کا مالک تھا۔ تاہم اتنا معلوم ہوتا ہے کہ مظفر حسین خان کے دل مین اُس کی نسبت تغلب و تصرف

کا کچھ خیال ضرور تھا۔ اور کسی ہوشیار و متدین اہل کار کے متلاشی تھے۔ مرزا آغا علی کی ہوشیاری و ذہانت اور طباعی و مستعدی دیکھی تو چاہا کہ اپنی پیشی کا کام ان کے سپرد کریں مرزا صاحب تو ایسے موقعے ڈھونڈھ ہی رہے تھے۔ کیونکہ انتظام مالگذاری ہی کے کام کو آنکھیں کھول کے گھر میں دیکھا تھا۔ اور گو یا قدرتی طور پر صاحبت اور باتیں بنانے کیلیے نہیں بلکہ کچھ کر کے دکھانے اور خوش انتظامی و خوش تدبیری کا جوہر ظاہر کرنے کے لیے پیدا ہوئے تھے اس خدمت کو نہایت خوشی سے برضا و رغبت قبول کر لیا۔

اس طرح مرزا آغا علی صاحب پہلے پہل شاہی ملازمت میں داخل ہوئے اور کام ہاتھ میں لینے کے بعد ہی ایسی مستعدی و توجہ سے کام لیا کہ دیوان کی ساری چالاکیاں ان پر کھل گئیں۔ اور جب دفتر کی حالت سے خوب واقف ہو گئے تو اس کی کارستانیوں سے مظفر حسین خان کو بھی بخوبی واقف کر دیا مظفر حسین خان کو جب نظر آیا کہ مرزا آغا علی کی صورت میں انھیں کس پایہ کا عاقل و نکتہ رس شخص ان کے ہاتھ آ گیا۔ اور کتنی مدت کی خرابیاں اور بد دیانتیاں ایک دم بھر میں ظاہر ہو گئیں تو آغائی صاحب کی بے انتہا قدر و منزلت کی۔ ان کی حسن کارگزاری کے شکر گزار ہوئے۔ اور ان کے صلاح و مشورے سے جدید انتظامات اپنے علاقے میں جاری کیے۔ اس وقت تک تو یہ معمول چلا آتا تھا کہ تحصیل کے کل معاملات صرف اس دیوان کی معرفت طے ہوا کرتے تھے۔ دفتر کا سارا کام اسی کے حوالے تھا۔ اور تحصیلدار صاحب کا صرف اتنا کام تھا کہ کاغذات پر دستخط کر دیا کرتے تھے لیکن اب آغائی صاحب کے مشورے سے علاقہ کا انتظام خود اپنے ہاتھ میں لیا گیا سخت نگرانی و توجہ سے کام ہونے لگا۔ اور سارے علاقے پر صرف آغائی صاحب حاوی تھے۔ مرزا صاحب نے کسی بد دیانت عہدہ دار کی طرح یہ نہیں کیا کہ اپنی چالاکیوں سے دیوان کو جدا کر کے سارے کاروبار کے خود مالک بن جاتے اور اپنے آقا کو دلیا غافل رکھتے جیسے کہ وہ پہلے تھے۔ بلکہ انھوں نے دفتر کے کام کو صاف کیا۔ ساری پیچیدگیاں اور

گنجائشین جن کی بدولت اہل دفتر کو خورد برد کا موقع ملتا تھا دور کین - اور کاغذات کو ایسا صاف کر دیا کہ معمولی توجہ سے لوگون کے غبن کا حال کھل جا اور جو شخص دفتر کو معائنہ کرے غلطیان پکڑ سکے - اسی قدر نہین انھون نے مظفر حسین خان کے دل مین بھی کارگزاری کا شوق پیدا کیا - اور آمادہ کر دیا کہ بہ جبر نہین بلکہ برضا و رغبت دفتر کا کام کرین اور اس خدمت کو بجا لائین جس کے وہ ذمہ دار قرار دیے گئے تھے -

لیکن افسوس یہ ہے کہ بالا دست دفاتر پر بھی ہر جگہ وقت کا اثر حاوی تھے - اور وہ نہین چاہتے تھے کہ مرزا آغا علی کی کارگزاریون سے اعلی عہدہ داران کو مطلع کرین نتیجہ یہ ہوا کہ اس انتظام کی اُن دنون اتنی قدر نہین کی گئی جتنی کہ ہونی چاہیے تھی - اکثر کارگزار لوگون مین یہ نقصان ہوتا ہے کہ اعلی افسرون کی طرف سے قدردانی نہین ہوتی تو دل شکستہ ہو کے ہاتھ پاؤن ڈال دیتے ہین - اور اسی رنگ پر چلنے لگتے ہین جو سارے زمانے کا ہوتا ہے - لیکن مرزا آغا علی مین یہ نقصان نہ تھا - گو وزارت و دار الانشا کے اعلی دفاتر نے اُن کی قدر نہین کی - اور اُن کا حوصلہ بڑھانے مین سوا خود اپنے آقا و افسر کے ایک کی بھی آواز بلند نہ ہوئی - لیکن وہ اُسی مستعدی سرگرمی سے اپنا فرض ادا کرتے رہے - اور دل مین سمجھ لیا کہ کبھی تو کوئی توجہ کرے گا -

سچ یہ ہے کہ جو انتظامات مرزا آغا علی نے حضور تحصیل مین جاری کیے تھے اگر تمام نظامتون اور تحصیلون مین جاری کر دیے جاتے تو سلطنت کی آمدنی دونی بلکہ چوگنی ہو جاتی - اور شاید وہ نتائج نہ ظاہر ہوتے جو غفلت و بدنظمی نے بعد ظاہر کیے - ان جدید انتظامات سے ایک یہ فائدہ بھی ظاہر ہوا کہ تحریر و نذرانہ کے جملہ حقوق کو پہلے صرف دیوان جی بلا شرکت غیرے اپنے تصرف مین لایا کرتے تھے اب اُن حقوق سے سب لوگ اپنے اپنے رتبے کے موافق فائدہ اٹھانے لگے جس کی بدولت مظفر حسین خان کو بہت نفع ہوا - اور آغا علی صاحب بھی تھوڑا بہت متمتع

چنانچہ اُن کے تمول اور اُن کی دولت مندی کا پہلا ذریعہ یہی تعلق ہوا۔ اور چونکہ اُنھین اپنے قائم کیے ہوئے انتظام پر عمل کرنے کا ایک مدت دراز تک موقع ملتا رہا۔ لہذا خدا نے بہت کچھ دولت مند بنا دیا۔ یہ رقمین اُس عہد کے انتظامات کی رُو سے جائز اور اہلکاران سرکاری کے حقوق مین شامل تھین اس لیے اُن پر بددیانتی کا الزام نہین قائم کیا جا سکتا۔ علے الخصوص جبکہ اُن رقوم کا زیادہ حصہ اُن کی کوشش سے خود اُن کے ولی نعمت مظفر حسین خان کو ملا رہا تھا۔

مرزا آغا علی کو ابتداے عمر ہی سے مذہبی اُمور کی طرف خاص توجہ تھی۔ اور اسی چیز نے باوجود مشاغل دُنیوی مین منہمک رہنے اور حصول دولت کی سخت کوششون کے اُنھین اپنے خدا اور اُس کے سچے دین کی طرف سے غافل نہ ہونے دیا۔ چنانچہ حصول دولت کے بعد اُنھون نے اپنی گاڑھی کمائی کا روپیہ پہلے پہل جس کام مین لگایا وہ ایک عالی شان امام باڑہ ہے جو اب تک موجود ہے اور اُن کے عنفوان شباب کی دینی سرگرمی اور مذہبی فیاضی کی یادگار ہے۔

اب لکھنؤ مین رہتے مدت ہو گئی تھی۔ اور وطن و احباب خصوصاً ماں باپ بھائی بہنون کو چھوڑے ایک زمانہ گزر چکا تھا۔ جس غرض کے لیے گھر سے بے کسی کو خبر کیے نکل کھڑے ہوئے تھے اور مفقود الخبر ہو گئے تھے وہ بھی پوری ہو گئی تھی یعنے روپیہ پیسہ بھی خدا نے افراط سے دیا تھا۔ دل مین آئی کہ جس طرح پہلے یکایک ترک وطن کر دینے مین ماں باپ کا دل دُکھایا تھا اُسی طرح اب اچانک گھر پہونچ کے اُن کی خدمت گزاری کرنی چاہیے تاکہ یہ کہنے کو نہ ہو کہ ماں باپ کو ناراض رکھا۔ غرض سالہا سال کی غریب الوطنی کے بعد وطن مالوف کی طرف توجہ کی اور رُدولی پہونچے۔ مدت کے چھوٹے ہوئے لخت جگر کو والدین نے سینے سے لگایا۔ خوشی کے آنسو بہائے اور استفسار حال کیا۔ مرزا صاحب نے ساری داستان کہہ سنائی کہ کیونکر قسمت نے اُنھین لکھنؤ پہونچایا۔ اور تھوڑے دنون ٹھوکرین کھا کے اُن کو

کیسا اوج و عروج حاصل ہوا۔ اپنی کامیابی کے اظہار اور نیز والدہ کا دل خوش کرنے کے لیے چالیس ہزار روپیہ کی بھاری رقم اُن کی نذر کی۔ اور کہا یہ اس لیے ہے کہ آپ دھوم دھام سے میری ہمشیرہ کی شادی کر دیجیے۔ اب کیا تھا وہی نوعمر لڑکا جس پر کبھی چاروں طرف سے طعن و تشنیع کی بھرمار تھی تمام اہلِ خاندان کے جھرمٹ میں خاموش بیٹھا تھا۔ چاروں طرف کان لگائیے ادھر آفرین و مرحبا کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں اور ہر ایک کی زبان پر تھا کہ سعادت مند ایسے ہوتے ہیں۔

لیکن اب رُدولی میں بود و باش اختیار کرنا غیر ممکن تھا۔ اس لیے کہ جس شخص کا دل شہر کی مہذب و شائستہ صحبتوں میں لگ گیا ہو اور جس کے لیے شہر کا قیام ذریعۂ دولت مندی بھی ہو رہا ہو اُس کا دیہات میں دو دن کے لیے ٹھہرنا بھی دشوار ہے۔ غرض اب کی مرتبہ برخلاف سابق کے سب چھوٹوں بڑوں کو ہنسی خوشی رخصت کر کے لکھنؤ میں آئے۔ اور کوشش شروع کی کہ یہیں کا توطن اختیار کر لیں۔ ایک عمارت لکھنؤ میں پہلے بھی تعمیر کرا چکے تھے مگر وہ دین کی خدمت گزاری کے لیے تھی۔ اب اس بات پر آمادہ ہوئے کہ اپنے لیے بھی کوئی اچھا گھر حاصل کریں کئی عمارتیں خرید کیں۔ اور اُن میں سکونت اختیار کر کے چند ہی روز میں لکھنؤ کے خوش باش شرفا میں شامل ہو گئے۔

لیکن تجربہ بتا رہا ہے کہ قیام و استقلال اُسی سنبھلنے کو ہوتا ہے جس کے لیے انسان گر کے سنبھلے۔ اور چوٹ کھا کھا کے اچھا ہو۔ لہٰذا ضرور تھا کہ قدرت کی جانب سے میرزا آغا علی صاحب کو بعض اوقات پریشانیوں اور ناکامیوں سے بھی سابقہ پڑے۔ ترقی کی یہی رفتار اطمینان و فارغ البالی کے ساتھ فروغ دیتی چلی جاتی تھی کہ یکایک ۲۴ ربیع الثانی ۱۲۵۳ھ مطابق ۷ جولائی ۱۸۳۷ء کو نصیر الدین حیدر بادشاہ نے سفر آخرت کیا اور خلد منزل کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ اگلے دنوں اس قسم کے سوانح ہر ادنے و اعلے کے لیے نہایت خطرناک ہوا کرتے تھے۔ اور ایک چشم زدن میں بڑے بڑے انقلابات ہو جایا کرتے تھے۔ محمد علی شاہ کے سر پر آ کر اسے سلطنت

ہوتے ہی سبحان علی خان کے خاندان پر تباہی آئی۔ مظفر حسین خان جو اس وقت تک اعلےٰ درجے کے صاحب منصب اُمراے شہر مین تھے معتوب و مقہور ہوئے اور ایسی آفت مین پھنسے کہ چند روز کے لیے انھین لکھنؤ چھوڑ کے کوئی اور جاے پناہ ڈھونڈھنا پڑی۔ اس جلا وطنی مین اُن کا لاکھون روپیہ برباد ہوا۔ اور انھین کے ساتھ مرزا آغا علی بھی جھپیٹ مین آگئے۔ لیکن چونکہ بہت زیادہ مدبر، منتظم اور ہوشیار و زمانہ شناس تھے مالی نقصان سے بچ گئے۔ صرف اتنا ہوا کہ چند روز کے لیے انھین بھی لکھنؤ کو خیرباد کہہ کے کانپور کی سکونت اختیار کرنا پڑی۔

مرزا آغا علی خان کے جو حالات اس وقت تک بیان کیے گئے ہین اُن سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ ہر قسم کی دشواریون اور مصیبتون کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور اپنے حسن تدبیر اور نیز اپنے وسیع تعلقات سے یہ قوت حاصل کر لی تھی کہ کیسی ہی پیچیدگیان پڑین آخر کو غالب آ جاتے۔ سبحان علی خان کے خاندان مین رہ کے انھون نے بڑے بڑے عمائد شہر سے راہ و رسم پیدا کر لیا تھا۔ اکابر زمانہ کے مزاج مین رسوخ حاصل ہو گیا تھا۔ اور عہدہ داران سلطنت کو اُن کی اعلےٰ کارگزاریون سے آگاہی ہو گئی تھی۔ ان وجوہ سے یہ بات خاص طور پر حاصل ہو گئی تھی کہ زمانہ چاہے کیسا ہی مخالف ہوتا اُمرا اور رؤساے شہر اور معززین دولت مین سے اُن کے بعض ہمدرد اور حامی بھی پیدا ہو جاتے۔ چنانچہ اُن آفتون کے دور ہونے کے بعد جیسے ہی اس پولیٹیکل طوفان کے ختم ہونے پر مطلع صاف ہوا وہ کانپور سے لکھنؤ بلوا لیے گئے۔ اور مختلف عہدہ دارون کی توجہ و عنایت سے مختلف قسم کے کام اُن کے سپرد ہوئے لیکن ہر مرتبہ اپنی ذمہ داری کے کام کو انھون نے ایسی سرگرمی و جان فشانی سے پورا کیا کہ ارکان سلطنت مین اُن کی قدر و قیمت زیادہ ہوئی۔ اور اس کے ساتھ اعلےٰ طبقے کے لوگون مین تعلقات بھی اور زیادہ وسیع ہوئے۔ ان تغیرات نے مجموعی طور پر اُن کا تجربہ بڑھایا۔ اور چند روز مین ثابت

کردیا کہ سارے دربار مین اُن سے اچھا کوئی عہدہ دار مال نہین تسلیم کیا جاتا تھا۔

محمد علی شاہ جنت آرامگاہ کے آخری دور مین محالات پرگنۂ بجنور کی حضور تحصیل مکرم الدولہ بہادر کے سپرد تھی جو اعلے درجے کے ارکین سلطنت مین تھے۔ مکرم الدولہ کی نیابت منشی غلام مرتضے کرتے تھے جو اگرچہ ایک مشہور مدبر اور پرانے کارگزارون مین شمار کیے جاتے تھے۔ مگر اس تحصیل کا کام کچھ ایسا پیچیدہ تھا کہ اچھی طرح نہ چلا سکے۔ اُن کی ناکامی چونکہ خود مکرم الدولہ کی ناکامی بلکہ اُنھین بدنام کرنے والی تھی لہذا مکرم الدولہ بہادر نے عاجز آکے مرزا آغا علی خان کو بلوایا۔ اور تحصیل مالگذاری کا کام اُن کے سپرد کر دیا۔ آغائی صاحب نے اپنی عادت کے موافق اس کام کو بھی بڑی مستعدی سے انجام دیا۔ اور محمد علی شاہ کے آخر زمانے تک برابر وہی اس تحصیل کا کام کرتے رہے۔

سنہ ۱۸۴۲ء مین محمد علی شاہ نے آغوش لحد مین آرام فرمایا اور اُن کی جگہ امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ انقلاب سلطنت نے مکرم الدولہ کو خانہ نشین بنا کے معین الدولہ بہادر کا ستارہ چمکایا جو تاجدار عہد کے ماموں تھے۔ محالات پرگنۂ بجنور نظامت خیرآباد مین منضم کر دیے گئے۔ اور یہ پوری نظامت معین الدولہ کے سپرد ہوئی۔ معین الدولہ آغائی صاحب کی لیاقت اور کارگزاریون سے واقف تھے۔ اور جانتے تھے کہ اُن سے اچھا کارکن لکھنؤ مین نہین نصیب ہو سکتا۔ لہذا اُنھین اپنی نیابت کی خدمت سے سرفراز فرمایا۔ اور اس طرح نظامت خیرآباد کے جملہ انتظامات اور اُس کا نظم و نسق آغائی صاحب ہی کے ہاتھ مین آگیا۔

اب آغائی صاحب کو جوہر لیاقت دکھانے کا پورا موقع مل گیا تھا ایک بڑے حصۂ ملک کے سیاہ و سفید کے مالک تھے۔ اور نظم مملکت مین جو خرابیان مدت دراز سے نظر آ رہی تھین اُنھین عملی طور پر دور کر کے خوش انتظامی و رعایا پروری اور نیز خیرخواہی سلطنت کا جوہر دکھا رہے تھے

ایسے اچھے انتظامات جاری کیے کہ رعایا کو تکلیف نہ ہوتی۔ اور سرکاری رقم نہایت آسانی کے ساتھ بغیر جھگڑے فساد کے اور بے لڑے بھڑے وصول ہو جاتی۔ اور ہر طرف شہرہ ہو رہا تھا کہ جیسا اچھا انتظام نظامت خیرآباد کا ہے کسی نظامت کا نہیں۔

پانچواں باب

آغا صاحب شاہی دربار میں

ابھی تک تو مرزا آغا علی خان بہادر ترقی کے ابتدائی مدارج میں تھے اور جو کچھ کرتے تھے دوسروں کے لیے کرتے یا یون کہنا چاہیے کہ دیگر عہدہ داران شاہی وارکین سلطنت اپنا کام اُن کے ہاتھ سے کراتے اور اُن کی خوش تدبیری و نیک نامی سے خود فائدہ اُٹھاتے۔ اب وہ زمانہ آتا ہے کہ وہی سادہ مزاج مگر اولوالعزم نوجوان جو ایک دیہات سے نکل کے غیر مانوس غریب الوطنوں کی طرح وارد شہر ہوا تھا درمیانی وسائط و ذرائع سے تجاوز کر کے خود شاہی دربار میں پہونچتا اور ناموری و شہرت کا تاج خود اپنے سر پر رکھتا ہے۔

اس کی بنیاد یون پڑی کہ ان دنون ایک نیا واقعہ پیش آیا جس کے سبب سے مرزا صاحب کی تخت شاہی تک رسائی ہی نہیں ہوئی بلکہ سریر آرائے سلطنت بذات خود آغائی صاحب کا ممنون اور زیر بار احسان ہو گیا۔ ہوا یہ کہ بعض فتنہ پردازون اور بدمعاشون کی سازش سے سارے لکھنؤ میں یکایک غل ہوا کہ امجد علی شاہ کو زہر دیا جانے والا ہے۔ اور کوئی ایسا گروہ تیار ہوا ہے جو ہر طرح کی سازشون کو عمل میں لا کے بادشاہ کی جان لیے بغیر نہ رہے گا۔ سلطنت کی طرف سے فوراً احکام جاری ہوئے کہ جو کوئی سمی اجزا کو فروخت کرے گا مجرم قرار دیا جائے گا۔ اور کوشش کی گئی کہ فروخت سمیات کا قطعی انسداد کر دیا جائے۔ مگر مارواڑی اس

مہلک تجارت سے کسی طرح باز نہ آتے چرا چھپا کے بیچ ہی لیتے تھے۔ اس انتظام کے جاری ہونے میں جب پوری کامیابی نہ ہوئی تو اس کا تدارک معین الدولہ بہادر کے سپرد ہوا۔ کیونکہ آغائی صاحب کے حسن کارگزاری کی بدولت وہ بہت اعلیٰ درجے کے منتظم و مدبر مشہور ہو گئے تھے۔ معین الدولہ بذات خود تو کوئی خاص قابلیت تو رکھتے نہ تھے۔ جو کچھ تھا آغائی صاحب کے طفیل میں تھا۔ چنانچہ اپنی یہ ذمہ داری کی نازک خدمت بھی اُنھوں نے آغائی صاحب کے سپرد کر دی۔ اور آغائی صاحب نے بھی یہ خیال کر کے کہ یہ بادشاہ وقت کی جان کا معاملہ ہے پوری سرگرمی سے اس جانب توجہ کی۔

سعادت گنج آج کل کی طرح اُن دنوں بھی ایک بہت بڑی منڈی بنا ہوا تھا۔ اور خاصۃً مارواڑیوں کی تجارت کا بڑا بھاری مرکز وہی تھا۔ آغائی صاحب نے نہایت ہی سہولت و خاموشی کے ساتھ معتمد جاسوس مقرر کر کے اس بات کا سُراغ لگانا شروع کیا کہ کون کون مارواڑی سرکاری احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ آخر اُن کی مستعدی و جان فشانی کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک مشہور و دولت مند مارواڑی بیوپاری عین زہر بیچنے کی حالت میں گرفتار ہوا۔ آغائی صاحب نے پورے ثبوت اور کافی شہادتوں کے ساتھ اُس کا چالان کر دیا۔ اور عدالت میں ثبوت جُرم کے بعد اُسے سخت سزا دے دی۔ اس ایک ہی واقعہ نے لکھنؤ کی تجارت کی دُنیا میں تہلکہ ڈال دیا۔ پُرانی غفلتوں کی بدولت جو لوگ خلاف ورزی احکام شاہی کے عادی ہو رہے تھے کانپ گئے۔ اور پھر کبھی کسی کو زہر بیچنے کی جُرأت نہ ہوئی۔

اس کارگزاری کو چونکہ خاص بادشاہ کی زندگی سے تعلق تھا لہٰذا صرف یہی نہیں ہوا کہ آغائی صاحب کو بادشاہ کی دربار رسی کی عزت حاصل ہوئی بلکہ ساری رعایا سے لکھنؤ جو اپنے پابند دین بادشاہ سے بے انتہا محبت رکھتی تھی آغائی صاحب کے نام پر فریفتہ ہو گئی

کارخانہ عطر بابو دودھ بہاری لال رئیس تمر شاہ تاجر عطر پل غلام حسین متصل ... محلہ

مجھے عطروں کو ذوق سلیم اور لطف زندگی سے تعلق ہے اُن کے اعتبار سے لکھنؤ سب شہروں سے پہلے ہوئے ہے عطر کی تجارت کا مرکز کبھی قنوج تھا۔ اور آج لکھنؤ ہے لکھنؤ نے عطروں میں نفاست کی ایسی خوشگواری پیدا کی ہے جو اور کسی شہر کے عطروں میں نہیں۔ یہ کارخانہ بنیاد اس کے کبھی اسّی برس کا قائم کیا گیا ہو مدت دراز سے اپنی خوش معاملگی میں مشہور ہے۔ فی الحال اشتہار دینے کی یہ غرض لاحق ہوئی کہ اول تو ہم نے کارخانے کے نئے قواعد کی رو سے عام خریداروں کو عطروں پر اور خوشبودار تیلوں پر فی روپیہ ۔ کمیشن دینا منظور کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ کارخانے میں نئے روح افزا اور تازگی بخش عطر خاص اہتمام سے تیار کیے گئے ہیں جو خوشبو میں اچھے اور قیمت میں سستے ہیں۔ ملاحظہ ہو فہرست مندرجہ ذیل۔

روح پانڈی فی تولہ ے ر سے عـ ر
روح خس فی تولہ عہ ر سے للعہ ر
روح گلاب فی تولہ ے سے صہ
عطر کیوڑہ فی تولہ عـ ر سے ۶ ر
عطر گلاب فی تولہ ے ر سے ۸ ر
عطر موتیا فی تولہ ے ر سے ۶ ر
عطر جوہی فی تولہ ے ر سے ۸ ر
عطر سہاگ فی تولہ ے ر سے ۱۲ ر
عطر خس فی تولہ ے ر سے عـ ر
عطر مولسری فی تولہ عہ ر سے ۶ ر
عطر چمپا فی تولہ عہ ر سے ۶ ر
عطر گل فی تولہ ۱۲ ر سے ۶ ر
عطر برگ حنا فی تولہ عہ ر سے ۱۲ ر
عطر حنا فی تولہ ے ر سے ۸ ر
عطر گلخاص فی تولہ عہ ر سے للعہ ر
عطر کشمیر اصلی فی تولہ عـ ر سے عہ ر

عطر مٹی فی تولہ عہ ر سے ۸ ر
عطر سنگترہ فی تولہ عہ ر سے ۸ ر
عطر نسترن فی تولہ ے ر سے ۸ ر
عطر نارنگی فی تولہ عـ ر سے ۱۲ ر
عطر گینا فی تولہ عـ ر سے ۸ ر
عطر مجموعہ فی تولہ عـ ر سے ۶ ر
عطر سیوتی فی تولہ ے ر سے ۱۲ ر
عطر بہار فی تولہ ے ر سے ۱۲ ر
عطر چنبیلی فی تولہ عہ ر سے ۱۲ ر
روغن بیلہ فی سیر للعہ ر سے ۱۰ ر
روغن جوہی فی سیر عہ ر سے عہ ر
روغن حنا فی سیر ے ر سے عہ ر
روغن کیوڑہ فی سیر عہ ر سے عہ ر
روغن مصالحہ فی سیر عـ ر سے ۱۲ ر
قوام تمباکو مشکی خوشبودار فی تولہ عہ ر سے ۳ ر
گولیاں مشکی سادی فی تولہ ۱۲ ر سے ۱۰ ر

کتھہ خوشبودار مشکی ٹکیاں کیوڑہ دار عہ ر سیر تمر سے عہ ر۔ دوسرا سیر عہ فی تولہ پتی تمباکو نہایت تیز خوشبو عـ ر سے عہ ر کی خوشبودار للعہ ر سے عہ ر۔ عرق کیوڑہ عہ ر سے ۸ ر عرق گلاب عہ ر سے ۶ ر عرق بیدمشک فی بوتل عہ ر سے ۸ ر
عرق نعناع فی بوتل عہ ر سے
شربت انار فی بوتل عـ ر

ضوابط۔ صرف تیل یا عطر فرمائش کے واسطے روپیہ آنا چاہیے اگر عطر کے ساتھ بھی طلب کیا جائے گا تو چہارم پیشگی آنا چاہیے۔ صرف عطر

چند لکھنؤ کی خاص چیزیں

عطری ٹیبلیٹس یعنی عطر کی ٹکیاں (نفاست پسند
[illegible] زمانہ حال کے تعلیم یافتہ حضرات اس امر کے
[illegible] کہ ہندوستانی عطر سے دھبا پڑ جاتا ہے اور
[illegible] ہندوستانی عطر کی جگہ انگریزی لونڈر کا استعمال
[illegible] انھیں حضرات کی رفع شکایت کی غرض سے
[illegible] ایجاد عطر کی ٹکیاں ہیں جو بہر صورت دل و
[illegible] روح تک کو فرحت دینے والی ہیں۔ ان کے
[illegible] سے تاق کپڑے پر بھی نام کو دھبا نہیں آتا۔ لیکن ایک
[illegible] جیب میں رکھ لیجیے پھر آپ کو عطر کی شیشی کی ضرورت
[illegible] عطردان کی حاجت اور لطف یہ کہ کم خرچ اور بالا نشین
[illegible] قیمت کی ٹکیا بھی ہر وقت دل و دماغ کو معطر رکھنے
[illegible] کو کافی ہے۔ ان میں نہ کسی قسم کی چکنائیت نہ کسی
[illegible] و مشکوک شے کی آمیزش۔ ہماری تقلید میں دیگر
[illegible]ات نے بھی مختلف مقامات سے برائے نام عطر کی ٹکیاں
[illegible] بنا کے رکھے ہیں خریداری کے وقت یہ بات ملحوظ
[illegible] چاہیے کہ اور حضرات معمولی عطر سے ٹکیاں تیار کرتے
[illegible] اور چونکہ ہمارا خود عطر کا کارخانہ ہے لہذا ہم اعلیٰ درجے
خاص عطروں سے۔ پس ہم اس قدر عرض کرنے کی جسارت
[illegible] ہیں کہ آج تک جتنی ٹکیاں بنتی اور بکتی ہیں ان میں
[illegible] ٹکیاں سب سے اعلیٰ کہی جا سکتی ہیں۔

تفصیل قیمت		
قسم اول	قسم دوم	قسم سوم
بکس ۔ ۶ ٹکیاں ۸	بکس خورد ۶ ٹکیاں ۱۲	بکس خورد ۶ ٹکیاں ۱عہ
بکس کلاں ۱۲ ٹکیاں	بکس کلاں ۱۲ ٹکیاں ۱	بکس کلاں ۱۲ ٹکیاں ۲عہ

نوٹ۔ چھوٹے بکس میں ۶ مختلف قسم کی اور بڑے بکس میں ۱۲
مختلف قسم کی ٹکیاں ہوتی ہیں۔ اگر کوئی صاحب کسی خاص
[illegible] عطر کی ٹکیوں کے خواہشمند ہوں گے تو ان کی حسب مرضی
[illegible] قسم کی روانہ ہو سکتی ہیں۔

[illegible]ول اودھ۔ یہ ایک دلاویز بھینی اور نفیس خوشبو کا
مرکب ہے جسکا ایک پھاول بھر پان کے ساتھ کھانے سے
نہایت لذیذ و خوش ذائقہ و منہ و دماغ خوشبو سے معطر
ہو جاتا ہے۔ اسکی خوشبو لطیف و نازک اور دیرپا ہے پان منہ میں
رہنے تک منہ میں کوئی کمی نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے کیونکہ
کی تلخی و بدمزگی نہیں ہے۔ ہر طبقے میں اسکی عام مقبولیت پسندیدگی
کے ساتھ استعمال اسکی عمدگی و نفاست کی کافی دلیل ہے
قیمت بھی ارزان فی ڈبہ ۴/

منجن۔ یہ خوشبودار منجن دافع درد دندان مسوڑھوں کے ورم کو
نافع۔ بادی پن کی وجہ سے مسوڑھوں سے خون بہنے کو بند کرنے
و منہ کو دفع کرکے منہ میں خوشبو پیدا کرنے والا۔ دانتوں کے
کل امراض کو نہایت نفع بخش۔ مجلی و مصفی و مستحکم دندان ہے
جسکے ملنے سے دانتوں کی جڑیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ ہلتے
ہوئے دانت بھی تھوڑے دنوں کے استعمال سے جم جاتے ہیں
قیمت فی تولہ ۱/

مستی خوشبودار۔ طبقۂ اناث میں جس پسندیدگی سے
استعمال کی جاتی ہے اور ہندوستانی بناؤ سنگار میں جس مقبولیت
کے ساتھ شامل کی جاتی ہے وہی اسکے عام پسند ہونے کی کافی
شہادت ہے۔ ہمنے خاص اہتمام اور کوشش سے اودے اور سرخ
رنگ کی مستی نہایت اعلیٰ درجے کی تیار کرائی ہے جس میں
علاوہ اوصاف مذکورہ بالا کے نہایت ہی خوشگوار بھینی لطیف
خوشبو بھی ہے قیمت بہت مناسب رکھی گئی ہے۔ درجہ اول
فی سیر للعہ۔ درجہ دوم فی سیر ۱۰/۔ درجہ سوم فی سیر عہ/

سُرمہ۔ اس سرمہ کی تعریف صرف یہی نہیں کہ عام طور پر
آنکھوں میں خوشنما سیاہی پیدا کرکے خوبصورتی و نظر فریبی کو دوبالا
کرتا ہے بلکہ خاص طور پر تمام امراض چشم مثل ضعف بصارت
دھند۔ تیرگی۔ سوزش۔ سرخی۔ خارش چشم۔ نزول آب وغیرہ
کو نہایت مفید ہے قیمت بلحاظ فوائد اس شعر کے مصداق

سرمۂ مفت نظر ہوں مری قیمت یہ ہے
کہ رہے چشم خریدار پہ احسان میرا

المشتہر مصطفےٰ خان ارتضےٰ خان
چوک سبزی منڈی۔ لکھنؤ

آواز اتنی بلند ہوئی کہ دربار شاہی تک جا پہونچی - اور بعد ثبوت اُس تعلقدار کو سخت سزا دی گئی یا علاقہ اُسکے اختیار سے نکال لیا گیا - لیکن ایسے واقعات شاذونادر ہی پیش آیا کرتے - عام حالت یہی تھی کہ تعلقدار اپنے علاقہ کا پورا فرمان روا تھا - اور ناظم کو یہ حق نہ تھا کہ سوا محاصل سرکاری وصول کرنے کے اُس کے اور رعایا کے باہمی تعلقات مین کسی قسم کا دخل دے - ایسی صورت مین ظاہر ہے کہ دربار اودھ کا مقرر کیا ہوا ناظم ملک کی نہ کچھ اصلاح کر سکتا تھا - اور سچ یہ ہے کہ سوا اتفاقی صورتون کے اپنا رعب بھی پوری طرح نہین قائم کر سکتا تھا -

باوجود اس حالت کے جو کامیابی آنائی صاحب کو حاصل ہوئی حیرت انگیز تھی کیونکہ صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ سرکاری روپیہ وصول کر کے خزانہ شاہی مین داخل کرتے رہے بلکہ نظم و نسق مملکت کے متعلق اُنھون نے بہت سے ضروری اور اہم انتظامات کئے - جن سے اگر دربار اودھ زیادہ زمانے تک قائم رہتا تو شاید بے انتہا فائدہ اُٹھاتا - اور وہ انتظام جب بیرونی مقامات سے بڑھ کے خاص تخت گاہ مین بھی پوری طرح جاری ہو جاتا تو عقلائے زمانہ کو تسلیم کرنا پڑتا کہ سلطنت اودھ بھی ایک متمدن سلطنت ہے - لیکن افسوس اس کی نوبت ہی نہ آنے پائی تھی کہ معاملہ دگرگون ہو گیا - اور یہ مثل صادق آئی کہ ع آن قدح بشکست و آن ساقی نماند -

نوان باب

انگریزی قلمرو سے سرکش تعلقدارونکی گرفتاری

مالگذاری وصول کرنے مین ان دنون سب سے بڑی دشواری یہ پیش آیا کرتی تھی کہ اکثر باقیدار تعلقدار جب اور کوئی بات نہ بنتی تو بھاگ کر سرکار دولت مدار برطانیہ کے علاقہ مین چلے جاتے - اور ناظمان سلطنت کا کچھ زور نہ چلتا - سلطنت اودھ کے رقبہ مین بارہا تغیر و تبدل ہوا تھا - سلطان پور کا علاقہ جو کسی زمانے مین سلطنت اودھ کے درمیان مین واقع تھا اب ہر چہار طرف سے انگریزی علاقون سے ملا ہوا تھا - بستی - گورکھپور - اعظم گڈھ - جون پور - الہ آباد - فتحپور - یہ وہ سب اضلاع

تھے جن کی سرحد سلطان پور کی سرحد سے ملتی تھی - اور یہ مذکورہ اضلاع اب قلمرو انگریزی مین شامل ہو چکے تھے - بعض ایسے تعلقدار بھی تھے جن کا کچھ علاقہ سلطان پور مین اور کچھ انگریزی اضلاع مین تھا - اور دونون سلطنتون سے تعلقات رکھتے تھے - اُن کے لیے سرکار اودھ کی واجبی تقاضا یا بیٹھنے کی سب سے آسان تدبیر یہی تھی کہ اپنے اُس گاؤن مین جا کے بیٹھ رہتے جو سرکار عالیہ برطانیہ کی قلمرو مین ہوتا -

یہ حالت دیکھ کے آغائی صاحب کو فکر پیدا ہوئی کہ سب سے پہلے اس دشواری کو دور کرنا چاہیے - اور ایسا مستقل انتظام کیا جائے کہ یہ بے اصول اور بدعہد لوگ اس دو عملے سے فائدہ نہ اٹھا سکین - دیگر سابق ناظمون کی معراج کمال یہ تھی کہ سرکش تعلقدار سے لڑے - اُسے شکست دی - اگر گرفتار کر پایا تو جو کچھ مل سکا اُس سے وصول کر لیا اور وہ بھاگ گیا تو اس کا علاقہ لوٹ لیا - آغائی صاحب اس کامیابی کو سب سے ادنیٰ قسم کی کامیابی تصور کرتے تھے - اُن کا مذاق آج کل کے متمدن منتظمین سلطنت کی طرح یہ تھا کہ جو کچھ کیا جائے تدابیر اور حکمت عملی سے کیا جائے - جرائم اور سرکشیون کا استیصال کر دیا جائے تاکہ پھر اس قسم کی خرابیان ہی نہ پیدا ہونے پائین جو سرکاری عہدہ دارون کو اکثر ناکام رکھا کرتی ہین - اور ان خرابیون کے استیصال کے لیے سب سے مقدم یہ امر تھا کہ وہ دشواریان سامنے سے ہٹائی جائین جو دو سلطنتون کی سرحد ملنے کے باعث پیدا ہوا کرتی ہین - اس مشکل کے دور کرنے کے لیے آغائی صاحب نے جو کارروائیان کین اُن کے دو ایک نمونے پیش کیے جاتے ہین -

راجہ مادھو پرتاب سنگھ گڑھ وار ضلع سلطان پور کا تعلقدار جو ایک معزز اور خاندانی راجہ دہلی کے قدیم راجہ پرتھی راج کی نسل سے تھا - آغائی صاحب نے اُس سے مالگذاری کا تقاضا کیا اور سختی کرنا چاہی - وہ بھاگ کے الہ آباد مین ہو رہا - اور تربینی کے پنڈون مین سکونت اختیار کر لی - جب یہ حال قابل اطمینان طریقے سے آغائی صاحب کو معلوم ہوا تو کمشنر صاحب بہادر الہ آباد کے نام ایک چٹھی لکھ کے یٰسین خان رسالدار کو دی - اور حکم دیا کہ راجہ مادھو پرتاب سنگھ جہان ملے گرفتار کر لاؤ - یٰسین خان نے وہ چٹھی کمشنر صاحب کو جا کے دی تو اُنھون نے مدد دینے کا وعدہ کیا - اور عین تربینی مین راجہ صاحب ماخوذ کیے گئے - اُنھون نے اور دیگر پنڈون نے لاکھ عذر کیا کہ یہ مقدس و محترم مقام ہے یہان کسی

کو گرفتار کرنا جائز نہیں ۔ مگر گشتہ ناظم صاحب نے بلا تامل حکم دے دیا کہ ترہنی سے نکال کے ناظم
صاحب کو یٰسین خان کے حوالے کر دو ۔ یٰسین خان الٹے پانوں حراست میں آغائی صاحب
کے سامنے لائے ۔ جہاں مالگذاری سرکاری کی کوڑی کوڑی ادا کر کے انھوں نے اپنا
پیچھا چھڑایا ۔ اور سارے علاقہ میں مشہور ہو گیا کہ اب ان ناظم صاحب کے زمانے میں
کوئی انگریزی علاقہ میں بھی جا کے پناہ نہیں پا سکتا ۔
اس سے بھی زیادہ پرلطف واقعہ جگلہ العوینہ کے بد تعلقداروں کا ہے جو
آمادۂ بغاوت بھی پر آمادہ تھے ۔ یہاں کے بنگلہ دار مرزا آغا حسن صاحب تھے ۔ ان کا جب کچھ
زور نہ چلا تو ناظم صاحب (آغائی صاحب) کو اطلاع کی ۔ وہ تو ایسے موقعوں کے لیے
تیار ہی بیٹھے رہا کرتے تھے فوراً العوینہ کی طرف کوچ کر دیا ۔ ان کی روانگی کی خبر سنتے ہی
بد تعلقداروں میں گھبراہٹ پیدا ہوئی ۔ مقابلہ اور مزاحمت کی تو جرأت نہ ہوئی
علاقہ سے بھاگ گئے ۔ پتہ لگانے کے لیے ہرکارے دوڑائے گئے اور چند روز میں معلوم
ہوا کہ انگریزی ضلع گورکھپور میں ہیں ناظم صاحب کی مستعدی دیکھیے کہ اسی وقت کوچ بول
دیا اور خود بہ نفس نفیس گورکھپور کی راہ لی ۔ دولت اودھ کی قلمرو سے نکل کے جیسے
ہی انگریزی علاقہ میں قدم رکھا ۔ جو پہلا گاؤں ملا اس میں کسی کاشتکار کے کھیت میں پونڈے
لگے ہوئے دیکھے ۔ خدمتگار سے کہا ایک گنا تو توڑ لاؤ ۔ کسی ہمراہی نے عرض کیا
کہ حضور یہ انگریزی علاقہ ہے ۔ کہا میں بھی جانتا ہوں ۔ مگر ایک گنے کے توڑ لینے میں کیا مضائقہ
ہے ۔ اور کچھ اسی پر کیا موقوف ہے ہمراہیوں میں سے جس کا جی چاہے ایک گنا توڑ لائے ۔
عجیب و غریب اجازت پاتے ہی تمام ہمراہی کھیت میں گھس پڑے اور دم بھر
میں سارا کھیت صاف کر دیا ۔ یہ ماجرا دیکھتے ہی سارے گاؤں میں ہلچل پڑ گئی ۔
اور ہر طرف افواہ مشہور ہوئی کہ شاہی فوج نے حملہ کر دیا ۔ کھیت والا ڈرا اور سہما
ہوا حاضر ہوا ۔ اور فریادی ہوا ۔ آغائی صاحب نے پوچھا تیرا کس قدر نقصان ہوا ہے ؟
عرض کیا ڈیڑھ سو روپیہ ۔ کہنے کی دیر تھی ۔ خزانچی کو حکم ہوا ۔ اور اسی وقت روپیہ
گنوا دیے گئے ۔ اس دست برد اور پھر ایسی بے جگری کی فیاضی اور رحم دلی کا قصہ مشہور
ہوتے ہوتے حاکم ضلع کے گوش گزار ہوا ۔ اور اس شان سے کہ اودھ کی فوج والوں
نے سرکاری علاقہ میں لوٹ مچا دی ہے ۔ آغائی صاحب نے یہ کارروائی کی بھی اسی غرض

کے لیے تھی - کلکٹر صاحب چند پولیس کے جوانون کو ہمراہ رکاب کے اُسی سرحدی گاؤن
مین آئے جہان آغائی صاحب ٹھہرے ہوئے تھے - یہان پہونچ کے اُنھین معلوم ہوا کہ کلکٹر
ہی نہین بلکہ خود ناظم سلطان پور مرزا آغا علی خان بہادر آئے ہوئے ہین - نہایت
تپاک سے باہم مُلاقات ہوئی - تعلقات محبّت کو ترقی ہوئی - آغائی صاحب نے اپنے علاقہ کے
مفرورین کا ابھی تذکرہ بھی نہین چھیڑا تھا کہ وہ سب خود ہی حاضر ہو گئے - اور جب اُن
کی حالت بیان کی گئی تو کلکٹر صاحب نے اُنھین بہت ڈانٹا ڈپٹا - اور فرمایا کہ "خبردار پھر
کبھی یون انگریزی علاقہ مین آ کے پناہ گزین ہونے کا نام نہ لینا" اِس کارروائی کے
بعد دونون دوستون نے ایک دوسرے کی دعوت کی - ناظم صاحب کے ہمراہی چھکڑون
مین سے بعض ٹوٹ گئے تھے - صاحب کلکٹر نے اُسی وقت بڑھئی بُلوا کے اُن کو بنوا
دیا - جب سامان سفر دُرست ہو گیا تو کلکٹر صاحب اِن مفرورین کو آغائی صاحب کے حوالہ
کر کے واپس تشریف لے گئے - اور آغائی صاحب اُنھین گرفتار کر کے اپنے علاقہ
مین لائے - دم بھر مین اُن سے رقم سرکاری وصول کر لی - اور سمجھا بُجھا کے بکمال
مرحمت اُنھین آزادی دی -

اِس طریقہ سے آغائی صاحب نے اپنا مقبوضہ علاقہ نہایت ہی درست کر لیا -
نادہندون سے نادہندی کی عادت چھڑا دی - اور اِدھر اُدھر بھاگنے والون کے
پاؤن مین حُسن انتظام کی مضبوط زنجیرین ڈال دین - نہ کسی کی یہ مجال تھی کہ روپیہ ادا
کرنے مین بغیر باضابطہ اجازت حاصل کیے ایک دن کی تاخیر کرے - اور نہ کسی کے وہم
و گمان مین یہ گزرتا تھا کہ حدود مملکت سے نکل کے کسی اور جگہ پناہ لے - یا دھوکا دے
کے دولت برطانیہ کے دامن مین چھپے - لیکن رُستم شاہ نام ایک ایسا تعلقدار باقی رہ
گیا جو اپنی چالاکیون اور فتنہ و فساد سے کسی طرح باز نہ آتا تھا - اُس کے واقعات
نہایت دلچسپ ہین - جن سے اُس عہد کی تصویر بھی اچھی طرح نظر آ سکتی ہے - اور
یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ سلطنت اودھ نے رعایا کو جو غیر معتدل آزادی دے
رکھی تھی اُس نے کیسے کیسے لوگ قلمرو مین پیدا کر دیے تھے - قطع نظر اِس کے
اُس شخص کے حالات مین ناظرین کو لطف بھی بہت زیادہ آئے گا - کیونکہ اُس مین ایک بڑے
اَیڈونچرر کی زندگی کی دلچسپیان ہین اور قصّہ کی شان پائی جاتی ہے -

رستم شاہ چکلا الدمئو کے ایک گاؤن دیرہ کے زمینداروں کے خاندان کا ایک معمولی شخص تھا - زمینداران دیرہ کا خاندان پرانا اور تاریخی خاندان تھا انیسوین صدی کے آغاز مین بابو مادھو سنگھ ریاست کا مالک اور خاندان کا سرغنا تھا جس کے قبضہ مین ایک سو ایک گاؤن تھے - اور خاموشی و خوش انتظامی سے علاقہ کا بندوبست کیا کرتا تھا - ۱۸۲۳ء مین جب اُس نے انتقال کیا تو سوا اُس کی بیوہ دریاؤ کنور کے اُس کا کوئی وارث نہ تھا - دریاؤ کنور شوہر کے بعد تعلقداری کی گدی پر بیٹھی - وہ غیر معمولی قابلیت اور شجاعت کی عورت تھی ۲۹ برس تک اپنے علاقہ پر ایسی خوبصورتی و خوش انتظامی - اور رعب داب کے ساتھ حکومت کرتی رہی کہ آس پاس کے تعلقدار اُسے حسد کی نگاہ سے دیکھتے تھے - اپنے دشمنون کے ہاتھون اُسے بڑی بڑی مصیبتون اور سختیون سے سابقہ پڑا - اور عزیزون نے اُس کے زک دینے مین کوئی تدبیر نہین اُٹھا رکھی - مگر وہ اس بلا کی عورت تھی کہ سب کو ناکام واپس کرتی - اور اپنی قوت کو روز افزون ترقی دیتی - آخر اُس کی کارگزاریون سے یہ ایک سو ایک گاؤن کا معمولی علاقہ اعلے درجہ کی ریاست اور بہت بڑا راج بن گیا - اُس کے علاقہ کی سرحد پر فتح بہادر سرب دھمان سنگھ - اور شیوراج سنگھ کے ایسے زبردست دلاور اور منچلے شوریدہ سر رہتے جو اکثر برٹش گورنمنٹ کی اُس فوج پر بھی جا پڑا کرتے جو خزانہ لے جایا کرتی تھی - مگر دریاؤ کنور کا اس قدر لوہا مانے ہوئے تھے کہ باوجود رقابت و عداوت کے اُس کی طرف رُخ کرنے کی جرأت نہ کر سکتے - اور مجال نہ تھی کہ اُس کے علاقہ مین قدم رکھین - دریاؤ کنور نے اپنے علاقہ مین جو انتظام کر رکھا تھا اُس کی مضبوطی کا اِس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ اکثر اوقات اپنے عزیزون اور دوستون سے ملنے کے لیے چپکے سے انگریزی علاقہ مین چلی جاتی - مہینون وہان رہتی - مگر اُس کے گاؤن دیرہ مین کسی کو کانون کان خبر بھی نہ ہوتی کہ رانی صاحب کہین گئی ہوئی ہین - ہند و صرنام ایک برہمن سے اور رانی دریاؤ کنور سے کسی بات پر تکرار ہو گئی - رانی نے برہم ہو کے اپنے بعض نوکرون کو اُسے معمولی سزا دینے کا حکم دیا تھا مگر اُن نوکرون نے غلطی سے برہمن مذکور کو مار ڈالا - جب وہ مار ڈالا گیا تو رانی نے اُس کی تمام جائداد بھی اپنے قبضہ مین کر لی -

کرنل سلیمن ریزیڈنٹ لکھنؤ نے اِس جوانمرد عورت کے حالات بہت تفصیل سے

لکھے ہیں۔ جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ناظم صاحب سابق مان سنگھ سے اس سے
بہت موافقت تھی۔ اور مان سنگھ کی مدد سے اُسنے بڑے بڑے کام کیے تعلقہ بیرسنگھ
پور کے تعلقداروں شیو... سنگھ اور جسودار سنگھ کو ان کے علاقوں سے بےدخل کر کے
اُن کی جائداد کی آپ مالک بن گئی۔ مذکورہ تعلقداروں کو اپنی جائداد سے دست
بردار نہیں ہوتا پڑا بلکہ اُن کی جانشین بھی اسی ہوشیار رانی کی مخالفت کیا کرتے ہیں۔

رستم شاہ اس عجیب و غریب رانی دریاؤ کنور کا عزیز تھا۔ مگر مدت
دراز سے دونوں میں دشمنی و عداوت چلی آتی تھی۔ ۱۸۳۵ء میں اس نے ارادہ کیا
کہ دیرہ پر ناگہاں حملہ کر کے اپنا قبضہ کرلے مگر رانی نے آدمی ہوشیار رکھے سخت لڑائی
ہوئی۔ رستم شاہ کا باپ چھتر پال سنگھ میدان جنگ میں مارا گیا۔ اور اُسے سخت ناکامی
کے ساتھ واپس آنا پڑا۔ اب رستم شاہ نے جاسوس مقرر کیے جو رانی دریاؤ کنور کے
نقل و حرکت کے نگران رہتے۔ اور گھڑی گھڑی کی خبر اُسے پہونچایا کرتے۔ اصل
یہ ہے کہ رستم شاہ جنگ آزما ہوشیار اور شمشیرزنی میں اعلیٰ کا لوہا مانا گیا تھا لہذا چاہتا
تھا کہ کسی طرح اپنی ناکامیوں اور اپنے باپ کے خون کا بدلہ لے۔

ایک دن میلے کے ایام میں جاسوسوں نے خبر دی کہ رانی مخفی طور پر اجودھیا
کے تیرتھ کو جارہی ہیں۔ رستم شاہ فوراً اپنے جوانوں کو ساتھ لے کے چلا۔ اور
سورج کنڈ کے تالاب کے قریب پہونچ کے دیکھا کہ پالکی اور ایک سکھپال کو لیے جاتے
ہیں۔ اور دو آدمی ہمراہ رکاب ہیں۔ رستم شاہ کی آہٹ پاتے ہی خود رانی نے پوچھا
"یہ سوار کون ہے؟" رستم شاہ نے جواب دیا "وہ شخص جسکی تمھیں مدتوں سے
تلاش ہے۔ اور وہ بھی ایک زمانہ سے تمھارا اشتیاقی ہے" یہ جواب سُن کے رانی بولی
"اچھا تو گھوڑے سے اُترو" رستم شاہ اُترا اور اجازت پا کے سکھپال کے
پاس بیٹھ گیا۔ چند باتیں ہوئیں۔ جن کے بعد رستم شاہ نے اپنے جوانوں سے کہا کہ رانی
کو گھاگھرا پار لیے جاؤ۔ جہاں اس خاندان کے چند لوگ رہتے تھے۔ اور رستم
شاہ نے گھوڑے پر سوار ہو کے دیرہ کی راہ لی۔ گھاگھرا پار لیجا کے رانی سے
اُس کے تمام علاقہ اور راج کا ہبہ نامہ رستم شاہ کے نام زبردستی لکھوا لیا گیا۔ اور
اُسے آزادی دی گئی۔ اس واقعہ سے رانی دریاؤ کنور کو ایسا صدمہ عظیم پہونچا

کتاب نہ اسکی پیدا ہوئی اور نہ ہی بیٹہ بعد مرگئی - اور رستم شاہ اسکی گدی پر بیٹھ کے دیرہ کا راجہ بن بیٹھا - مان سنگھ نے بدولت دنوں سلطنت اودھ کی طاقت کے نام تھا در باد کنور کے تعلقات جلا دیے اور اس کی کل جائداد پر رستم شاہ کو موجب بغیر کسی جھگڑے اور خرخشے کے قابض کرا دیا -

اس کارروائی کے بعد مان سنگھ دیرے سے کادی پور چلا گیا اور رستم شاہ اور دیگر معززین تعلقہ کو بھی اپنے ساتھ لایا - یہاں پہونچ کے رستم شاہ کو معلوم ہوا کہ ماں اور دھوکے اسکے ساتھ دغا بازی کی ہے اور اسے دھوکہ دے کے خود اپنی غرض پوری کی ہے - کیونکہ مان سنگھ نے اس علاقہ کا نام اپنے نام سے مان گڈھ رکھ کے اصل میں ریاست کو اپنے نام کر لیا تھا - یہ حال معلوم ہوتے ہی رستم شاہ غصہ سے آگ بگولا ہو گیا اور مان سنگھ کے سامنے بے تکلف کہہ بیٹھا اس علاقہ کا اصلی نام تو سیپنگر ہے آئندہ سب اقتضائے قدرت جاہے مان گڈھ کہئے اور چاہئے بے ایمان گڈھ کہئے شاید اسی وقت لڑائی چھڑ جاتی اور نوبت کشت وخون کی نوبت آئی لیکن ایک جوتشی پنڈت نے رستم شاہ سے بیان کیا کہ لڑائی کے لیے یہ ساعت اچھی نہیں ہے - اور اس کے کہنے پر لڑائی ٹل گئی - اس کے بعد تھوڑے زمانہ تک مان سنگھ اور رستم شاہ میں جھگڑا رہا - جس کا فیصلہ اس طریقہ سے ہوا کہ مان سنگھ نے اپنے اقتدار ذاتی سے ۹۵۰۰۰ روپیہ کے رستم شاہ کو حسب ضابطہ تعلقدار بنا دیا - اور وہ آزادی کے ساتھ در باد کنور رانی کی جگہ بیٹھ کے حکومت کرنے لگا -

اب رستم شاہ کی یہ حالت تھی کہ بڑا ہی دانا و فہیم اور ہوشیار تعلقدار تھا - یہاں تک کہ غدر میں بھی جبکہ اکثر تعلقداران ادھر سے لغزشیں ہو گئی تھیں وہ آخر تک نیک نام اور کامیاب رہا - اسی قدر نہیں بلکہ اول درجہ کے خیر خواہان سرکار میں شمار کیا گیا - اور سرکاری کاغذات میں اس کا ذکر نہایت تعریف کے الفاظ کے ساتھ اکثر جگہ موجود ہے -

اسی رستم شاہ سے آخر آغائی صاحب کو سابقہ پڑا - اسکی حالت یہ تھی کہ کسی طرح زر مالگذاری ادا کرنے کا نام ہی نہ لیتا تھا - اور پھر دربار اودھ سے اور نیز ریذیڈنسی سے ایسے تعلقات پیدا کر رکھے تھے - کہ اس کے مقابل خود ناظموں اور حکام [illegible]

کی شنوائی نہ ہوتی تھی - اِس کا علاقہ دیرہ چکلہ الدیمئو کے رقبہ مین واقع تھا - آغائی صاحب
سنے یہان کا چکلہ دار پہلے تو میر مہدی حسن کو مقرر کیا تھا لیکن جب اُن کی کارروائیون سے
زیادہ عمدگی نہ ظاہر ہوئی تو اپنے بھائی آغا حسن کو بجائے مسند چکلہ داری عطا کی - مرزا
آغا حسن صاحب اِس سے پہلے بہرائچ مین ایک شاہی پلٹن کے کمیدان تھے - اور اُس
عہد کے وضعدار لوگون مین تھے - بہادر سپاہی تھے اور بات کے دھنی - اور بڑے ہی نڈر
اور بیباک شمار کیے جاتے تھے - چکلہ داری کا انتظام ہاتھ مین لیتے ہی اُنھون نے ایک ایک
کر کے تمام شورہ پشت تعلقدارون کی قوت توڑ دی - اور ایسا سیدھا کر دیا کہ بے تکلف
و بے عذر زر مالگذاری ادا کر دیتے - جن لوگون پر اُن کی ذاتی کوششین اثر نہ کرتین
اُن کی بدمعاملگی کی اطلاع ناظم صاحب کو کرتے -

آخر کار مرزا آغا حسن اور رستم شاہ مین اختلاف پیدا ہوا - جس کی بنیاد
یہ تھی کہ جب رقم سرکاری طلب کی گئی تو رستم شاہ نے بیس ہزار روپیہ کی ایک دستاویز
نالکار پیش کی - اور اُس کی رقم کو اپنی مالگذاری مین مجرے کرانا چاہا - مرزا آغا حسن
سنے اس کے قبول کرنے سے اِس بنا پر انکار کیا کہ اُس دستاویز پر نہ محکمۂ وزارت
کی مہر تھی - نہ دفتر نظامت کے کسی حاکم مجاز کے دستخط تھے - صرف ایک چکلہ دار سابق کا نام
اُس پر لکھا ہوا تھا جو کسی طرح قابل تسلیم نہ ہو سکتا تھا - مگر رستم شاہ اُڑا ہوا تھا کہ یہ دستاویز
آپ کو منظور کرنا ہوگی - مرزا آغا حسن نے ناظم صاحب یعنے اپنے بھائی آغائی صاحب
کی خدمت مین جو ان دنون لکھنو آئے ہوئے تھے اِس معاملہ کی رپورٹ کی - اور یہ
بھی لکھدیا کہ بغیر فوج کشی کیے یہ روپیہ نہین وصول ہوگا - آغائی صاحب نے دیگر کاغذات
نظامت کے ساتھ اِس مسئلہ کو بھی وزیر سلطنت نواب مدارالدولہ علی نقی خان بہادر
کے مُلاحظہ مین خود لیجا کے پیش کر دیا - یہان رستم شاہ کا اتنا اثر پڑا ہوا تھا کہ لڑائی
کا نام سنتے ہی علی نقی خان بہادر نے فرمایا "رستم شاہ سے ہرگز لڑائی نہ کی جائے -
اور چکلہ دار کو منع کر دو کہ ایسی کارروائی سے باز آجائے "

آغائی صاحب کو کوئی ذاتی تعلق تو تھا نہین - نواب وزارت مآب کی زبان
سے جو حکم سُنا بجنسہ مرزا آغا حسن صاحب کے پاس بھیجدیا - وہ ایک اُجڈ سپاہی تو تھے
ہی - خلاف اُمید یہ جواب دیکھ کے اسقدر آپے سے باہر ہوئے کہ قلم اُٹھا کے بے

...دعربی بچے بہادر نوجوان - اور پھر اُسکے ساتھ عرب کی دغا بازی اور انتقام لینے کی تصویر بنی غسان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو پرویز کے حالات - شیرین و مریم کی سرگذشت - ...

ملک العزیز ورجنا - مسیحی صلیبی لڑائی پر چہرہ دل - اور صلاح الدین اعظم معرکہ کارزار - دغا بازی اور سرفروشی - اور پھر اسکے ساتھ سچا عشق -

حسن انجلینا - روس اور روم کی لڑائی - ایرانیون اور ترکون کی پھوٹ - اس کا انجام اور پھر آخر مین اتفاق اور اتحاد -

منصور موہنا - ارض سندھ مین ایک مسلمان تصاری خاندان - اس کی تباہی - اور پھر محمود غزنوی کی مدد سے اس کا سنبھلنا - حسن عشق کی نہایت دلفریب دلکش تصویر مین مسلمان مجاہد کے آگے مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری - ...

فردوس بریں - نہایت ہی حیرت انگیز ناول باطنیہ حشیشیین - اور اُن کے فدائی جنت کی سیر - ایک عاشق کی لڑکی کا حورین جانا - اس کے عاشق کا باطنی لوگون کے ہاتھ مین ... کے خراب ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ اُس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رُخ - اس مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے - بے مثل دبے نظیر ناول ہے -

شہید وفا - غرناطہ اور اسپین مین مسلمانون کا زوال - اور اس زوال کی حالت مین بھی ایک سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا - عشق حسرت واندوہ کی سچی تصویر - عہ

میش شندی - بابو بنکم چندر چٹرجی کے اس نام کے ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اردو مین - عہ

دلچسپ (دو حصہ) مصنف کا پہلا زور قلم عشق اور اُس کی بیتابیان - خاندانی جھگڑے بگڑے شریف زادے - اس کا شہر خاص شان اور خاص رنگ کا ہے - عہ

دلکش - (دو حصہ) طالب علمی اور عشق نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق نہایت دلکش اور پُر لطف - ۱۲ر

نوالوکی دولھن - ایک نہایت ہی دلچسپ انگریزی ناول کا ترجمہ کرکے دلگداز مین شائع کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا - ۱۲ر

آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے دور کی ایک مزہ دار تصویر - جو عورتین دھوکہ دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات سمجھتی ہین اُنکی غفلت کا خمیازہ - ۵ر

بدر النسا کی مصیبت - ایک حسرتناک داستان جس مین ریل پر بیویون کے بدل جانے سے طرح طرح کی خرابیان پیدا ہوتی - ۶ر

میوہ تلخ - ایک دلچسپ ڈراما رضامندی اور نارضامندی کی شادیان - ۸ر

جلد ہاے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء (اس سال صرف پانچ رسالے نکلے تھے) عہ

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۳ء (صرف آٹھ رسالے نکلے تھے) عہ

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء (مکمل بارہ پرچے) عہ

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۴ء (اس مین ابتدائی چند رسالے سنہ ۱۹۰۴ء کے اور مابقی سنہ ۱۹۰۵ء کے ہین جنھین ملا کے ایک جلد مرتب کی گئی) عہ

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے) عہ

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے) عہ

سلسلۂ مشاہیر اسلام

غیر زبان کے لٹریچر میں جن نامور بزرگون کے نام آیا کرتے ہین اُن کے حالات تھوڑے بہت اُنھین موجود ہوتے ہین۔ مگر اردو زبان مین دولت کے لحاظ سے نہایت ہی مفلس ہے ۔ اسی خیال سے ارادہ کیا گیا کہ جو مشاہیر کے نام ہمارے بچون تک کو یاد ہوا کرتے ہین اُن کی سوانح عمری مرتب کے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیئے کہ ہر ایک کے حالات مین ایک مستقل رسالہ تحقیق و تنقید کے ساتھ مدون ہو جائے ۔ اگر احباب رفقا و ناظرین کی حوصلہ افزائی سے سلسلہ شروع کر دیا گیا تیمنا و تبرکا پہلے مشائخ صوفیہ کیطرف توجہ کی گئی چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی پبلک کے ہاتھ مین ہو اور اُس کی قیمت ۸ہے جن صاحبون کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائین۔ دوسرا نمبر ابوبکر شبلی جس مین حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہین۔ زیر طبع ہے ۔

قدردانون سے امید ہو کہ اس سلسلہ کی قدر افزائی فرمائین گے ۔ اور عام اجازت دیتے ہین کہ اس کا ہر نمبر شائع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت مین ویلیو پے ایبل بھیجدیا جایا کرے ۔ قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائے گی ۔

یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا۔ لیکن اگر قدردانون کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس سلسلہ کے نمبر جلد جلد شائع ہون گے ۔ اور زیادہ سستے کر دیے جائین گے ۔ ہمین اپنے احباب خاص اور قدردانان ملک سے عموماً امید ہے کہ خود بھی اس سلسلہ کی سرپرستی فرمائین گے اور اپنے احباب کو بھی اس کی ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کرین گے ۔ ہم محنت کرنے کو تیار رہین ۔ لیکن اس کو تقویت دیکے جاری رکھنا اور عام پبلک کو اس کی طرف متوجہ کرنا اہل ملک اور خصوصاً مسلمانون کا کام ہو

ضروری اطلاع

آیندہ سے جملہ خط و کتابت عزیزی محمد فاروق منیجر دلگداز سے کی جائے ۔ اور منی آرڈر وغیرہ بھی اُنھین کے نام پر آئین ۔ وہی قدردانان دلگداز کے احکام کی تعمیل کرینگے اور اُنھین کے مرسلہ وی۔ پی ناظرین کی خدمت مین حاضر ہونگے فقط

الملتمس محمد عبدالحلیم شرر پروپرائٹر و ایڈیٹر دلگداز

دلگداز

(مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) سنہ ۱۹۱۹ء

نمبر ـــــــ ـــــــ جلد

ایڈیٹر مولانا محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ

قیمت مع محصول کل پرچہ مضامین ناول تاریخ سالانہ عہ

اِن میں سے کوئی دو جز لیے جائیں تو ۔ ۲؍

اور کوئی ایک ہی جز لیا جائے تو ۔ ۱؍

(قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کر)

لکھنؤ محلہ کٹرہ بیزن بیگ خاں سے شائع ہوا

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کے تصانیف موجودہ دفتر دلگداز

تاریخ اور لٹریچر

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیاں جو بیت المقدس کی حکومت کے لیے صدیوں تک مسلمانوں اور عیسائیوں میں جاری رہیں مصنف [illegible] انگریزی مؤرخ مسٹر کاکس کی کتاب کا ترجمہ [illegible] عربی تاریخوں سے لیے گئے ہیں۔

تاریخ سندھ جلد اول - ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد [illegible] قاسم تک۔ اس کتاب کے پڑھنے سے نظر آسکتا ہے کہ فاتحین عرب نے سندھ میں کیا کیا۔ اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخوں کی نہایت قابل وثوق طریقے سے غلطیاں [illegible] کی گئی ہے۔

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی [illegible] کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات [illegible] زندگی آپکی تعلیمیں آپکا تصوف اور آپکا فلسفہ الہی۔

حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی - اُس کی تعلیمیں اُس کا علم و فضل اور [illegible] جانبازان فدائی۔

اسلامی سوانح عمریاں - [illegible] مشاہیر اسلام کے جو حالات اخبار مہذب میں شائع ہوا کرتے تھے ان کی چند کاپیاں زائد چھپوالی جاتی تھیں جو اخبار کی [illegible] ہیں - چند ہی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔

ملکہ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی شہزادی ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے [illegible] دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔

لارڈ بیکن - بانی فلسفہ جدید کے حالات اور اُس کا فلسفہ۔

افسانۂ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی - جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شائع ہوئے تھے۔

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی کئی نمبروں پر تقسیم ہو کے دلگداز میں شائع ہوا تھا - [illegible] نے بے تعداد اگانہ چھاپ لیا۔

ناول

یوسف و نجمہ - اس کے چند نامور [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] جلدیں شائع [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] ملکیہ - [illegible] صلیبی لڑائی کے واقعات [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کا ناول ہے۔

فتح اندلس - [illegible] [illegible] [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ساتھ شاہ [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ساتھ [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] ہے۔ [illegible] میں کیسی جان ڈالی ہے۔

مقدس نازنین - ایک برٹن لیڈی کا علم و فضل اور ظاہری زہد و تقوے میں ترقی کرنا [illegible] ہوجانا مسند پاپائی پر پہنچنا اُس کا وضع حمل شہر روم میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھ سے اُسکا نجات پانا۔

فلورا فلورنڈا - ہسپانیہ کے عہد خلافت آل مروان میں عیسائیوں کی حالت - اور ان کا مجنونانہ شوق شہادت - ایک مسلمان لڑکی کو بہکا کے خراب [illegible] اور اُس خرابی کا تعجب انگیز اور عبرت بنیاد خونی انجام۔

ایام عرب - دو حصے - جاہلیت عرب کے رسم و رواج - شاعری اور بہادری - رزم اور بزم [illegible] صحرا کا عشق اور محمل کا عشق [illegible] شاہزادیاں

ایک چھوٹے ذرّے کی سرگذشت

میں اپنے تنگ و تاریک کلبۂ احزان میں بیٹھا ہوا تھا - وہاں شکستہ چھپر کے دو رخنے سے میں دیکھتا تھا - اور خیال فضائے عالم کے ناپیداکنار میدان میں اُڑتا پھرتا تھا - خیال کے رہوار پر سوار ہو کے میں نے گشت شروع کی تو کرات فلکی کے پاس جا پہنچا - اور دیکھنے لگا کہ کتنے کتنے بڑے اور کیسے کیسے عظیم الشان کرے کس سرعت اور تیزی کے ساتھ فضا میں چکر لگاتے پھرتے ہیں - اور کس طرح اپنی دھن میں لگے ہوئے ہیں کہ ایک پل کے لیے بھی قرار نہیں لیتے - پھر اُن کرات کی کثرت اور اُن کے حجم و مقدار پر نظر پڑی - اور دل حیرت زدہ گھبرا کے بول اٹھا کہ وہ میدان تخلیق انھیں لاکھوں کروڑوں کُروں سے بھرا ہوا ہے جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک عالم ہے - اور ہم ان سب کی کنہ حقیقت اِن کے حالات و اطوار - اور ان کے اغراض تخلیق سے کس قدر ناواقف ہیں ؟

اپنا عجز اور یہی حقیقت یاد آنا تھی کہ خیال سب طرف سے پھر پھرا کے اور کروڑوں پدموں میل کی مسافت طے کر کے پھر اپنے اُسی کلبۂ احزان میں واپس آیا اور یہی حقیقت دریافت کرنے میں مشغول ہوا - کہ طلسم قدرت کے محافظ فرشتوں نے روکا اور ڈانٹ کے کہا دور ہی - آگے قدم نہ بڑھانا - سب سے بڑا طلسم خود تیرا نفس ہے - جسے تو ہرگز نہیں سمجھ سکتا " سیاح خیال اس قدرتی ڈانٹ پر سہما -

اور دہشت سے گھبرا ہو گیا۔ گھبرا کے بھاگنا چاہتا تھا کہ چھت میں ایک شگاف
نظر پڑا جس میں سے شعاع آفتاب نے اندر آ کے زمین پر دھوپ کی ایک نورانی سی
بنا دی تھی۔ اس چیز سے چھت کے سوراخ تک نور کی ایک سیدھی راہ دکھائی
دی جس میں لاکھوں ننھے ننھے ذرے اُسی طرح اُڑتے اور ایک دوسرے سے ٹکراتے
چمکتے تھے جس طرح فضائے عالم کی وسعت اور عظیم الشان کرے اڑتے ہیں
اور سب سے زیادہ لطف کی بات یہ تھی کہ جب ہم بھی دھوپ میں آ گئے تو وہ ذرات نظر
سے غائب ہو گئے۔ جیسے کہ دن کو اجرام فلکی ہمارے سامنے سے غائب ہو جاتے
ہیں۔ اور جب ہم اُس کلبۂ احزان کی تہ کی تاریکی میں جا بیٹھے تو وہ پھر ویسے اُٹھتے تھے کہ
رات کو تارے جگمگا اُٹھتے ہیں۔

قدرت کی اس یگانگی اور اُن کی یک رنگی نے دیر تک میری حیرت کو بڑھایا
اور میں نے کہا کیا عجب کہ ذرات ارضی کی اس عالم صغیر سے گزر کے ہم عالم
اکبر کا کچھ انکشاف ہو سکے اور فلسفیانہ غور و خوض کے لیے ہم ان سے کوئی سبق لیں
ناگہاں اُن رقص کرنے والے اور چمکتے ہوئے ذروں میں سے ایک نے آواز دی "تو اور
ہماری حقیقت پا سکے! انسان کی عقل ناقص اور یہ دعویٰ! یہ بے بساط دنیا کی
اُس کے ساتھ یہ مجبوریاں اور یہ حوصلہ! جا اپنا کام کر! اور قدرت نے جس کام میں لگا
دیا ہے اُسی میں لگا رہ! تو اس لیے نہیں پیدا ہوا ہے کہ ہمارے حرکات و سکنات
کا تماشا دیکھے۔ یا ہماری حقیقت معلوم کرے۔ اس بازی گاہ قدرت کا تماشا دیکھنے
والا کوئی اور ہی ہے۔ ہم اور تو سب ایک ہی ہیں۔ ورنہ اپنا اپنا فرض ادا کر رہے ہیں"
میں نے اُسے گویا پا کے التجا کی کہ "اپنا کچھ حال تو بیان کر" ذرا افسردہ ہو کے بولا۔
"ہم اپنا فرض منصبی ادا کرنے والوں کو داستان گوئی کی فرصت نہیں ہے۔ یہ بیکاری
و غفلت انسان ہی کو مبارک رہے۔ عالم تخلیق کے ہر ذرے سے سبق لے کہ
منشاء قدرت اور اغراض تخلیق پورے کرنے میں کس خموشی سے ہمہ تن مصروف
ہے۔ جسے دیکھے گا اسی حالت میں پائے گا کہ خاموش ہے اور اپنا کام کر رہا ہے۔
مگر سب کے خلاف ایک تو ہے کہ اپنے کام سے غافل ہے اور فضول بک بک کر رہا ہے"
میں نے پوچھا "اچھا یہی بتا کہ تو کہاں جا رہا ہے؟ اور کیوں جا رہا ہے؟"

اس کا اُس نے لاپروائی سے یہ جواب دیا کہ "یہاں کام کی دھن میں اپنا بھی [illegible]
تو رہتی نہیں کیا معلوم کیا کرتا ہے۔ اور کیا کر رہے ہیں؟ کدھر جاتا ہے اور کہاں
جا سکے رہیں گے۔ جب وہ مشن اُس شاہ مطلق نے لگا دیا ہے لگے ہوئے ہیں۔
یہاں سے [illegible] کا جائیں گے۔ اور جہاں پہونچائے گا پہونچ جائیں گے۔ ہم تو اپنے
مالک کے [illegible] عذر و سبب [illegible] خدمتگار ہیں۔ تیری طرح سے ہی میں [illegible] ورنہ
ہیولیٰ اور [illegible] واسطہ نہ پڑتا۔"

تب میں نے اُسے جواب دیا کہ [illegible] سنے اور [illegible] حالت اور
اپنے اعراض اور [illegible] تو فرمائیے کیا گذشتہ سرگذشت ہی بتا
[illegible] سے بولا "یہ بھی کسے یاد ہے کبھی فرصت سے بیٹھنے کا موقع
ہی نہیں ملا کہ اپنی زندگی کے اگلے کارناموں پر غور کرتا۔ نہ یہاں کوئی دفتر ہے
نہ کوئی تاریخ۔ لیکن خیر تو نے [illegible] کا واسطہ دلاتا ہے تو جو کچھ یاد آتا ہے بتائے دیتا
ہوں۔" یہ کہہ کے اُس نے اپنی سرگذشت سنانا شروع کی۔ اور بولا:—

"[illegible] سب سے پہلے دنیا حیوانی زندگی سے خالی تھا۔ اور صرف عالم عناصر کے باہمی
تصرفات نظر آتے تھے اُن دنوں آج ہی کل کی طرح میں ایک ذرۂ خاک کی وضع
سے ہوا [illegible] اُڑتا۔ اور عرصۂ ہستی کی سیر کرتا پھرتا تھا۔ قدرت سے آخر ایک
پہاڑ پیدا ہوا یا جہاں [illegible] زمین ایک بڑی بھاری چٹان کے جسم حجری
میں شامل ہو گیا۔ اُس پر کارکنان قدرت نے ایک درخت اُگایا جس کی قوت نامیہ
نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ اور اب میں ایک جسم نباتی کا جز تھا۔ لیکن تغیرات
نے کسی ایک حالت پر ٹھہرنے نہ دیا۔ کبھی جنگل میں آگ لگتی۔ اور میں زبانۂ آتش بن
کے چمکتا۔ کبھی سیلاب آتا اور میں پانی کی موجوں کے ساتھ بہتا۔ کبھی باد سموم چلتی
اور میں ریگ رواں کے ساتھ دوڑتا پھرتا۔"

"اب ابتدائی زندگی کی تخلیق ہوئی۔ میں نے نئی مہیب صورتیں دیکھیں
اور بھڑک بھڑک کے ہوا میں اُڑا۔ مگر صناع قدرت نے پکڑ کے خلقت کے
اس سلسلے کار خانے میں مجھے بھی لگا دیا۔ چنانچہ میرا گزر حیوانی اجسام میں ہوا۔
اب میں وحوش کی دہشتناک صورتوں میں نمایاں ہو کے لڑتا تھا۔ کبھی مارتا تھا۔

اور کبھی مارا جاتا تھا۔ کبھی شیر ببر کے [illegible] شیوں پر [illegible] [illegible] کے اپنے زبردست حریف [illegible] جاگتا [illegible] کے [illegible] پیدا تھا۔ [illegible] کبھی [illegible] ہوا میں اڑتا [illegible] [illegible] قدرت کا [illegible] [illegible] کہ خدا نے انسان کی [illegible] ڈالی [illegible] [illegible] ہے کہ پہلے پہل [illegible] [illegible] کی طرف [illegible] اڑنے کی ہوا سے ایک [illegible] [illegible] کی [illegible] میں ان دونوں [illegible] اور زمین پر [illegible] [illegible] [illegible] تک [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible] [illegible] [illegible] [illegible] کیا کیا [illegible] [illegible] ان کی [illegible] [illegible] کو پیدا [illegible] ہوتا [illegible] [illegible] میں [illegible] [illegible] لینا شروع کیا تو میں ابھی [illegible] تھا۔ اور کبھی [illegible] [illegible] کسی [illegible] کا کھیل تھا۔ اور کبھی تیر [illegible] پیکان۔

حضرت [illegible] [illegible] [illegible] حضرت نوح نے جب [illegible] کشتی بنائی [illegible] میں کشتی تھا۔ [illegible] کا [illegible] [illegible] [illegible] آیا۔ [illegible] جام جمشید [illegible] مٹی میں گوندھا گیا۔ اور وہ جام بنا جس سے جمشید کا نام روشن ہے [illegible] [illegible] کے [illegible] اقبال کا ایک [illegible] بنا۔ اور [illegible]

پھر میں نمرود کے اُس کھٹولے میں تھا جس پہ بیٹھ کے قوی بال عقابون کی مدد سے وہ آسمان کی طرف اُڑا تھا۔

اب پھر ہوا اور پانی کی مدد سے میں نے اقصاے عالم کی سیر کی۔ بابل میں پہنچ کے بخت نصر کی صورت میں شامل ہوا۔ اور اُس تماشگاہ عالم کی کیفیت دیکھا کرتا تھا جس میں کبھی ہزارہا اسیران ستم پابہ زنجیر جلاے جاتے اور جلا کے خاک سیاہ کیے جاتے تھے۔ اور کبھی کوئی پری جمال دوشیزہ دیوتا کے نذرانہ کے لیے لائی جاتی اور اُسکی پاکی و عصمت خاک میں ملائی جاتی تھی۔

اب بادنگوں نے مجھے یہان سے بھی اُڑا لے گئی۔ اور فنیقیوں کے ایک تاجر کے مال کی گرد کا رہا اُن کے ساتھ میں مصر پہونچا۔ یہاں کبھی فراعنہ کے نازنینان حرم کا زیور رہا۔ اور کبھی امراے مصر کی مشکون میں شراب ارغوانی۔ کبھی فرعون کے سر کا تاج تھا۔ اور کبھی اُسکی ڈاڑھی میں گندھا ہوا موتی۔ کبھی وہ مقدس پجاری تھا جو بیل ایپس کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور کبھی وہ مقدس دیوتا جس کی وہاں کے سب سے بڑے بتخانے میں پرستش کی جاتی تھی۔ اور آخر اُس چھوٹی کشتی کا تختہ تھا جس میں بٹھا کے حضرت موسی بہائے گئے تھے۔

چند روز بعد بنی اسرائیل کے قافلہ کے ساتھ میں ارض کنعان میں پہونچا۔ تابوت سکینہ میں شامل رہ کے خداپرستی کی شان دیکھی۔ اور حضرت سلیمان کے مقدس ہاتھوں سے بیت المقدس کی برگزیدہ عمارت میں لگا دیا گیا۔ یہاں چند روز قرار و سکون اختیار کر کے آرام سے بیٹھا۔ اور بنی اسرائیل کے تغیرات کا تماشا دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔ اُن کا عروج دیکھا۔ اُن کی ترقیاں دیکھیں۔ اُن کی خوبیاں دیکھیں۔ اور اُن کی ضلالتیں دیکھیں۔ وہ نازک گھڑیاں دیکھیں جب بابل اور اسیریا والون کے ٹیڑی دل اس ارض مقدس کے پامال کرنے کو آتے تھے۔ اور واپس جاتے تھے۔ اور آخر وہ قیامت کی گھڑی بھی دیکھی جب بخت نصر کے ہاتھوں سے بیت المقدس پامال کیا گیا۔ بنی اسرائیل اسیر ہو کے بابل کی طرف چلے۔ اور میں نے بھی گرد کارواں میں شامل ہو کے اُن کے ساتھ ساتھ مشرق کی راہ لی۔

یہاں سے کچھ دنون کے لیے اُڑتا ہوا ایران میں چلا گیا۔ جہاں زرتشت

سے آئین وقوانین دیکھے - لکڑی بن کے آتش کدون مین گیا - اور اجسام انسانی مین نشو ونما پا کے دخمون کی سیر کی - پھر فاس سائرس کے سلح کا ایک خنجر بن کے بابل مین واپس آیا - اور بعل کے مندر کے ساتھ سارے شہر اور یہود صابی کو پامال کر ڈالا - مین یہین تھا کہ بنی اسرائیل آزاد کیے گئے - اور انھین اپنے وطن کی اجازت دی - ایک اسرائیلی کے جسم مین قیام کرکے مین نے بھی مغرب کی راہ لی - اور چند روز کی صحرا نوردی کے بعد بیت المقدس کے منہدم کنگرون پر بکھرا ہوکے رو دیا - اور اُس کے از سر نو تعمیر کرنے مین مشغول ہوا -

یروشلیم سے ہیکل ربانی کا گُل شدہ چراغ پھر روشن کرکے مین فنیک مین گیا - اور عربی تاجرون کے ایک قافلے کے ساتھ یونان پہونچا - وہان یونانیون کے اجسام مین رہ رہ کے انکی بہادریان دیکھین - اور اُن لوگون کی عقل کی رسائیان دیکھین کبھی وینس (زہرہ) کی دلربا مورت بن کے بت پرستی کی شان دیکھی - کبھی کسی ویشیرہ کے جسم مین نفوذ کرکے شیرین گوئیان کین - اور یونانیون کے بڑے بڑے مسئلے حل کیے - کبھی فلسفی بن کے رموز حکمت بتائے کبھی طبیب بن کے مسیحائی کا جلوہ دکھایا - کبھی سپاہی بن کے داد شجاعت دی - اور کبھی کسی مظلوم کی صورت مین نمایان ہو کے ایتھنز کے تھیٹر مین داخل ہوا - اور درندون کے ناخنون اور پنجون سے نوچا پھاڑا گیا -

ہوتے ہوتے سکندر اعظم کا ایک سپاہی تھا - اور اُس کے جھنڈے کے نیچے لڑتا ہوا ایران کی طرف چلا - مگر راستے ہی مین نذر اجل ہو کے خاک مین مل گیا - تقدیر نے یون یاری نہ کی تو اُس کے لشکر کی گرد بنا ہوا ایران پہونچا - یہان کے عظیم الشان انقلابات دیکھے - بہادرون کے پاؤن اور گھوڑون کی ٹاپون سے جو گرد اُڑ کے آسمان کی طرف جاتی اُس مین مین بھی ہوتا - مگر اقبال سکندری کا تماشا دیکھنے کے شوق مین رات کو پھر اُس کے پاس آجاتا - آخر دارا کے زخمی جسم پر جو خاک پڑی ہے اُس کے ذرات مین مین بھی تھا - اور اُس کے بعد نوشابہ کے جبین ناز پر جو افشان چنی گئی ہے اُس مین بھی مین موجود تھا جب دارالسلطنت عجم مین سکندر کے حکم سے آگ لگائی گئی ہے اُسوقت کی عام مصیبتون اور تباہیون

[illegible] محلون اور [illegible] دیکھتا تھا - اور افسوس کرتا تھا -
[illegible] سکندر کے ساتھ [illegible] کی راہ لی - [illegible] کی عزائمتین دیکھین
[illegible] کی لڑائی اور پھر اُس کی اطاعت دیکھی - اُن یونانی عمارتون کو دیکھا جو
[illegible] پرست [illegible] تھین - اور بابل کی طرف ان کے ساتھ بھٹکتا ہوا سپاہیوں کے ہمراہ جنوب
[illegible] ہندوستان کا معرکہ [illegible] اور دیکھا جس مین سکندر زخمی اور پریشان ہو گیا تھا جس
وقت وہ [illegible] گرا تھا اگرچہ ایک ذرہ خاک تھا مگر جوش محبت سے ایسا بیتاب
[illegible] اُس کی پیشانی پہ گر کے اُس کا منہ چوم لیا پھر اُس کے ساتھ بابل مین واپس آیا -
اُس کی لاش کے ہمراہ مغرب کی راہ لی - اور اُسی کے ساتھ [illegible] دبا دیا گیا -

[illegible] سال تھا اب شاید ہمیشہ کے لیے سکون حاصل ہو جائے - اور یہی حالت
مین خاموش پڑا رہونگا - مگر نظام قدرت نے قرار نہ لینے دیا - چند روز بعد پھر [illegible]
ہوا - اور قیصر روم کی تلوار مین ایک آبدار ذرہ جوہر بن کے چمکا - اور رومیون کے
ساتھ [illegible] مختلف [illegible] اور جسمون مین نمایان ہو کے مین نے دور دور کی سیر کی
[illegible] روم سے [illegible] دیکھ [illegible] اور انگلستان مین پہونچا - جہان قسطنطین کی مان ہلینا کی
[illegible] کے [illegible] مین چھپا ہوا گالیا (فرانس) مین آئے اُس کے شوہر سے ہم آغوش
ہوا - پھر قسطنطین اعظم کی پہلی صلیب کا ایک جوہر بن کے نمودار ہوا - اور رومیون کے
سامنے [illegible] پریشان حال [illegible] کو اپنی طرف کھینچ کے روم پہ حملہ آور ہوا -
اور شہر [illegible] کو فتح کر کے قسطنطنیہ مین آیا - اور سینٹ صوفیہ کی عمارت تعمیر کرانے
کے بعد ہلینا کے ہمراہ پھر ارض مقدس مین وارد ہوا - یہان بڑے بڑے گرجے
[illegible] کنیسے تعمیر ہوتے دیکھے - یہود کی پامالی کے ساتھ ارض مقدس کی دوسری تباہی
کا [illegible] منظر دیکھا - جب کہ بت پرست قیصر روم نے یہود کے تمام گذشتہ تبرکات
اور ایک [illegible] جلا کے خاک کر دیا تھا -

چند روز بعد دیکھا تو مسیحیت رومی تاج و تخت کی وارث تھی - یہود ہر جگہ
ستائے جاتے تھے - اور بھاگ بھاگ کے جان بچاتے تھے - انھین کے ایک
بھاگنے والے گروہ کی گرد کا [illegible] ان مین شامل ہو کے مین نے ارض عرب کی راہ
لی - اور مدینہ یثرب مین پہونچ کے قرار لیا - اب یہان مین ایک معزز یثربی

شخص کے جسم میں تھا کہ پیغمبر عرب علیہ السّلام مکہ سے ہجرت کرکے وہان آئے - اور مین ان کے عقیدت کیشون مین شامل ہوگیا - یہان مین ایک محترم انصاری کی نورانی پیشانی پر سجدہ کا نشان بن کے چمکا - اور چند ہی روز بعد عربون کے اقبال کے ساتھ ساتھ ممالک ارض کی سیر کرنے لگا - کبھی عباسیون کی دستار مین تھا - اور کبھی سلجوقیون کے علم مین -

آخر بابر کی فوج کے ایک سردار کی تلوار مین جگہ پاکے ہندوستان آیا - جہان کبھی امیرون کا خلعت بن کے نمایان ہوا - اور کبھی فقیرون کا کشکول - کبھی سپاہی کی تلوار تھا - اور کبھی کسی شیخ طریقت کا طُغرِ تکیہ - غرض ایسے ایسے عظیم الشان حالات کو دیکھ کے - اور ایسی ایسی معرکہ آرائیون کی سیر کرکے دنیا دی جھگڑون سے آزاد ہوا - اب پھر وہی پہلا ذرہ خاک ہون - اور تیرے اس کلبۂ احزان کی فضا مین گشت لگا رہا ہون -

یہ واقعات سُن کے مین نے کہا "اے مقدس و محترم ذرۂ خاک - تُو تو عجب مبارک چیز نکلا - میری نظر مین تو تجھے ان عظیم الشان کرات فلکی سے بھی زیادہ وقعت و عظمت حاصل ہے - آ تجھے اپنے پاس رکھون - اور تیری قدر کرون -

بولا "تم مجھے میری سیر سے نہین روک سکتے - اور نہ مجھے اسکی فرصت ہے - اتنے دلچسپ تماشے دیکھے ہین اور خدا جانے ابھی کیا کیا دیکھون گا - یہ نہ سمجھ کہ مین خود اپنے شوق اور اپنی مرضی سے کہین جاتا یا کچھ کرتا ہون - میری باگ اس خلاق عالم کے ہاتھ مین ہے - جدھر جدھر لے جاتا ہے جاتا ہون - جہان بٹھا دیتا ہے بیٹھ جاتا ہون - اور جس کام مین لگا دیتا ہے لگ جاتا ہون "

مین "تیری پاک نفسی مین شک نہین - لیکن اب ذرا ٹھہر - ہندوستان تیری پوری قدر نہین کرسکتا - مگر مین تجھے انگلستان کے برٹش میوزیم مین بھجوا دون گا - جہان تو ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے گا - اگلی دنیا تجھے دیوتا یا دیوی بنا کے پوجتی - اب تو ان دنون کی طرح پوجا تو نہ جائے گا - مگر مین وعدہ کرتا ہون کہ دیوتاؤن سے بھی زیادہ تیری عزت کی جائے گی - لوگ تجھے سب چیزون سے زیادہ

عزت و ادب کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اور شاید ہم کبھی تجھے اُس عالیشان عمارت سے قدم باہر نکالنے کی زحمت نہ دی جائے گی؛؛

یہ سنتے ہی بگڑ کے بولا۔ ایسی چند روزہ عروج دنیوی پہ مغرور رہو۔ کس کی رہی؟ اور کس کی رہ جائے گی؟ میں کاہل نہیں - اور نہ مجھے فرعون اور کلیوپٹرا کی لاشوں کے درمیان میں لیٹ کے سونے کا شوق ہے - میں ٹھہرنے یا قرار لینے کے لیے نہیں پیدا ہوا ہوں۔ جب تک اجرام فلکی اپنے اپنے محور کے گرد چکر لگاتے رہیں گے اُس وقت تک فضائے ہستی میری جولانگاہ رہے گی - بس جا اب اپنا کام کر - کیوں تضیع اوقات کر رہا ہے؟ ورنہ تجھے بھی جانے دوں گا؛؛

یہ سنتے ہی میں نے ہاتھ بڑھا کے ارادہ کیا کہ اُسے پکڑ لوں - مگر ہاتھ کی حرکت سے جو ہوا پیدا ہوئی اُس کے لیے کافی تھی - اُڑا - اور دھوپ کی نورانی سلاخ سے [illegible] ہو کے نظر سے غائب ہو گیا -

---

زُہرہ

کیا کہیں کہ سائنس کی موجودہ ترقیوں سے اور ہماری واقفیت کے غیر معمولی درجے تک بڑھ جانے کے باعث ہمارے کیسے کیسے مزے کرکرے ہو گئے ہیں دُور کی چیزوں میں ہمیں جو مزہ پہلے ملتا تھا اب نہیں ملتا - یہی سبب ہے کہ کسی پیاری صورت کو دُور سے دیکھنے - فاصلہ ہی پر سے گھور گھور کے رہ جانے - اور فراق ہی میں زندگی کاٹ دینے میں جو مزہ ہے پاس جانے میں نہیں - اونچے پہاڑ - آبادیوں کے دُور کے منظر - اُسی دم تک خوشنما اور بھلے معلوم ہوتے ہیں جب تک ہم اُن کے قریب نہیں پہونچتے - قریب جاتے ہی خوبیوں کے غلاف میں سے نکل نکل کے وحشت ناک نشیب و فراز - اور بدنما چٹانیں اور جنگل نظر کے سامنے ہو جاتے ہیں - اور سارا شوق خاک میں مل جاتا ہے - ان قدرتی مناظر کو جانے دیجیے - حور تمثال ناز آفرین جن کے ایک تیر نظر سے ہم مرتے اور ایک ٹھوکر سے جی اُٹھتے ہیں اُن کی مہوشی اور زہرہ جبینی بھی اُسی وقت تک ہے جب تک دور ہیں - اور صرف

اپنے غرفہ سے رخِ زیبا کی جھلک دکھا کے ہمیں لبھا لیا کرتے ہیں - [illegible]
اور ہوسون کے مطابق اگر قسمت مساعدت کرے اور پاس جانے بیٹھنے اور
اُن کے رخِ زیبا کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع مل جائے تو پھر ایک نقاد [illegible]
کے یہی کہنا پڑتا ہے کہ بے عیب خدا ہی کی ذات ہے - کیونکہ پاس سے دیکھتے
ہی نمایاں طور پر نظر آجاتا ہے کہ حُسن کے آنچل کے نیچے بہت سے عیب چھپے
کے ساتھ کا [illegible] ہیں - نرگسِ چشم بیمار ہے - چاند سی جبین ناز میں کلف ہے -
اور آتشین رُخ کی آب و تاب میں خال کا داغ [illegible]
نظر آجاتا ہے کہ محاسن کے ساتھ صدہا معائب ہیں - اسی بنیاد پر [illegible]
حُسن نے ہجر و فراق میں جان دینا گوارا کیا اور دولت [illegible]
نہ قبول کی - اور اسی سبب حقیقت شناس رمز دانانِ قدرت [illegible]
نے بتا دیا کہ وصال کے ساتھ ہی عشق کا خاتمہ ہو جاتا ہے

یہی کیفیت ان روشن اور جگمگاتے اجرامِ فلکی کی ہے - دور سے [illegible] کیسے
بھلے معلوم ہوتے ہیں - بچپن میں ہم انھیں کیسے شوق سے [illegible]
ہمارا بچپن بھی جانے دیجیے - دنیا نے اپنے زمانۂ طفولیت میں ان سے کیسے کیسے
لطف اُٹھائے ہیں - اور ان کو دیکھ دیکھ کے کیا کیا خیال آفرینیاں کی ہیں - [illegible]
کی نورانی محفل کو سرو شستان اور اپنی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز [illegible] قرار
دیا - کبھی کبھی ان کو دیویوں اور دیوتاؤں کا نشیمن و مسکن اور کبھی خود دیوی اور دیوتا
قرار دے دیا - ان کی پیاری اور دلفریب تصویریں مصورِ خیال نے کھینچ کے دکھائیں
اور ایسی تصویریں دکھائیں کہ ساکنانِ ارض کو بھول کے انھیں کے دلدادہ ہو گئے - وہ کیا اچھا اور کیسا مزے
کا زمانہ تھا؟ اور ہم آسمان کی طرف کبھی نظر اُٹھا دیتے تو کیسا لطف آجاتا تھا؟ یا ایک
آج کا زمانہ ہے کہ سائنس کی ترقیوں اور دوربینوں کی ایجاد نے عالم کا نقشہ ہی اور
کر دیا - اور ماہ جبینانِ فلک کا سارا حُسن و جمال خاک میں مل کے رہ گیا -

اسی زہرہ (ستارے) کو لیجیے - اس کی جو دلربا تصویر ہمارے مصورِ خیال
نے اپنی چابکدستی سے کھینچی تھی ایسی نہ تھی کہ ہم اُسکی طرف دیکھیں اور دیکھ سکیں -
یہی ایک ایسی نازنین صورت تھی جس پر ہمیں ناز تھا کہ اُس نے عالمِ علوی والون

[illegible] رقوم [illegible] ملا دیا اور وہ مشتری بھی اپنی معصومیت سے [illegible] بہر دار [illegible] انعکی [illegible] امید ہو گئے - اس قصہ کو [illegible] فن [illegible] [illegible] کے حالات بیان کیا کرتے تھے کہ ہاروت و ماروت نام فرشتہ [illegible] [illegible] کا [illegible] کے آگئے - یہاں آتے ہی [illegible] زہرہ [illegible] عورت [illegible] سے عاشق ہو گئے - اور [illegible] [illegible] کے دین [illegible] ایسے [illegible] [illegible] پرستی [illegible] [illegible] اُن [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] [illegible] دکھاتے [illegible] اور [illegible] کے دلدادہ حسن پرستی [illegible] ہیں [illegible] -

[illegible] اور دلچسپ قصہ تھا - اور اُس کے بیان میں سب کے [illegible] تھے مگر افسوس کہ اب سب [illegible] دل [illegible] لوگوں کو موجودہ سائنس نے حالک [illegible] میں ملا دیا - ہم [illegible] تو ان کی باتوں سے اب بھی انکار کئے جاتے - [illegible] کی باتیں [illegible] کر جان سکتا ہے - تمہارے سب [illegible] اور [illegible] ہم سے زیادہ خیالی اوہام میں مبتلا ہو [illegible] کا کیا علاج کہ وہ [illegible] سے دکھا کے اپنے دعووں کا [illegible] کر دیتے ہیں - [illegible] ہم سے سوا اس کے کہ لاجوابی سے خاموش ہو رہیں [illegible] بن پڑتا -

اے روشن اور [illegible] زہرہ - ہم تجھے کیا سمجھے ہوئے تھے [illegible] تو کیا نکلی - ہم تو تجھے مجازی خودسری کا ایک شاہد زیبا خیال کرتے تھے - مگر غور سے دیکھا تو یہ ثابت ہوا کہ قدرت کے فٹ بال [illegible] [illegible] میں تو ایک عظیم الشان

گیند ہے جسے کارکنان قدرت لڑھکا لڑھکا کے اپنی مستعدی اور چستی و چالاکی بڑھاتے اور ہمین تماشا دکھاتے ہین۔

اب ذرا یہ بھی سن لو کہ آج کل کا سائنس اور زبردست دوربینون کا تجربہ اس چلتے پھرتے تارے کی نسبت کیا کہتا ہے۔ جتنی بڑی ہماری زمین ہے تقریباً اتنا ہی بڑا یہ ایک کرہ ہے۔ اتنا ہی ٹھوس اور ثقیل ہے جتنی کہ زمین ہے۔ اس کا اصلی جسم تاریک و بے نور ہے مگر آفتاب کے عکس مین چمکتا اور سورج کی کرنون کا غازہ مل لینے سے اپنی کالی صورت کو ہمین گورا اور روشن رخ زیبا بنا کے دکھاتا ہے۔ اور چونکہ بمقابل اور سیارون کے ہم سے قریب تر ہے اس لیے سب سے بڑا اور روشن نظر آتا ہے تاہم اس کے چہرے مین کلف اور سیاہ داغ ہین۔ مگر ابھی تک یہ پتہ نہین لگا کہ اس مین سمندر اور پہاڑ ہین یا نہین۔ اور اسی کہا جاتا ہے۔ آفتاب کے طلوع سے پہلے اور غروب کے بعد ہمین نظر آتا ہے۔ اور زیادہ دیر تک نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ آفتاب کے گرد جو سیارہ سب سے پہلے اور اس کے قریب تر چکر لگا رہا ہے وہ عطارد ہے۔ اس کے بعد ہی زہرہ ہے۔ اور اس کے بعد زمین۔ لہذا زہرہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان مین حرکت کر رہا ہے۔ اس کا دورہ ہماری زمین کے میدان گلگشت سے چھوٹا ہے۔ زمین ۲۴ گھنٹہ مین گھوم جاتی ہے تو زہرہ ۲۳ ہی گھنٹہ مین۔ اس سے سمجھنا چاہیے کہ زہرہ کا دن رات ہم سے ایک گھنٹہ کم یعنی ۲۳ گھنٹہ کا ہوتا ہے۔ زمین آفتاب کے گرد ۳۶۵ دن مین چکر لگا لیتی ہے تو زہرہ ۲۲۴ دن مین۔ لہذا سمجھنا چاہیے کہ اس کا برس ہمارے حساب سے فقط ساڑھے سات مہینہ کا ہوتا ہے۔ زمین اپنی رفتار مین ایک طرف کو کسی قدر جھکی ہوئی چلتی ہے جس کی وجہ سے دن رات چھوٹے بڑے ہوتے ہین۔ اور موسمون کا تغیر و تبدل ہوتا ہے زہرہ اپنی چال مین زمین سے تقریباً دونا جھکا رہتا ہے۔ اس لیے اس کے دن زمین کی بہ نسبت بہت زیادہ چھوٹے بڑے ہوتے ہین۔ اور اسی مناسبت سے موسمون کا انقلاب بھی بہت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ سردی مین سردی بہت بڑھ جاتی ہے۔ اور گرمیون مین گرمی۔ اس کے گرد ابر کا بھی ہجوم ہے۔

دیگر سیاروں کے خلاف زُہرہ اور عطارد میں یہ خاص بات ہے کہ ماہتاب کی طرح بدر و ہلال بن کے نمایاں ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ کہ ہمارے اور آفتاب کے درمیان میں ہیں۔ جب آفتاب کے بالکل اسطرف ہو جاتے ہیں اور ہمارے ان کے درمیان میں آفتاب ہوتا ہے اُس وقت اُن کا پورا چہرہ چمکتا نظر آتا ہے۔ اور جب بالکل اسطرف آجاتے ہیں اور آفتاب کے اور ہمارے درمیان میں ہوتے ہیں اُس وقت چونکہ اُن کا روشن رُخ ہماری نظر کے سامنے نہیں ہوتا اسلیے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ پھر اُس کے بعد جو جو آگے بڑھتے جاتے ہیں تھوڑا تھوڑا روشن حصہ نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ اسلیے پہلے باریک ہلال ہوتے ہیں اُس کے بعد روز بروز بڑھتے رہتے ہیں۔ پھر تکمیل کو پہونچ کے بدر بنتے ہیں۔ اور اسکے بعد گھٹنے لگتے ہیں۔

ان کے عروج و زوال میں ایک خاص بات اور بھی ہے جو چاند کے عروج و زوال کے بالکل خلاف ہے۔ چاند چونکہ زمین کے گرد چکر لگاتا ہے اس لیے وہ ہر زمانے میں ہم سے قریب یکساں فاصلہ پر رہتا ہے۔ اسی وجہ سے اُسکے ہلال کی قوس اُتنی ہی بڑی رہتی ہے جتنا کہ اُس کے بدر کا دَور ہوتا ہے۔ یعنی اُس کا ہلال اُس کے بدر کے دائرہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے زُہرہ جب بدر ہوتا ہے بہت چھوٹا نظر آتا ہے۔ اور جب ہلال ہوتا ہے تو بہت بڑا یعنی اُس کے ہلال کی قوس اُس کے بدر کے چکر سے چھ گونی بڑی معلوم ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مشتری جب ہلال ہوتا ہے اُس زمانے میں ہمارے اور آفتاب کے درمیان میں ہوتا ہے۔ اور زمین سے اُس کا فاصلہ تقریباً دو کروڑ پچاس لاکھ میل کی مسافت ہوتا ہے۔ لیکن جب آفتاب کے اُس طرف نکل کے وہ بدر کی صورت میں نمایاں ہوتا ہے اُس وقت اُس کی مسافت ہمارے یہاں سے تقریباً سولہ کروڑ میل ہوتی ہے یعنی ششگونہ مسافت سے زیادہ فاصلہ ہو جاتا ہے۔ اور اسی باعث بدر ہونے کے وقت وہ بہ نسبت ہلال ہونے کے چھ حصہ چھوٹا دکھائی دینے لگتا ہے

جب وہ آفتاب کے اور ہمارے درمیان میں ہو کے گزرتا ہے تو اکثر تو ادھر اُدھر سے بچ کے نکل جاتا ہے۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ چشمۂ آفتاب کے

عین محاذی ہو کے گزرتا ہے۔ جس سے سورج گہن ہوتا ہے۔ اور ایک دم کے لیے زہرہ سورج کے رُخِ تابان کا تل بن جاتا ہے۔ ایسا سورج گہن جو زہرہ کے درمیان میں آجانے سے واقع ہو کم ہوا کرتا ہے۔ اسی قسم کا گہن سال ۱۸۷۴ع میں ہوا تھا۔ اُس کے بعد ۱۸۸۲ع میں ہوا۔ اور اہلِ ہیئت حساب سے بتاتے ہیں کہ اب اس کے ایک سو بائیس برس بعد ہوگا یعنی ۱۹۹۶ع میں چھ مہینہ گزر جانے کے بعد۔

ان بیانات کے سن لینے کے بعد وہ پری زاد زہرہ جو ہماری معشوقہ تھی جسے ہم بزمِ انجم کی ایک دلربا نازنین خیال کیا کرتے تھے۔ اور جسے اپنے خیالی سبھاؤں میں بلا بلا کے خیال کیا کرتے تھے کہاں رہی۔ افسوس وہ نازنین وہ ناز آفرین دیوی جو حُسن و عشق کی دیوی تھی۔ اور جس کے دم سے معشوقی و عاشقی کے عالم میں جان پڑ جاتی تھی غائب ہوگئی۔ اور اُس کے عوض ایک گول گیند نمودار ہوا جس میں اگر تھوڑی بہت آب و تاب ہے بھی تو اوروں کی مدد سے مانگی ہوئی۔

شاہدانِ بازاری میں ایک کہاوت مشہور ہے کہ رات کو شیطان اپنا ہاتھ پھیر کے اُن کے چہروں کو خوبصورت بنا دیا کرتا ہے۔ گردن کو اُن کے بگڑے بناؤ دیکھ کے تو نفرت ہو جاتی ہے۔ یہی حال اے زہرہ تیرا اور تمام اجرامِ فلکی کا نکلا۔ اس وقت شیطان کا نام لینا تو ہم گستاخی اور بدتمیزی خیال کرتے ہیں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ بازی گرِ قدرت رات کے وقت تم سب آسمان والوں کے چہروں کو اپنا ساحرانہ ہاتھ پھیر کے چمکا دیا کرتا ہے۔ اور دن کو کچھ ایسی بُری صورت ہو جاتی ہے اور ایسے بگڑے بناؤ ہوتے ہیں کہ مارے شرم کے تم اپنا منھ ہی نہیں دکھاتے۔

تاہم اے زہرہ تو چاہے ہوا کے تخت پر اُڑنے والی پری ہو یا ایک کثیف جسم کا اُڑھکتا ہوا گولا۔ ہم سے حُسن پرستوں کی نگاہ میں تو آج بھی ویسی ہی دلربا نازنین ہے جیسی کہ پہلے تھی۔ علمِ ہیئات سے بھی تصدیق ہوتی ہے کہ تجھ میں شعرائے عرب کے مذاق کے مطابق کسی لچکتی ہوئی ٹہنی کی طرح اِدھر اُدھر جھک جھک کے چلنا۔ اہلِ فارس کے مذاق کی مست خرامی۔ اور ہماری خواہش کے موافق اٹھلا اٹھلا کے اور جھوم جھوم کے قدم

تھا [illegible] - مجھ میں شوخ [illegible] ناز آفرینون کے یہ کرشمے ہین کہ کبھی پاس [illegible] کے [illegible] اور چھپا دیا [illegible] کبھی [illegible] ہوکے ہنستا رخ روشن دکھا دیا - کبھی [illegible] [illegible] عائب ہے - اور کبھی آفتاب کے [illegible] رخ درخشان کا تل نگاہ شوق ڈھونڈھتی [illegible] ہے اور [illegible] شوخ ادا اسی طرح اس سے چھپا چھپلیا کھیل رہی ہے - کبھی یہان ہے [illegible] - [illegible] یہان [illegible] دیان جا پہونچی - ابھی تو [illegible] چہرہ سامنے تھا - اور [illegible] ہے اور [illegible] میں - اور تھوڑی دیر کے بعد جو نظر اٹھا کے دیکھتے [illegible] ہے . اگلے جو کہتے تھے تو [illegible] دیوتاؤن کی شکل مین [illegible] یہ [illegible] تھا - [illegible] آج بھی ناچ رہی ہے اور سب [illegible] دنیا والون کے [illegible] - [illegible] [illegible] [illegible] اللہ [illegible] - اور یون رخ زیبا [illegible] گھونگھٹ مین چھپا کے کبھی نیم وا کر کے - اور کبھی خوب [illegible] کر کے کہ تیرا رخ [illegible] والون کو [illegible] جہان سے [illegible] . ے [illegible] جاتی ہے - اور پھر [illegible] [illegible] نظر آیا کئے رہتے ہین —

اگلی دلچسپیان

[illegible] الٰہی [illegible] اگلی دلچسپیان — جنھین بھول جائے کوئی مہربان
تھا [illegible] تو [illegible] ستاران فلک — ان آنکھون سے دیکھا ہی کیا آسمان
[illegible] تو صورت سی دیتی ہے — کہ سب دیکھ [illegible] ڈالا ہے تم نے جہان
چمکتے [illegible] بھی پلک — رہا کرتے ہو رونق آسمان
خموشا وہ حسرت بھری رات ہے — ق کہ جب [illegible] در کے درمیان
[illegible] ڈھونڈتے ڈھونڈتے آنکھ سے — گذر جاتی ہے شب پڑانے نشان
[illegible] کو چھپا جاتی ہین پاس سے — تمھاری وہ آنسو بھری انکھڑیان
عجب لطف کی ہے نسیم سحر — قیامت کی ہین اسکی اٹکھیلیان
مگر جب وہ افسردہ دل [illegible] — چلی ڈھونڈنے اگلی سرسبزیان
تو اجڑے ہوئے پائے ایسے چمن — کہ جو رونق و بر تھے بیگان

وہ اگلے مورخ جو لٹے کرتے تھے — ترقی مین نہ کرسی آسمان
قیامت کا ہوتا ہے اُسمین اثر — سناتی ہے جو حال اُنکی زبان
وہ عالی منش بادشاہان دہر — وہ اُنکی سواری وہ تخت روان
وہ طلبا کہ دن رات محنت سے جو — لگاتے ہین اُمید کی سیڑھیان
مبارک تھین شایستہ وہ محفلین — مبارک تھی وہ بزم اسپیکران
وہ نکھری ہوئی صحبتین کامیاب — جو وحدت پرستی کی تھین ترجمان
وہ علم الٰہی کے اجلاس پاک — مجالس مدارس کے وہ قدردان
وہ اگلے پیادہ روی کے سفر — وہ فاقے کی سوکھی ہوئی روٹیان
سمندر اولوالعزمیون سے تھے پُر — اُنھین ہمتون سے تھے دریا روان
جہازون کے وہ نامور ناخدا — وہ اہرام مصری کی صناعیان
وہ بڈھے مقدس وقائع نگار — وہ سچ بولنے والے پیر و جوان
جب اقبال کی چل رہی تھی ہوا — جب ادبار کا تھا نہ نام و نشان
سنور تھی تہذیب کی انجمن — شجاعت دکھاتی تھی بدمستیان
نہ تھی قحط سالی نہ طاعون تھا — بہشت برین تھا یہ ہندوستان
زبان سے جو کہدین وہ کرکے دکھائین — نہ افسوس دولت نہ افسوس جان
کہان تک کہے جائیے یہ کتھا — مزے کی ہے حسرت بھری داستان
یہ نقش طلسمی زمانہ نے سب — مٹائے مٹا کر کیے رائیگان
نہ وہ اگلی باتین نہ وہ اگلے لوگ — مگر ان کی باقی ہین دلچسپیان
بس اب چاہیے غفلت سے بیدار ہون — جو موجود ہین قوم مین نوجوان

کرین ایسی کوشش کرین ایسے کام
زمانہ پس مرگ ہو قدردان

راقم خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

تکلف لکھ بھیجا" تو ہمارا استیفا ہے - ہم ایسی نوکری نہیں کرتے تھے یہ جواب نواب علی نقی خان بہادر کے سامنے پیش کرتے وقت آغائی صاحب نے اپنے خیالات بھی ظاہر کیے جو مرزا آغا حسن کی تجویز کے موافق تھے - اس پیروی سے تجویز لڑائی کی منظوری حاصل ہو گئی - اور فوراً رجمنٹ پلٹنیں - وزیری پلٹن - اور صوبہ شاہی ... لکھنو کو مع توپخانہ وغیرہ کے روانگی کا حکم ہو گیا -

آغائی صاحب تو لکھنو ہی میں رہے - مگر یہ فوجیں دیرہ پر جا پہونچیں - اور لڑائی چھڑ گئی - متصل سات دن تک لڑائی ہوتی رہی - دونوں طرف کے اکثر آدمی زخمی ہوئے - لڑائی شروع ہونے کے تیسرے دن آغائی صاحب بھی جنگ گاہ میں جا پہونچے لیکن اپنا خیمہ ندی کے اس پار نصب کرایا - اور سامنے اس پار دیرہ ... کا عساکر شاہی محاصرہ کیے ہوئے تھے - اب کمک کے لیے آر صاحب کی ... طلب کر لی گئی تھی آر صاحب نے خدا جانے کس بات سے صاحب رزیڈنٹ کرنل سلیمن صاحب کو ایک تحریر بھیجی جسمین تعلقدار رستم شاہ کی طرفداری اور چکلہ دار کی شکایت کی تھی - اس تحریر کے نتیجہ مین یہ گل کھلا کہ صاحب رزیڈنٹ کی تحریک پر مدار الدولہ علی نقی خان بہادر نے پروانہ جاری کر دیا کہ لڑائی فوراً موقوف کی جائے - ایک شتر سوار یہ حکم دے کے کپتان بگلس کے پاس بھیجا گیا کہ فوراً مورچہ اٹھا دو - اور لڑائی موقوف - کپتان بگلس صاحب آغائی صاحب کے دوست تھے سانڈنی سوار کو پلٹن مین اور کے اُسکی خاطر مدارات کی - اُسے پلٹن سے باہر نہ نکلنے دیا - اور صبح تڑکے وہ حکم لے کے مرزا آغا حسن صاحب کے پاس آئے - اور نواب وزیر کا علم دکھا کے کہا "آپ کی سرکار کا یہ حال ہے" مرزا آغا حسن جو استعفا دینے کو تیار ہو گئے تھے فرمان دیکھتے ہی سناٹے مین آ گئے - اور دونوں صاحب ندی سے اتر کے آغائی صاحب کی خدمت مین حاضر ہوئے - آغائی صاحب کو بھی حیرت ہو گئی - اور فرمایا مین اس امر مین آپ کو اختیار دیتا ہون جو مناسب جانیے کیجیے -

اب مرزا آغا حسن صاحب مورچہ پر واپس آئے - اور سوچنے لگے کہ کیا کیا جائے - ایک طرف اپنی سبکی کا خیال تھا - دوسری طرف سرکار کا نقصان پیش نظر ہوا - آخر کمال فراست و دانائی سے اُنھون نے ایک بات نکالی - ابھی تک یہ خبر مشہور نہیں ہونے پائی تھی کہ لڑائی کی موقوفی کا پروانہ آ گیا - اور رستم شاہ کے شان

گمان مین بھی یہ امر نہ تھا۔ عام لوگون کی اس ناواقفیت سے فائدہ اُٹھا کے اپنی اردلی کے ایک ہوشیار اور بہادر جوان جبڑاون سنگھ کو جس سے رستم شاہ سے تعلقات رہے تھے سکھا پڑھا کے بھیجا۔ اُس نے گڑھی کے پھاٹک کے پاس جا کے پہلے اپنے قدیم تعلقات ظاہر کیے پھر یہ چلانا شروع کیا "بابو جی کو کیا ہو گیا ہے۔ آغا حسن کو شاید جانتے نہیں ہین۔ ارے وہ گھر بھر کا سر کاٹ کے پھینک دین گے" اُس کی آواز سُن کے رستم شاہ کی آواز مین یہ کلمات سنے گئے "کون؟ بھائی جبڑاون سنگھ۔ ارے اِن کو اندر بلا لو۔ ہم آغا حسن سے معاملہ کر لین گے" فوراً پھاٹک کھول کے جبڑاون سنگھ اندر بُلا لیا گیا۔ یہان اُس نے دیکھا کہ رستم شاہ مع اپنی جورو اور چھوٹے بھائی بریار سنگھ کے توپون کی زد سے بچنے کے لیے سائبان کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ صورت دیکھتے ہی جبڑاون سنگھ بولا "آپ یہان کیا کرتے ہین؟ ہمارے ساتھ چلیے" رستم شاہ راضی ہو کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور جبڑاون سنگھ اُسے لیے ہوئے شاہی کیمپ مین آیا۔ ساتھ ہی گڑھی کا پھاٹک کھول دیا گیا۔ رستم شاہ کی صورت دیکھتے ہی مرزا آغا حسن نے باوازِ بلند پکار کے کہا "خبردار اب گولی نہ چلے۔ لڑائی موقوف کیونکہ تعلقدار حاضر ہو رہا ہے۔" رستم شاہ نے حاضر ہوتے ہی نذر پیش کی۔ اور بولا "آپ تو ہمین مارے ڈالتے ہین" مرزا آغا حسن نے جواب دیا "اگر ہم مارے ڈالتے ہین تو تم اپنا علاقہ حضور تحصیل کرا لو۔ ہم فوراً دست بردار ہو جائین گے تمھین پھر شکایت کا موقع نہ ملے گا اور شاید حضور تحصیل مین تمھاری وہ نامکار والی دستاویز بھی قبول کر لی جائے لیکن ہم سے یہ نہ ہو گا کہ اِس دستاویز کو تسلیم کرین۔ اور اپنی ذمہ داری کے خلاف کوئی کارروائی جائز رکھین" رستم شاہ کے دل پر لڑائی اور مرزا آغا حسن کی مستعدی کا رعب پڑ ہی چکا تھا۔ راہ پر آگیا۔ اور مرزا آغا حسن اُسے ندی پار آغائی صاحب کے دربار مین لے آئے۔ اور کپتان ہیگنس بھی ہمراہ تھے جن کی مدد سے اِس بگڑے ہوئے معاملہ کا اِس خوبی سے انجام ہو گیا تھا۔

ناظم صاحب رستم شاہ کی صورت دیکھ کے مُسکرائے۔ گو سامنے دربار لگا ہوا تھا۔ اور کاغذات نظامت پیش ہو رہے تھے۔ مگر مرزا آغا حسن صاحب نے اُن سب کارروائیون کو ملتوی کرا کے رستم شاہ کا معاملہ پیش کیا۔ رستم شاہ نے کہا "کوئی

فوجدار میرا ضبض لکھے گا اور نہ کوئی تعلقدار میری ضمانت کرے گا ۔ مین بھوگ لگا دون گا" اس کے جواب مین مرزا آغا حسن نے کہا "ضبض و ضمانت کی ضرورت نہین اپنے چھوٹے بھائی بریار سنگھ کو بطریق حصہ اول (کفالت) کے چھوڑ جایئے ۔ رستم شاہ نے کہا "بریار سنگھ کو بھاوج نے بیٹا بنایا ہے وہ نہ آنے گی" اس پر تمام حاضر دربار تعلقدارون نے اُسے قائل معقول کرنا شروع کیا کہ "پھر آخر سرکاری روپیہ کیونکر وصول ہوگا؟ دو چار روز مین روپیہ بھیج کے بھائی کو بلا لینا" سب کے مجبور کرنے سے رستم شاہ کو منظور کرنا پڑا ۔

غرض اس امر مین آغائی صاحب نے اپنا فرض منصبی جس خوبصورتی اور حسن تدبیر سے ادا کر لیا دوسرے سے شاید غیر ممکن تھا ۔ ایک طرف تو اپنی بات اور آن بان قائم رکھی ۔ دوسری طرف اپنے بھائی کی ضدپوری کی جو اس معاملہ مین استعفا دینے کو تیار ہو گئے تھے ۔ تیسری طرف خزانۂ شاہی مین اگر روپیہ نہین داخل کرایا تو بہت ہی قابل اطمینان ضمانت سلطنت کے لیے بہم پہونچا دی ۔ اور چوتھی طرف صاحب عالیشان رزیڈنٹ بہادر اور وزیر صاحب کے احکام کی بھی تعمیل ہوگئی ۔ کیونکہ فرمان وزارت پہونچنے کے بعد پھر کوئی گولی نہین چلنے پائی ۔

اب کپتان میکنس مع ٹھاکر جرّاون سنگھ کے قلعہ مین گئے کہ بریار سنگھ کو لے آئین ۔ بھاوج نے اُس کے دینے مین لیت و لعل شروع کی جسمین خود رستم شاہ کا اشارہ تھا ۔ اور کپتان صاحب خالی واپس آنے کا ارادہ کر رہے تھے کہ بریار سنگھ خود ہی اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اور کپتان صاحب سے کہا "مین چلنے کو تیار ہون" پھر رستم شاہ کی طرف دیکھ کے بولا "مجھے روپیہ بھیج کے بلا لیجیے گا" خلاصہ یہ کہ بریار سنگھ آغائی صاحب کے پاس خود ہی چلا آیا ۔ اور رستم شاہ سے کچھ کہتے سنتے نہ بنی ۔ یہان آنے کے بعد بریار سنگھ نے کپتان صاحب ہی کی حراست مین رہنا پسند کیا ۔ لیکن اس کفالت کو پانچ مہینے گزر گئے اور رستم شاہ نے صرف پانچ ہزار روپیون کی خفیف رقم کے سوا کچھ نہ بھیجا ۔ اتفاقاً کپتان صاحب موصوف کی رجمنٹ کی تنخواہ کئی مہینہ کی چڑھی ہوئی تھی ۔ انھون نے چکلہ دار سے تنخواہ مانگی تو جواب دیا گیا کہ رستم شاہ سے وصول کر دو ۔ اور نہین تو بریار سنگھ کو ہمارے حوالے کر دو ہم وصول کر دین ۔ اس کی شکایت کپتان صاحب نے ناظم صاحب

کے سامنے پیش کی تو انھون نے اگرچہ جانتے تھے حسب ضابطہ چکلہ دار (ملیشہ بھائی) سے جواب طلب کیا - چکلہ داری سے جواب آیا کہ رستم شاہ کا حساب دیکھا جانے - تفتیش کی گئی تو پتہ چلا کہ اُس سے صرف پانچہزار کپتان صاحب کو وصول ہوئے ہین - چکلہ دار صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ پانچہزار روپیہ خزانۂ شاہی مین کیون نہ داخل کیے گئے - جب تک یہ روپیہ اور خود بریار سنگھ ہمارے حوالے نہ کیا جائے تنخواہ نہ ملے گی - خلاصہ یہ کہ وہ رستم اور بریار سنگھ مرزا آغا حسن کے حوالے کیا گیا - اُنھون نے اُسے قیصری پلٹن کے حوالے کر دیا - اور ساتھ ہی حکم دیا کہ وہ خاطر و تواضع سے رکھا جانے - اس کارروائی کو بھی ایک زمانہ گزر گیا - مگر روپیہ نہ آج آتا ہے نہ کل آتا ہے - یہ حالت دیکھ کے مرزا آغا حسن سمجھ گئے کہ بغیر تشدد کے روپیہ نہ وصول ہوگا حکم دے دیا کہ "بریار سنگھ کا کھانا موقوف اور خبردار وہ پچھانے بھی نہ جانے پائے - اس کارروائی سے گھبرا کے بریار سنگھ نے کہا "مجھے کپتان ہنبری کے حوالے کر دیجیے - وہان جانے مین قبض کرا دون گا - اس درخواست کو مرزا آغا حسن نے قبول کیا - اور وہ نو تلنگون کی حراست مین کپتان ہنبری کی پلٹن مین پہونچا دیا گیا - وہان اُسے کوشش کرتے دو پہر گزر گئے قبض لکھنے سے سب نے انکار کیا - مجبوراً واپس آیا - اور دوسرے دن اپنی خوشی کے موافق پھر کپتان ہنبری کے پاس بھیجا گیا - آج کپتان ہنبری نے کہا "بریار سنگھ میری پلٹن مین رہنے کو کہتا ہے تو رہنے دیجیے" مرزا آغا حسن نے کہا "بہتر ہے مجھے منظور ہے - مگر ایک رسید اس کے لیے لکھ دیجیے - اور یہ شرط کیجیے کہ جب مین اسے طلب کرون گا آپ حاضر کر دین گے" کپتان صاحب نے فوراً رسید لکھ دی - اور بریار سنگھ ان کے سپرد کر دیا گیا ساتھ ہی مرزا آغا حسن صاحب نے اس پلٹن کی تنخواہ برآمد کر دی - اب کپتان ہنبری نے آغائی صاحب کی خدمت مین مرزا آغا حسن کی شکایت کی کہ فوج کی تنخواہ نہین دیتے - آغائی صاحب نے اب کی بھی حسب ضابطہ چکلہ داری سے جواب طلب کیا - تو چکلہ داری سے لکھا گیا کہ "تنخواہ آمدنی پر موقوف ہے کپتان صاحب بریار سنگھ کو اپنی حراست مین لیے ہوئے ہین - وصول زر کی کوشش نہین کرتے اور رستم شاہ کے علاقہ کا روپیہ وصول طلب پڑا ہوا ہے - پھر تنخواہ کہان سے دی جائے؟ کپتان صاحب بریار سنگھ کو واپس کرین اور تنخواہ لے جائین"

اس زمانے مین رستم شاہ کی چالاکیون سے ایک اور واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ کپتان ہیبری کی پلٹن مین مرزا باقربیگ نام ایک صاحب اجیٹن کے عہدے پر ممتاز تھے جب تنخواریان پیش آئین تو رستم شاہ نے پندرہ ہزار روپیہ کا جموگ باقربیگ مذکور کے نام کرادیا۔ اور ٹھہرایا کہ جب تک جموگ کا روپیہ وصول نہ ہوسے اور باقی روپیہ کا بھی بندوبست نہ ہوجائے بریار سنگھ بدستور حراست مین رہے۔ اس کارروائی کو چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک دن رستم شاہ نے باقربیگ سے آکے کہا "میری بی بی اس وقت بریار سنگھ کے لیے زار وقطار رو رہی ہے اور آپ کو ہلاک کیے ڈالتی ہے۔ ایک تھوڑی دیر کے لیے اجازت دے دیجیے کہ وہ گھر مین جاکے اپنی بھاوج کے آنسو پونچھ آئے۔" باقربیگ نے کپتان ہیبری صاحب سے عرض کیا۔ کپتان صاحب نے خدا جانے کس نشہ مین تھے یا کیا سمجھ کے کہہ دیا کہ "اچھا لیجاؤ۔ کیا مضایقہ ہے؟" غرض رستم شاہ پلٹن کے بیس جوانون کی حراست مین بریار سنگھ کو ایک ڈولی مین بٹھا کے اپنے قلعہ مین لے گیا۔ اب پلٹن مین لوگ اُس کی واپسی کے منتظر بیٹھے ہین اور وہ کسی طرح نہین آتا۔ زیادہ دیر ہوئی تو رستم شاہ سے تقاضا کیا گیا۔ اُس نے لاپروائی سے کہلا بھیجا کہ "مین روپیہ کا جموگ لے دے چکا ہون۔ اب اُول کی کیا ضرورت رہی ہے؟" اس واقعہ کی خبر مرزا آغا حسن نے نغائی صاحب کو کی۔ اور وہ شاید چند روز مین اُس کا کافی انتظام کرلیتے کہ یکایک انقلاب روزگار سے سلطنت اودھ کی زندگی ہی ختم ہوگئی۔ اور ایسے ناگفتہ بہ واقعات پیش آنے کہ ملک اودھ دولت برطانیہ عظمی کے ممالک محروسہ مین شامل ہوگیا۔

رستم شاہ کی داستان نے ہمارا اور ناظرین کا بہت وقت لے لیا۔ لیکن ہم نے اس کو خاصۃً اس غرض سے بیان کیا کہ اسے پڑھ کے لوگون کو معلوم ہوجائے گا کہ اُن دنون ملک کی انتظامی حالت کیسی تھی۔ سلطنت اور عہدہ داران دولت کی سستی نے زمینداروں کو کسقدر قوی کردیا تھا۔ وہ سلطنت کے خلاف کیسی کیسی جرأتین کرسکتے تھے۔ اور اپنی قوت کے بھروسے پر کیا کیا کارروائیان کرگزرا کرتے تھے۔ اُن کی باغیانہ سرکشیون اور متمردانہ مکاریون کا کوئی علاج نہ تھا۔ اور پھر سازشون کے ذریعہ سے وہ کیسا رسوخ حاصل کرلیا کرتے تھے کہ ناظمون اور چکلہ دارون کو بھی اُن سے دبنا پڑتا تھا۔ اور یہی حالت تھی جس کی وجہ سے باوجود دولتمندی اور خوش حالی کے ملک مین کوئی زمیندار

اپنی حالت قابل اطمینان نہ پاتا - ممکن تھا کہ زبردست ماہے کے زیر دست کی جائداد چھین لے - یا کارکسی کی ملکیت سازشون سے کام لے کے اپنے نام لکھوالے - یہی امور تھے جنھون نے لکھنؤ کے اسلامی دربار کو نقش بر آب بنا دیا تھا - اور خود ملک پکار پکار کے مدبران یورپ کو بلا رہا تھا -

ایسی حالت مین آغائی صاحب نے جو کچھ کامیابیان حاصل کین اُن کو اگر کرامت کہا جائے تو شاید زیادہ مبالغہ نہ ہوگا -

---

دسوان باب

تعیین سرحد و استیصال جرائم

اس زمانے مین جبکہ آغائی صاحب نظامت سلطان پور کے عہدے پر سرفراز تھے سلطنت اودھ اور سرکار انگریزی کی سرحدون کے معین کرنے کا معاملہ پیش ہوا - کیونکہ اکثر زمیندار اور تعلقدار اپنا فائدہ اسی مین خیال کرتے تھے کہ دونون سلطنتون کی حدون مشتبہ اور غیر متعین رکھین - چونکہ ادائے مالگذاری سے بچنے کے لیے برٹش قلمرو مین بہ اطمینان بیٹھنے کا موقع مل جایا کرتا تھا لہذا اکثر سرحدی زمیندارون نے انگریزی عملداری مین گاؤن اور جائدادین مول لے کے سرحد کو مشتبہ اور غیر متمائز کر دیا تھا - چنانچہ قائم مقام مجسٹریٹ الہ آباد اپنی چٹھی مورخہ ۴ - دسمبر ۱۸۴۸ء مین لکھتے ہین "اس دستلانخش) کا قلعہ منارکئی انگریزی گاؤن کے درمیان واقع ہے - اور یہ گاؤن بھی کھیت بٹ ہین لہذا سرحد نہایت ہی خراب ہے - اور ایک زبردست شخص کے لیے بآسانی ممکن ہے کہ دونون سلطنتون کو دھوکا دے کر اپنی کارستانیان کرتا رہے" ان پیچیدگیون کے دور کرنے کے لیے بتراضی دولتین یہ طے ہوا کہ دونون سلطنتون کے اطمینان کے مطابق حدبندی کر دی جائے -

مگر تعیین سرحد کی سب سے زیادہ ضرورت آغائی صاحب کے علاقہ سلطان پور مین تھی کیونکہ سوا شمال کے اور سب طرف اس نظامت کی سرحد انگریزی سرحد سے ملی ہوئی تھی لہذا اودھ سرکار اودھ کی طرف سے تصفیہ سرحد کے ذمہ دار قرار دیے گئے - اور درمیان ...

غور کیا جائے اُن دونوں اِس سے بہتر انتخاب نہیں ہو سکتا تھا - کیونکہ نظامت کی مدت سے انجام دینے کے باعث اِس بارہ خاص میں اُن کی واقفیت بھی بڑھی ہوئی تھی اور اُن سے زیادہ ہوشیار و کارپرداز عہدہ دار آخری دربار اودھ میں موجود بھی نہ تھا۔ اُن کی قابلیت و لیاقت کا اندازہ اُس فارسی چٹھی سے بخوبی ہو سکتا ہے جو کرنل سلیمن صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ نے مسٹر ٹکر کمشنر الہ آباد کے نام بہم تعارف کے طریقہ سے ۲۳ - اکتوبر ۱۸۵۲ء کو تحریر فرمائی تھی - اس کے الفاظ حسب ذیل ہیں :-

"جناب من ٹکر صاحب - آغا علی خان ناظم سلطان پور از نیجانب بحکم شدہ کہ عنقریب بر علاقہ خواہم رفت - لہٰذا استدعا دارم کہ جناب قطعہ خطے بنام آن صاحب نوشتہ دہند - پس امید آن دارم کہ آن مہربان انظار رعایت بر حال شان مبذول داشتہ بامور لاحقہ از سرحد وغیرہ مدد و اعانت متنا الیہ سازند - زیرا کہ ازین جانب در قلمرو سرکار اودہ کدامی ناظم و اہلکار منتظم و منتہم بجز این کس ندیدم و ہر قدر کہ دریافتم سوائے دولت خواہی سرکار دولت مدار و عدالت و خیر اندیشی رعایا امرے دیگر از ذات این کس ندیدم - ناظم را اعتبار کلی بدربار اودھ حاصل است - فقط"

کسی شخص کی نسبت ثنا و صفت کے الفاظ صرف کرنے میں جتنے بخیل و ہوشیار انگریز ہوتے ہیں شاید اور کسی قوم کے لوگ نہ ہوتے ہوں گے - اِس امر کا لحاظ رکھنے کے بعد اِس چٹھی کو پڑھیے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ آغائی صاحب دولت اودھ کے کتنے بڑے خیر خواہ و معزز عہدہ دار تھے - اور غائر نگاہ سے دیکھنے والے اور ہر شخص کے کیریکٹر کا مطالعہ کرنے والے انگریزوں کا خیال اُن کی نسبت کیسا تھا - اور دولت برطانیہ میں اُن کی کس قدر قدر کی جاتی تھی -

تصفیۂ سرحد کا کام بھی کوئی آسان کام نہ تھا - یہ نہایت نازک خدمت تھی اپنی سلطنت کے حقوق کی نگہداشت اور اُس کے ساتھ ہی پڑوس کی زبردست اور اعلےٰ ترین قوت کے نائبوں کی خاطر داشت اگر غور کیجیے تو متضاد و متباین چیزیں ہیں - نہ وہ اپنی ولی نعمت سرکار کے حقوق چھوڑ سکتے تھے اور نہ انگریزی معزز عہدہ داروں سے بگاڑ سکتے تھے - قیامت تو یہ تھی کہ اودھ کے دفاتر کی حالت ابتری کی وجہ سے ایسی نہ تھی کہ کاغذات کے ذریعہ سے اصلی حد و کا پتہ لگایا جا سکے - اور

اِس کے مقابل انگریزی دفاتر اِس قدر صاف اور سُلجھے ہوئے تھے کہ چپہ چپہ زمین کی نسبت کاغذات بندوبست مین داخلہ موجود تھا - غرض اپنی اِس سینے بالائی اور اسکے ساتھ مذکورہ دشواریون کا خیال کرنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اِس خدمت کے سرانجام دینے مین آغائی صاحب کو کیسی سخت دشواریان پیش آئی ہون گی -
مگر اُنھون نے نہایت سہولت و خوشی سے اِس مشکل کو حل کیا - پہلے ضلع بنارس کی سرحد کا فیصلہ بوجہ احسن ہوگیا - اور ایسا کہ دونون سلطنتین خوش اور مطمئن رہین - اِس کے بعد آغائی صاحب نے ضلع الہ آباد کی سرحد کی طرف توجہ کی - کل لشکر اور سامان و سامان کو پرتاب گڈھ مین چھوڑا - تقریباً تین ہزار آدمیون کے ساتھ جن مین فوج اور توپ خانہ اور دیگر قسم کے لوگ تھے سرحد کے قریب اپنے علاقہ کی زمین پر فروکش ہوگئے - اُدھر سرکار عظمت مدار برطانیہ کی طرف سے صاحب کمشنر الہ آباد تشریف لائے - دونون کے درمیان مین دریائے گنگا حائل تھا کمشنر صاحب نے کہلا بھیجا کہ آپ اِس پار چلے آئیے تو ہم آپ مل سکے بہ آسانی تصفیہ کرلین گے آغائی صاحب نے ارادہ کیا کہ فوج وغیرہ کو اُسی پار چھوڑ کے صرف دو تین سو آدمیون کے ساتھ پار اُترین - مگر کمشنر صاحب نے ناظم اودھ کی عزت کا لحاظ کرکے پیام دیا کہ آپ اپنے تمام لشکر اور توپ خانے کے ساتھ اِس پار آئیے - آغائی صاحب کو عذر مناسب نہ معلوم ہوا کل ہمراہیون کو لے کے پار اُتر گئے - اور کمشنر صاحب کے اہتمام سے اُن کے ورود کے لیے ایک پُرفضا اور خوشنما مقام مین کیمپ قائم کیا گیا - صدہا دکانین آراستہ کردی گئین - اور شاہانہ شان و شوکت سے اُن کا استقبال کیا گیا -

اُن دنون سلطنت اودھ کی فیاضیان بلاد و دیار مین مشہور تھین - وہان کے ادنیٰ ادنیٰ لوگون کی دریا دلی ہر جگہ کہانیون اور افسانون کی طرح بیان کی جاتی تھی - نتیجہ یہ ہوا کہ شہر مین جو مشہور ہوا کہ مرزا آغا علی خان اودھ کے ایک عالی مرتبہ ناظم آئے ہین تو سواری کا ساز و سامان دیکھنے کے لیے ایک خلقت اُمنڈ آئی فقیرون آوارہ گردون اور شہدون نے اِس قدر ہجوم کیا کہ پولیس کو انتظام کرنا دشوار ہوگیا رعایائے الہ آباد کا یہ جوش و خروش دیکھ کے آغائی صاحب نے روپیہ لٹانے کا

[illegible] عربی سچے بہادر نوجوان - اور پھر اُس کے ساتھ
[illegible] مکاری دغا بازی اور انتقام لینے کی تصویر
[illegible] ریگستان دربار بنی نعمان اور دربار خسرو
[illegible] کے حالات - شیرین و مریم کی سرگذشت۔
[illegible] لعزیز و رجنا - تیسری صلیبی لڑائی پر چڑھی
[illegible] اور سلطان صلاح الدین کے معرکہ کارزار -
[illegible] بازی اور مصر و دمشق - اور پھر اس کے ساتھ سچا عشق
[illegible] انجلینا - روس اور روم کی لڑائی -
[illegible] اور ترکوں کی پھوٹ - اس کا انجام
[illegible] آخر میں اتفاق اور اتحاد -
[illegible] موہنا - بعض سندھ میں ایک مسلمان
[illegible] خاندان - اس کی تباہی - اور پھر
[illegible] کی مدد سے اس کا سنبھلنا حسن عشق
[illegible] دلفریب دلکش تصویریں مسلمان مجاہدین
[illegible] کے مسلمان فقرا اور اسلام کے متبرک عہد
[illegible] پرست - نہایت ہی حیرت انگیز ناول
[illegible] - اور اُن کے فدائی [illegible]
[illegible] کی سیر - ایک عازم حج لڑکی کا حورین جانا
[illegible] کے عاشق کا باطنی لوگوں کے ہاتھ میں
[illegible] ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ الٰہی
[illegible] کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رخ -
[illegible] کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے
[illegible] بے نظیر ناول ہے -
شہید وفا - غرناطہ اور اسپین میں مسلمانوں
کے زوال - اور اس زوال کی حالت میں بھی
[illegible] عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا جتیا جاگتا
[illegible] حسرت و اندوہ کی سچی تصویر -
[illegible] نندنی - بابو بنکم چندر چٹرجی کے اس نام کے
[illegible] ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اردو میں

دلچسپ (دو حصہ) مصنف کا پہلا زور قلم
عشق اور اس کی جیتا بیان - خاندانی جھگڑے
[illegible] شریف زادے - اس کا لٹریچر خاص
[illegible] اور خاص رنگ کا ہے -
دلکش - (دو حصہ) طالب علمی اور عشق
نہایت ہی پیاری زبان اور سچا جوش عشق
نہایت دلکش [illegible] پُرلطف - [illegible]
[illegible] الوکی و دلفریب - ایک نہایت ہی دلچسپ
انگریزی ناول کا ترجمہ کرکے دلگداز میں شائع
کیا گیا - اور عموماً پسند کیا گیا -
آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے
دور کی ایک مزیدار تصویر - جو عورتیں دھوکہ
دے کے کوئی اور صورت دکھا دینا معمولی بات
سمجھتی ہیں ان کی غفلت کا خمیازہ -
بدر النسا کی مصیبت - ایک عبرت ناک
داستان جس میں ریل پر بیبیوں کے بدل جانے
سے طرح طرح کی [illegible] پیدا ہوئے
[illegible] - ایک عجب دنیا رضامندی اور
نارضامندی کی شادیاں -

جلد ہائے دلگداز

جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۰ء (اس سال صرف پانچ سالے نکلے تھے)
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۱ء (صرف آٹھ سالے نکلے تھے)
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۲ء (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۳ء (اس میں ابتدائی چند رسالے
سنہ ۱۹۰۳ء کے اور ما بقی سنہ ۱۹۰۴ء کے ہیں جنھیں
ملا کے ایک جلد مرتب کی گئی)
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۵ء (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز سنہ ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے)

المشتہر منیجر دلگداز - لکھنؤ کٹرہ بزن بیگ خان

سلسلۂ مشاہیر اسلام

ہر زبان کے لٹریچر میں جن ناموروں اور بزرگوں کے نام آیا کرتے ہیں ان کے حالات تھوڑے بہت انھیں
موجود رہتے ہیں۔ مگر اردو زبان اس دولت کے لحاظ سے نہایت ہی مفلس ہے۔ اسی خیال سے ارادہ کیا گیا ہے
مشاہیر کے نام ہمارے بچوں تک کو یاد ہوا کرتے ہیں ان کی سوانح عمری مرتب کرنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا جائے
کہ ہر ایک کے حالات میں ایک مستقل رسالہ تحقیق و تنقید کے ساتھ مدون ہو جائے۔ اکثر احباب اور قدردانوں کی خواہش
سے سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ تیمناً و تبرکاً پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی
پبلک کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کی قیمت ۴؍ ہے۔ جن صاحبوں کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائیں۔ دوسرا
ابوبکر شبلی ہے جس میں حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہیں۔ زیر طبع ہے۔

قدردانوں سے امید ہے کہ اس سلسلہ کی قدر افزائی فرمائیں گے۔ اور عام اجازت دے دیں
کہ اس کا ہر نمبر شائع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے ان کی خدمت
میں ویلیو پے ایبل بھیجدیا جایا کرے۔ قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائے گی

یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا۔ لیکن اگر قدردانوں کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس سلسلہ کے نمبر
جلد جلد شائع ہوں گے۔ اور زیادہ سستے کر دیے جائیں گے۔ ہمیں اپنے احباب خاص اور قدردانان
ملک سے عموماً امید ہے کہ خود بھی اس سلسلہ کی سرپرستی فرمائیں گے اور اپنے احباب کو بھی اس کی
ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کریں گے۔ ہم محنت کرنے کو تیار ہیں۔ لیکن اس کو تقویت دینے کے
جاری رکھنا اور عام پبلک کو اس کی طرف متوجہ کرنا اہل ملک اور خصوصاً مسلمانوں کا کام ہے

ضروری اطلاع

آئندہ سے جملہ خط و کتابت عزیزی محمد فاروق منیجر دلگداز سے کی جائے۔ اور
منی آرڈر وغیرہ بھی انھیں کے نام پر آئیں۔ وہی قدردانان دلگداز کے احکام
تعمیل کریں گے اور انھیں کے مرسلہ وی۔ پی ناظرین کی خدمت میں حاضر ہوں گے

الملتمس محمد عبد الحلیم شرر پروپرائٹر و ایڈیٹر دلگداز

دلگداز

مئی (مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ) سنہ ۱۹۰۶ع

نمبر ۵ ——— جلد ۱۱

ایڈیٹر مولانا محمد عبد الحلیم صاحب شرر

قیمت مع محصول مکمل پرچہ مضامین ناول و تاریخ سالانہ ۳ے

ان میں سے کوئی دو جزو لیے جائیں تو ۔ عہ

اور کوئی ایک ہی جزو لیا جائے تو ۔ عہ

(قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کے)

لکھنؤ محلہ کٹرہ مرزا بیگ خاں سے شائع ہوا

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر کی تصانیف موجودہ [illegible]

تاریخ اور لائف

حروب صلیبیہ - صلیبی لڑائیاں جو بیت المقدس کی حکومت کے لیے صدیوں تک مسلمانوں اور عیسائیوں میں جاری رہیں بمطابق مزاج انگریزی مورخ مسٹر کاکس کی [illegible] مع نوٹ جو عربی تاریخوں سے لیے گئے ہیں۔ [illegible]

تاریخ سندھ جلد اول - ابتدائی عہد سے آخر زمانہ محمد بن قاسم تک اس تاریخ کے پڑھنے سے نظر آ سکتا ہے کہ فاتحین عرب نے سندھ میں کیا کیا۔ اور کیسی حکومت کی فارسی و انگریزی مورخوں کی نہایت قابل وثوق طرح سے تنقید کی گئی ہے۔

جنید بغدادی - سلسلہ مشاہیر اسلام کی پہلی کتاب حضرت جنید قدس سرہ العزیز کے حالات زندگی جس میں آپ کا تصوف اور آپ کا فلسفہ [illegible]

حسن بن صباح - بانی فرقہ باطنیہ کے حالات زندگی۔ اس کی تعلیمیں اس کا ظلم نفس اور اس کے جانباز فدائی۔ ۶ر

اسلامی سوانح عمری - علمائے اسلام کے جو حالات اخبار مہذب میں شائع ہوا کرتے تھے ان کی چند کاپیاں زائد چھپوا لی جاتی تھیں جو اخباری تقطیع پر ہیں۔ چند ہی جلدیں باقی رہ گئی ہیں۔ [illegible]

ملکۂ زنوبیہ - ارض شام کی ایک عربی نژاد ملکہ جو ظہور اسلام سے کئی صدی پہلے دولت روم سے لڑی تھی اور بڑی بہادری سے مقابلہ کیا تھا۔ [illegible]

لارڈ بیکن - بانی فلسفہ جدیدہ کے حالات اور اس کا فلسفہ۔

افسانہ قیس - مجنون عامری کے مختصر حالات زندگی جو ایک مضمون کی حیثیت سے دلگداز میں شائع ہوئے تھے۔ ۲ر

تاریخ بغداد - یہ مضمون بھی [illegible] بصورت [illegible] تقسیم ہو کے دلگداز میں شائع ہوا تھا [illegible] سے علیحدہ [illegible] چھاپ لیا۔

ناول

یوسف و نجمہ - [illegible] چھپ [illegible] ملک میں چھپے ہوئے تھے۔ اور [illegible] کا تقاضا تھا۔ اب ان کا [illegible] جلد میں شائع ہو [illegible] پوری [illegible] جس میں ابتدائی حصہ بھی شامل ہے۔

شوقین ملکہ - پہلی صلیبی لڑائی کے واقعات ملکۂ فرانس کی عشق بازیاں۔ مردوں کے [illegible] اور اس کی سحر آفرینیاں۔ عجیب [illegible] کا ناول ہے۔

فتح اندلس - اسپین پر عربوں کا حملہ [illegible]

[illegible] سندھ کی بیٹی۔ اس کے [illegible] شاہ [illegible] کی [illegible] اور آخر ان مظالم کا [illegible] ہے۔ عجیب لطف کے ساتھ خاتمہ۔ عبرت [illegible] سے معلوم ہو سکتا ہے کہ [illegible] بیان نے [illegible] میں کیسی جان ڈالی ہے۔

مقدس نازنین - ایک [illegible] لڑکی کا [illegible] اور ظاہری زہد [illegible] میں ترقی کر کے [illegible] ہو جانا مسند پاپائی پر [illegible] کا [illegible] مسیحیوں میں شورش اور مسلمانوں کے ہاتھ سے [illegible] نجات پانا۔

فلورا فلورنڈا - اسپانیہ [illegible] میں عیسائیوں کی حالت [illegible] ان کا [illegible]

شہادت - ایک مسلمان [illegible] اور اس خرابی کا [illegible] اور [illegible]

ایام عرب - دو حصہ۔ جاہلیت عرب کے رواج۔ شاعری اور بہادری [illegible] صحرا کا عشق اور محل کا عشق [illegible]

آج

[illegible] شتاب [illegible] آج

[illegible] انسان بڑا جلد باز [illegible]

[illegible] پیدا ہوا ہے [illegible] باتے ہین جلدی

[illegible] تب تا پور [illegible] واہیں [illegible] ان مین [illegible]

[illegible] گویا [illegible] یہین کا [illegible]

[illegible] ہونے مین ایک دن کی دیر ہو گئی اور [illegible]

[illegible] قصد کے جواب مین اُن کے [illegible] نے مین [illegible]

[illegible] لوگ [illegible]

[illegible] ایک جگہ [illegible] ہو سکتین [illegible] انسانی

[illegible] اور [illegible] کے [illegible]

[illegible] باتون کا [illegible] اور یہی [illegible] جانتے ہین کہ آجتک ان

[illegible] ان کا [illegible] نے انتظار [illegible] کیا ۔ مگر یہ بے اعتباری کیون ؟ ہزارون نا

[illegible] نے [illegible] اپنے وعدے پورے کیے

[illegible] آنکھون [illegible] موجودہ [illegible] چاندسی صورت دکھا دی [illegible]

[illegible] لوگون [illegible] قیامت خیال کیا گیا ۔ [illegible]

کی کل فردائے حشر پر چھوڑ دی گئی۔ اصلی وجہ یہ ہے کہ انسان دقت ہی کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ وہ چاہتا ہے کہ کل نہیں آج ہی۔ آرزو پوری ہونے والی ہے تو آج ہی بر آئے۔ کل بر آئی تو کیا۔

طالب علم بالطبع تعلیم سے متنفر ہیں۔ اور [illegible] اُٹھانا گوارا ہو سکتا ہے۔ نہ سبق یاد کرنے اور [illegible] کی محنت برداشت کی جاتی ہے۔ صرف اس لیے کہ تعلیم آیندہ کامیابیوں اور [illegible] معشوقہ نازآفرین کی کل ہے۔ آج لکھ پڑھ لو کل [illegible] آنکھوں پر بٹھا لے گا۔ مگر کم بخت دل آج وقت [illegible] بار بار اصرار ہے کہ چھوڑو بھی اس محنت و جانکنی کو۔ لوگوں سے [illegible] آج ہی [illegible] کرنے لگے ہیں۔ اور زمانے سے کہو کہ آج [illegible]

[illegible] عبادتوں جیسے زہد و تقویٰ [illegible] اور [illegible] اخلاق و عادات کی ہدایت کی ہے جانتے ہیں کہ ان پر کل [illegible] ہے۔ اور دنیا کا بھی۔ مگر کم بخت جی ایک وحشی جانور کی طرح سیئات پر اڑا ہے۔ کہتا ہے اور کہتا ہے کیسے کل؟ اور کہاں کے واعظ؟ عذاب الٰہی اگر مرنے کے بعد ہونے والا ہے تو ہو۔ باغ جنت ہر قسم کی لذتوں کا معدن ہے تو ہوا کرے۔ اور حوروں کی جبین تابان چاند سے زیادہ چمکتی ہے تو چمکا کرے۔ ہمیں تو یہ سب لذتیں آج ہی ملنی چاہیے۔ کل ملیں تو کیا؟ جنت میں اگر مزہ ہے تو ہمیں کل لطف نہیں آنے کا۔ اور حوروں کی ہم آغوشی اگر کل ہونے والی ہے تو ہم نہیں چاہتے۔ خلاصہ یہ کہ مذہب کے یہ سچے وعدے بھی اگر کسی اور دن پر اٹھا رکھے گئے ہیں تو ہم اُن سے بھی دست بردار ہونے کو موجود ہیں۔

دنیا کی تاریخ بتا رہی ہے کہ قوموں کا عروج اور ان کا بننا ایک دن میں نہیں ہوتا۔ بنتے بنتے بنتی ہیں اور صدیوں کی محنت و مشقت کے بعد بنتی ہیں۔ مگر اس جمہوری و مجموعی ترقی میں بھی چونکہ کسی حور وش کے وعدے کی شان نظر آتی ہے اور کل کا وعدہ کیا گیا ہے لہذا اس میں بھی صبر نہیں ہو سکتا۔ محنت کرنے والے اگرچہ جبراً مشقت کر رہے ہیں مگر اکتائے جاتے ہیں۔ اور بے صبری کا تقاضا ہے

[illegible] ترقی [illegible] ترقی یافتہ قومون کی سی برکتین نہین [illegible]
[illegible] سے [illegible] ہونا چاہیے - اس کیفیت کا [illegible] ہندوستان
سے زیادہ [illegible] حالت ہو رہی ہے ہ اپنا سے وطن نے ذرا آنکھ کھولی
[illegible] کا [illegible] دیکھ سکے - اور اپنی پس ماندگی [illegible] آئی ہے لیکن
[illegible] ابھی طاقت نہین اور چاہتا ہے [illegible] کھلونے
[illegible] کی کوشش کرتے ہین اور [illegible]
[illegible] چھوٹ [illegible] ہین -

[illegible] کے [illegible] کے جوش
[illegible] مذہب [illegible] طلب وجد"
[illegible] مسئلہ کو [illegible] کوشش سے وابستہ رکھے نیا
[illegible] کی وجہ سے واعظین [illegible] اس کے
[illegible] ہستی کے [illegible] ہین -

[illegible] زبان حال سے پکار پکار کے کہہ
[illegible] کوشش مین - نہ یہ کہ بغیر محنت کے
[illegible] کا دامن [illegible] دستی پکڑ لانے
[illegible] شوق [illegible] لینے کی [illegible] -

ہم تم

اہل ذوق [illegible] کہتے ہین کہ "وہ" اور "صرف وہ" اور ہم کہتے
ہین کہ "ہم تم" "فقط ہم تم" - بس جو کچھ ہین ہم ہی تم ہین - اور باقی کچھ نہین - تم ناز [illegible] کے لیے ہو اور
ہم [illegible] کے لیے - تم ہمارا دل بہلانے کے لیے ہو اور ہم [illegible]
[illegible] کرنے کے لیے - تم گل خوش رنگ ہو اور ہم [illegible] سے لطف اٹھانے
[illegible] - تم [illegible] ہو - اور ہم اس کی نغمہ دلکش سننے والے
[illegible] سب [illegible] تم [illegible] ہو اور ہم [illegible]

صوفیوں میں سے ہم صرف اُنہی کے قائل ہیں جس نے حقیقت شناسی کے جوش میں آکے "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا - اور "ہم" ہی "ہم" کہتا ہوا دنیا سے رخصت ہوگیا - اگرچہ خودی کے جوش میں "تم" کو بھول گیا تھا مگر پھر بھی رمز شناس تھا - اور اُن ناواقفوں سے لاکھ درجہ اچھا تھا جو کہتے ہیں "وہ" "وہ" - "وہ" تو غائب کی ضمیر ہے - اور جو غائب ہو اُس کا ذکر ہی کیا؟ اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ "تم" اور تم ہی نہیں "ہم" بھی -

لوگ کہیں گے کہ یہ تو ثنویت ہے - یعنی آتش پرستوں کی طرح دو کو ماننا ہوا - لیکن یہ معترض کی ناسمجھی ہے - آتش پرستوں کے دو (قطع نظر اس کے کہ دونوں غائب ہیں) آپس میں متبائن و متضاد واقع ہوئے ہیں - اور ہمارے دو - اللہ اللہ! ایسے دو بھلا کسی نے دیکھے ہیں؟ جو اگر دو ہیں تو صرف نام کے لیے - ورنہ اصل میں ایک ہی ہیں - ایک جان و دو قالب - تم ہمارے لیے - اور ہم تمہارے لیے - ہم نہیں تو تم بھی نہیں ... اور تم نہیں تو ہم بھی نہیں -

ہم تم ہیں ایک جان دو قالب - آپس میں بڑی تنتن ہیں اسی اتحاد و یکجہتی کے جوش سے بیخود ہو کے بعض اوقات ہم تمہیں بھول جاتے ہیں - اور ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ گویا عالم ہستی میں بس ہم ہی ہم ہیں کوئی دوسرا نہیں - مگر وقتی جذبات ہوتے ہیں - جن کی بدولت کبھی عالم خیال میں تم غالب آکے ہمیں مٹا دیتے ہو اور تم ہی تم رہ جاتے ہو - اور کبھی ہم ایسے چھا جاتے ہیں کہ تمہیں فنا کر کے ہم ہی ہم رہ جاتے ہیں - یہ انقلابات سچ پوچھیے تو نشۂ الفت کے جھونکے ہیں - ان جذبات سے دور ہو کے اور ان عاشقانہ سیستیوں سے نجات پانے کے بعد جب ہم غور کرتے ہیں تو پھر وہی "ہم تم" اپنی اپنی جگہ پر قائم ہو جاتے ہیں - اور ہمارا اقرار اور ہمارا کلمہ یہی ہو جاتا ہے کہ "ہم تم"

غور سے دیکھو اور انصاف کرو تو خود ہی کھل جاتا ہے کہ ہمارے تمہارے سوا کوئی نہیں - کل کائنات بس تین چیزوں سے عبارت ہے - متکلم - حاضر - اور غائب - یعنی ہم تم اور "وہ" - "وہ" کی نسبت ہم بتا ہی چکے کہ غائب ہے - اور غائب کی کوئی ہستی نہیں - پھر جب غائب - یعنی وہ نہ رہا تو بس ہم ہی تم رہ گئے -

یہی حق پرستی یہی ہے کہ "دوئی" کا نام و نشان نہ باقی رہے - ہم تمہارے خیال میں محو ہوں [illegible] باقی پرستار ہو یہی دنیا ہے اور یہی عقبیٰ - اور یہی اصلی ایمان ہے - "دوئی" کا خیال آیا اور کافر - ہمارے کیش و آئین میں "دوئی" کی گنجائش نہیں [illegible] "تو" اور "من" کی طرف دھیان گیا - اور ایمان رخصت -

یہ توحید پرستی [illegible] کی شریعت [illegible] تو یہ [illegible] "انا الحق" کہہ اٹھا [illegible] جب نظر اٹھا کے دیکھیں تمہارا ہی جلوہ نظر آئے - [illegible] "تم" [illegible] اور [illegible]

تم [illegible] تو تم ہو - وصال ہے تو تم سے - فراق ہے تو تمہارا [illegible] ہو تو تم - [illegible] ہو تو تم - بیمار ہو تو تم - ویران ہو تو تم - غرض یہ کہ تم ہی تم سب [illegible] اور کشمکش [illegible] اور انبساط کا وقت ہوتا ہے اس وقت تم ہی پھیل کے [illegible] سارا عالم ہستی - اور "ہم" "تم" "وہ" بن جاتے ہو - اور جب خود [illegible] - اور بے تعلقی یا وحدت اور انقباض کا وقت آتا ہے اس وقت تم ہی سمٹ کے وہ مرکز اصلی - اور وہ نقطۂ اول بن جاتے ہو جسکو ہم اپنی اصطلاح میں "تم" کہتے ہیں -

سورج تمہارے نور کا جلوہ دکھا رہا ہے - چاند تمہارا آئینہ ہے - پھول تمہارا عارض گلگون ہے - نرگس تمہاری چشم نیم باز ہے - بلبل تمہارا ذکر کر رہا ہے - اور پپیہا تمہیں پکارتا پھرتا ہے - غرض جہاں تک خیال جاتا ہے اور جدھر نظر اٹھا کے دیکھتے ہیں - یا تمہارا جلوہ نظر آتا ہے یا "تم تم" کی آواز آ رہی ہے -

نظام فلکی کو بطلیموس نے ایک تنگ دائرے میں بند کرنا چاہا تھا - مگر بعد کی تحقیقات بلکہ مشاہدے اور معائنے تک نے ثابت کر دیا کہ عرصۂ قدرت کا اور چھور نہیں جس میں ادنی سے ادنی ذروں سے لے کے بڑے بڑے عظیم الشان کُرے تک ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں - اور کسی عاشق حرمان نصیب کی طرح سرگردان ہیں - نہ کہیں ٹھہرتے ہیں - اور نہ کبھی قرار لیتے ہیں - علم ہیئات والے بتا رہے ہیں کہ یہ سب کرات فلک یوں چلتے ہیں - یوں پھرتے ہیں

اِدھر جاتے ہیں اُدھر چکر لگاتے ہیں۔ غرض سب کچھ کر گئے مگر یہ نہ بتایا کہ "یہ کیوں پھرتے ہیں؟ کہاں جاتے ہیں؟ اور اُن کی اِس دوڑ دھوپ کی اصلی غرض کیا ہے؟" اگر وہ نہیں بتاتے تو لو ہم سے سنو۔ یہ سب تمھاری تلاش اور تمھارے شوق میں سرگردان ہیں۔ تمھاری جستجو میں لگے پھرتے ہیں۔ وہ گو ہم نہیں سنتے مگر اپنی زبان حال سے قدم قدم پر پکارتے جاتے ہیں "تم" "تم"

[illegible] کے ناز معشوقانہ اور تقاضای کرشمہ [illegible] عجب شان تھا ہیں کہ سب کو اپنی طرف کھینچتے ہو۔ اپنے پاس بلاتے ہو۔ [illegible] ہو۔ اپنی شمع جمال کا پروانہ بناتے ہو مگر اپنے قریب نہیں آنے دیتے [illegible] وصل کی تمنا دل سے [illegible] زندہ [illegible] گردش کرتے [illegible] اور ایک دوسرے کو [illegible] خاموشی سے [illegible] تماشا دیکھتے ہو اور ترس نہیں کھاتے۔

مگر ہم [illegible] بے پروائی کی بھی پروا نہیں کرتے۔ جب جوش زیادہ [illegible] ہوتا ہے۔ اور [illegible] سب کو بھول جاتے ہیں [illegible] نظر میں [illegible] تمھاری ہی بن جاتا ہے۔ اور جوش محبت [illegible] وجد میں آ کے ہم یہ نعرہ مستانہ بلند کرنے لگتے ہیں کہ "ہم تم"

عہد پیری

انسانی زندگی کا تیسرا دور۔ یا مسافرون کی تیسری منزل۔ یا خمخانہ عمر کا آخری جام اگرچہ بہ اعتبار دور ثانی یعنی عہد شباب کے کسیقدر ناگوار نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور ناتجربہ کار نوجوان اُس کو زندگی کا ایک ناگوار دور بیکار حصہ سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو اُس نا قابل لحاظ عمر سے بھی بدتر خیال کرتے ہیں جس کو لوگ عرف عام میں طفلی کہتے ہیں اور جو درحقیقت ایک بیہوشی اور نافہمی کا زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن تحقیق کی عینک لگا کر دیکھا جائے تو اُسکی وقعت تمام ایام زندگی سے بدرجہا بلند ہے۔ اس کا ایک بدیہی ثبوت یہ موجود ہے کہ عہد [illegible]

نوجوان پیران کہن سال ہی [illegible] سے ہم پر چل کے اپنی زندگی کے باغ کو نا تمام رستہ [illegible] کے پودوں [illegible] تجربہ [illegible] کے پھولوں سے آراستہ کرتے - یہ ضروری [illegible] سب [illegible] ہیں - یہ بڑی غلط فہمی ہے کہ بڑھاپے کو پیری و صد عیب [illegible] جا سکے -

اس عام مقولے سے قطع نظر ہم تو دیکھتے ہیں کہ [illegible] دل دوستوں [illegible] سنتوں اور دلچسپ قصوں سے ان بوڑھے دیدہ مال جہاں دیدہ سرد و گرم زمانہ چشیدہ بزرگوں کی مقدس صحبتیں ہمارے واسطے بہت کچھ مفید ہیں - [illegible] ذوق و شوق اور جوش و خروش - تو اسے بھی ایک زبردست [illegible] شاعر نے بوڑھے ہوتے ہی [illegible] یاد کیا - کہتا ہے :-

[illegible] جوش [illegible] | [illegible] جب خاموش ہو جاتی

بوڑھا آدمی اگر مر جاتا ہے تو اس کا چنداں افسوس نہیں ہوتا اس سبب سے کہ وہ اپنی زندگی کے اول زمانہ کو طے کر چکا تھا اور دنیا میں رہنے کا مزا اٹھا چکا تھا - برخلاف اس کے اگر کوئی جوان آدمی مر جاتا ہے تو بہ نسبت اس کے متعلقین کو رنج اور صدمہ ہوتا ہے اکثر [illegible] کوئی ان کے دل سے پوچھے جو اس کی لاش پر [illegible] - ان کی گریہ و زاری کا خاص سبب یہ ہے کہ جو زمانہ زندگی کے [illegible] تھا اس سے محروم رہا - دنیا سے ناشاد ہو کر [illegible] اور زندگی کے باغ کی بہار نہ دیکھنا اسی کا نام ہے کہ پیری کے [illegible] ہوا تا کہ جوانوں میں ہمت ہوتی ہے مگر بوڑھوں کی سی تدبیر کہاں سے لائیں گے - تجربہ نے بوڑھی آنکھوں پر ایک دوربین لگا دی ہے جو احوال مستقبل کی ہو بہو تصویر پیش نظر کر دیتی ہے

قرآن سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ قانون قدرت نے بھی شباب پر شیب کو فضیلت دی ہے - حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ اس وقت خلعت نبوت سے سرفراز ہوئے - اور وحی نازل ہوئی جب زمانہ شباب رخصت ہو چکا تھا اور شیب کا دور دورہ تھا -

جوانی کی سیہ کاریاں سمجھتا ہے [illegible] کی خمیازہ بندیاں - شاعرانہ جوش

رندانہ مشربی کے مزے ۔ کسی جفاکار کی شمشیر تغافل کی شکایت ۔ ہجر کی بیتابیاں اور بیقراریاں ۔ وصل کے دلکش مزے ۔ ذوق و شوق کی معجزنمایان نیرنگیاں کرشمہ سازیاں ۔ اور حسینون کی صحبتین انسان کو سراسر دنیا و آخرت بناتی ہین ۔

ان سب ناشایستہ اور بیہودہ سرنتون سے جھکانے والا صرف ایک عہد پیری ہے انسان ہی پر کچھ موقوف نہین موجودات عالم مین ہر شی کی جوانی سے پیری اچھی معلوم ہوتی ہے ۔

اسی پیر فلک کو دیکھیے اگرچہ اسکی جوانی سے دیکھنے والے ناپید ہین اور خدا جانے اُس عہد مین کون لوگ تھے ۔ لیکن تاریخ کہہ رہی ہے ۔ کہ اسکی جوانی کا زمانہ کوئی یادگار عہد نہ تھا ۔ اور اس مین کوئی ایسا تاریخی واقعہ پیش نہین آیا جس کو لوگ یاد رکھتے ۔

ہان پیری کے کارنامے آب زر سے لکھے جاتے ہین اور اُن سے دنیا سبق حاصل کرتی ہے ۔ بڈھون کی متانت اور پختہ مغزی کا ثبوت شعرائے عجم کے کلام سے بہت کچھ ملتا ہے ۔ جامی علیہ الرحمتہ فرماتے ہین ۔ شعر ۔

بکار پختگان رو آر جامی	مکن زین بیشتر در کار خامی
چہ باشد پختگی آزادہ بودن	بخاک نیستی افتادہ بودن
جوانی تیرگی بردار و یارت	نور رشد ز پیری روزگارت
برآمد ظلمت کوری و دوری	برآمد نیر الشیب نوری

شعرائے فرس مین حضرت مصلح الدین شیخ سعدی علیہ الرحمتہ جس پایہ کے شاعر تھے ظاہر ہے ۔ اُن کے اجلاس کا فیصلہ بوڑھون ہی کو ڈگری دے رہا ہے فرماتے ہین ۔ شعر

مترس از جوانان شمشیر زن	حذر کن ز پیران بسیار فن

جوانی برآمد ظلمت و سیاہی ہے پیری "الشیب نوری" ہے ۔ صحبت ستہ نوشی مین باغ ہو ۔ شب مہ ماہ ہو ۔ ابر ہو ۔ شمع ہو ۔ معشوق خوبرو ہو ۔ سب لوگ ہون لیکن ایک پیر مغان نہو ۔ تو لطف نہین ۔

مسجد مین ہزارہا نوجوان نمازی ہون مگر جب تک کوئی بوڑھا پیش نماز

نہ ہو ... وہ خشوع و خضوع نہیں حاصل ہوتا - واعظ اگر جوان ہے تو اُس کی نصیحت اثر نہیں کرتی - اور سن رسیدہ اُستاد کی خدمت باعث عظمت تصور کی جاتی ہے -

سکندر اعظم نے تھوڑے سے زمانے میں بحر و بر کو فتح کر دیا اس کا سبب نہ تھا کہ اُسکے پاس جوانوں کی فوج جرار تھی بیشمار دولت تھی - بلکہ ان فتوحات کے باعث ارسطا طالیس جیسے چند بوڑھے کوزہ پشت حکما تھے جن کی حسن تدبیر نے اُسے اس اعلے مرتبہ پر پہونچا دیا -

قاعدہ ہے کہ ہر چیز اپنے کمال کو پہونچکر اچھی معلوم ہوتی ہے - اُن عالیشان نامکمل عمارتوں کو دیکھو جنکی ابھی چھت نہیں پٹی ہے - دروازے لگنا باقی ہیں - نہ استرکاری ہوئی - نہ بیل بوٹے بنائے گئے ہیں - اسی طرح انسانی زندگی کی حالت ہے جب تک اپنے حد کمال یعنے شیخوخیت کے زمانہ کو نہیں پہونچ جاتی ناقص رہتی ہے اور اسے کوئی عزت و حرمت نہیں حاصل ہوتی -

اگلے بڈھوں نے جو کار نمایاں کیے ہیں وہ صفحہ روزگار سے ہرگز نہیں مٹ سکتے - حضرت خضر علیہ السلام باوجود اس کبیرسنی کے اپنے متعلقہ کاموں کو کس سرگرمی سے انجام دیتے اور خدا کی بحر کی سیر کرتے پھرتے ہیں بھلا کوئی ان قدیم بڈھوں کی مثال موجودہ جوانوں میں بھی دکھا سکتا ہے - پیری ہر دل عزیز ہونے کا منصب اس سبب سے بھی رکھتی ہے کہ طفلی کے بیوفا ایام لہو لعب میں گزر جاتے ہیں - اور جوانی دیوانی مشہور ہے - بھلا وہ کب ساتھ دینے والی ہے - ان دنوں ہم کبھی ایک ناز آفرین حسین کے قید بنتے ہیں - اور پھر اُس کے رخ زیبا پر اپنی ساری مسرتوں کو قربان کر دیتے ہیں - کبھی نصیحت و وعظ میں شریک ہو کر ناصح کو مضحکوں میں اُڑاتے ہیں - غرضکہ جوانی کے سب کرشمے قابل اعتبار نہیں ہیں وفاداری جو ایک اعلے جوہر ہے اور اخلاق انسانی کی سب سے بڑھی چڑھی صفت ہے جس کے پاس یہ جوہر نہیں وہ انسانیت میں بہت ناقص ہے - یہ صفت خاص پیری میں پائی جاتی ہے - اسکی وفاداری کا ثبوت یہ کیا کم ہے کہ جب سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اُسوقت یہ آتی ہے - اور جنازے کے ساتھ جاتی ہے - بڑے

وقت کی اولاد بھی شریک نہین ہوتی - مگر پیری ایسے عالم مین بھی ساتھ نہین چھوڑتی - اور اسی کو پہلو مین دبا کے ہم کنج لحد مین آرام سے سوتے ہین -

سنتے ہین شیخ سعدی نے پیری کے مبارک ایام ہی مین بلند فضل و کمال کر کے ایسا نام پیدا کیا جو آج تک ضرب المثل ہے - دیکھو تو بگلی نوادگی کی عمارتین یہ پورانی چھتین اگرچہ پیری کے سبب سے اپنے دانت بہ کمال پکی ہین اور بعض بے قدرہ ہوگئی ہین اور بعض بوسیدگی کی وجہ سے بیر فانی ہوگئی ہین لیکن سب کبھی اچھے اچھے جوان معماران عمارتون کو دیکھکر کان پکڑ لیتے ہین کہ ان کا مثل و نظیر ہماری دسترس سے غیر ممکن ہے - یہ اگلے ہی بڈھون کی کرامت ہے جو ہزار برس کے بعد بھی دنیا مین اپنا نقش ہستی دکھا رہے ہین - شعر

از نقش و نگار در و دیوار شکستہ　　　آثار پدید است صنادید عجم را

جس طرح نبوت شیب کے زمانہ مین عطا ہوئی اسی طرح اول خلافت کا سہرا ایسے بڑے جہاندیدہ آزمودہ کار کے سر باندھا گیا حضرت ابو بکر صدیق اگرچہ سن مین سب صحابہ کے مسن تھے مگر دور اندیشی اور تدبیر نے ایک کار آزما اور ممتاز مدبر ثابت کر دیا تھا عراق و عجم روم و شام بصرہ و دمشق مین نمایان فتوحات حاصل کین - جوانون کی عشق عاشقی ناپاک اور مجازی ہوا کرتی ہے اور بڈھون کا عشق معشوق حقیقی کے ساتھ ہوا کرتا ہے -

نواب محمد عبد الرؤف عشرت لکھنوی

ہدف

اپنے آپ کو آماج گاہ حوادث - اور مصائب کے نرغہ مین گرفتار دیکھ کے کچھ ایسی الجھن ہوئی - اور دل وحشت زدہ ایسا گھبرایا کہ گھر چھوڑ کے گلی کوچون مین ٹھوکرین کھانا شروع کین - اور سب آبادی مین بھی دل نہ لگا تو جنگل کی راہ لی - اگرچہ وہ لق و دق کی وسعت اگرچہ سیاحت و نظر کے لیے کافی تھی پھر بھی خیال کو وہ بھی تنگ سا نظر آیا - اور ہر طرف پہاڑون کی حد بندی دیکھ کے خیال سنسان ادھر ادھر دوڑ کے پہاڑون اور چٹانون سے سر ٹکرانا شروع کیا -

ناگہان میدان میں ایک صورت نظر آئی۔ جو اپنے مقام پر ٹھہری ہوئی تھی اور [illegible] [illegible] پاؤں میں بار بار راستے کی ٹھوکر کھاتی تھی۔ اور گویا ایک چشم منتظر تھی کہ اپنے ملاقات کو سامنے کی فضا میں ڈھونڈھ رہی تھی۔ اُس کی اشتیاق بھری صورت دیکھ کے [illegible] پکار اُٹھی کہ آؤ اس نگاہِ شوق کو دیکھو۔ اور جن کے دید کی اسے آرزو اب ان کی بے پروائی و غفلت شعاری دیکھو۔ نہ کسی کو خبر ہے۔ اور نہ کسی کا پتہ ہے [illegible] کا مادہ پیدا ہوتا ہے۔ دل نے کہا اپنی آرزو پوری ہو یا نہ ہو مگر [illegible] اسے ڈھونڈھ نکالنا چاہیے۔ [illegible] کا اسے شوق ہے۔

ناگہان سامنے ایک مجمع دکھائی دیا۔ اور عالمِ خیال میں نظر آیا جیسے اُس منتظر کی چشم شوق میں کچھ تسکین سی پیدا ہو گئی۔ دل نے کہا جس سراپا ناز کو یہ چشم منتظر ڈھونڈھ رہی تھی وہ شاید اسی گروہ میں ہے۔ [illegible] پیدا ہوئی کہ اب وہ نازنین ناز اور دلبری و دلبری [illegible] دکھا کے [illegible] مسرت نصیبوں کے لیے اس سے بہتر یہ کہاں نصیب ہو سکتی ہو کہ وہ [illegible] مشغول ہو اور دیدۂ شوق تو تماشائے یار ہو کے [illegible] پُر لطف نظارہ کے لیے ٹھہر گئے۔ بیتاب نگاہیں کبھی اُس [illegible] اور کبھی اُن فرداً آنے والوں پر۔ گویا کششِ عشق انھیں کھینچ کھینچ کے آنے [illegible] اور چشم منتظر سے ساعت بساعت مسرت کے آثار نمایاں ہو ہو کے [illegible] کرتے تھے۔

دل [illegible] بولا "اب آج ہی جذبِ محبت کا تماشا [illegible] کہ معشوق [illegible] عشق کی تیزی میں بندھا ہوا کھنچتا چلا آتا ہے۔ اور [illegible] کششِ عشق اُسے کہاں تک کھینچ لاتی ہے" اس خیال کا آنا تھا کہ وہ سب لوگ ایک [illegible] تک پہنچ کے ٹھہر گئے۔ ساتھ ہی دل زور سے دھڑکا [illegible] اس منتظر [illegible] ان کی محرومی پر افسوس کر رہے تھے کہ آنے والا گروہ ایک صف میں پھیل گیا [illegible] جو اُس چشم منتظر کے پاس کھڑے تھے حکم دیا گیا کہ وہاں سے ہٹ جاؤ۔ تمھارا [illegible] نہیں کہ اس تشنہ جگر عاشق جفاکش کے برابر کھڑے ہو"

اگرچہ دل نہیں چاہتا تھا مگر مجبوراً ہٹنا پڑا۔ کیونکہ دلی جذبات عام لوگوں سے [illegible] دلبری کے ہوں یا دلبری کے خلوت و تنہائی چاہتے ہیں۔ نہ جوشِ عشق ہی نامحرم اور غیر کا متحمل رہتا ہے۔

اور یہ جلوہ نمائی و ناز آفرینی ہی اس کو برداشت کر سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ دور جا کھڑے ہوئے لیکن ایسی جگہ جہاں سے دونوں طرف کے ناز و نیاز بخوبی نظر آ سکتے تھے۔ کیونکہ ہماری نظر شوق کو اس سیر کا لپکا تھا کہ وصال میں حسن و عشق کے جذبات کیا رنگ دکھاتے ہیں۔ فراق کی کٹھن راتیں دیکھی تھیں۔ ہجران نصیبی کا قیامت خیز زمانہ دیکھا تھا۔ اگر نہیں دیکھا تھا تو وصال کا جلوہ۔ اور حسن و عشق کی یکجائی۔ اور اس کا سماں یہاں سے اچھا کہاں نظر آ سکتا تھا؟

مگر آہ وصل کی شان ہجر و فراق سے بھی زیادہ اندوہناک نظر آئی۔ سمجھتے تھے کہ ہمارے ہٹ آنے اور صحبت کے اغیار سے خالی ہو جانے کے بعد معشوق دلبر با قدم آگے بڑھا کے اور قریب آنے لگا۔ بوس و کنار ہم آغوشی و تنگی بھی نہیں تو پاس سے پھر راز و نیاز کی باتیں ہوں گی۔ مگر نہیں۔ ان لوگوں نے پیچھے ہو اس اپنے مشتاق دیدہ نگران پر نظریں جما دیں۔ اور پھر بندوقیں اٹھا اٹھا کے نشانہ بازی شروع کی۔ ہر ایک کو یہی دھن تھی اس سراپا شوق کھلی ہوئی آنکھ ہی کو نشانہ بنائے۔ گولیوں پر گولیاں پڑ رہی تھیں۔ اور لوگ باہم ایک دوسرے کی قادر اندازی کی داد دے رہے تھے۔ مگر شوق دید ایسے کہتے ہیں کہ صدہا گولیاں پڑ گئیں۔ کلیجے میں سیکڑوں زخم پڑ گئے۔ سینہ چھلنی ہو گیا۔ مگر چشم شوق جس طرح کھلی تھی اسی طرح کھلی رہی۔ مجال کیا کہ تیوریوں پر بل بھی آیا ہو۔ گویا اس مشتاق دید نے اپنا سینہ سپر کر دیا تھا۔ اور ہر ضرب پر زبان شوق سے یہ شعر نکل جاتا تھا۔

تیرے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

ادھر سے لگاتار گولیوں کی بوچھار تھی۔ اور ادھر سے گویا صبر و تحمل کی زبان سے نعرہ ہل من مزید بلند تھا۔ آخر شوق جفا کشی نے دست ستم کو تھکا دیا۔ سب لوگ اپنا شوق ستم پورا کر کے چلے گئے۔ اور میں نے با چشم پرنم پھر اسی مشتاق دید۔ اور اسی دیدہ نگران کے پاس آ کے اس کے ذوق ستم کشی کی داد دی۔ کچھ دیر تو میری طرف دیدہ حیرت سے نگران رہا۔ پھر زبان حال سے آنکھوں ہی آنکھوں میں کہہ دیا "میں ایسی ہی بلا ہوں۔ اسی واسطے آنکھیں کھولے اور سینہ سامنے کیے رہتا ہوں کہ جن کی دید کا لپکا ہے ان کا شوق پورا ہو۔ ذوق و عشق کی دنیا میں بے صبروں کا کام نہ تو۔ یہاں تو جفا کشی کا شوق ہے۔ معشوق کے تیروں کا دل و جگر میں پیوست ہونا۔ اور یار کے نشانوں کا آنکھوں پر لینا اپنا شعار ہے۔ ستم اس کے لیے ستم ہے جسے ضبط و تحمل کی طاقت نہ ہو۔ یہاں تو اپنے دوستوں کے ہاتھ کی گولی

سی معلوم ہوتی ہے۔ اور یار کا ہر کچوکا ان کی چھری کا مزہ دیتا ہے۔"
تیر نے کہا "مگر افسوس کہ تمھارے دوستوں اور تمھاری کشش عشق سے کھینچ کے آنے والوں میں ایسے ہیں۔ انھیں ترس نہیں آتا"

بولا "مجھے ان کی ادائے ستمگری ہی پسند ہے۔ وہ میرے دوست اور میرے جذب الفت ہی سے وابستہ ہیں۔ بلکہ میرے شاگرد بھی ہیں۔ میں ہی انھیں نشانہ بازی سکھاتا ہوں۔ میں ہی ان سے مشق ستمگری کراتا ہوں اور میں ہی ان کا نشانہ بنتا ہوں۔ تم نے پرانے رہنمائے اخلاق شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی کا یہ شعر سنا ہوگا کہ

کس نیاموخت علم تیر از من　　　کہ مرا عاقبت نشانہ نکرد

غرض ان سے اس طرز ادا سے جو شکایت آتی ہے۔ جس کا میں روادار نہیں"
میں نے کہا "جو کچھ ہو۔ ہم سے تو یہ جور و ستم نہیں دیکھا جاتا"
جواب دیا "اسی لیے میں کہتا ہوں کہ تم ذوق عشق میں کچے ہو۔ عاشق اور نگاہ شوق رکھنے والے اہل نظر سے شکایت۔ اور اسی لیے تمھارے جذب میں اثر بھی نہیں۔ عشق کا دعوے ہے اور خلوص محبت کے مدعی ہو تو میری سی سراپا انتظار چشم نگران پیدا کرو۔ میرا سا سینہ حاصل کرو۔ جو ہر کسی ستم و جور کا ہدف ہو۔ تیر نظر کو کلیجہ پر لو اور زبان سے بجائے "آہ!" کے "واہ!" نکلے۔ اور درد سے کلیجا ہاتھوں سے تھام لینے کے عوض بے اختیار ہو کے کہہ اٹھو

"قربان نگاہ تو شوم باز نگاہے!"

یہ حالت دیکھ کے اور یہ تقریر سن کے میں نے دل میں کہا "سچ ہے عشق کے لیے بڑا ظرف اور داغدار سینہ ہونا چاہیے۔ وہ بڑے لوگوں کا کام ہے جن سے ہم مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آخر تھکے حوصلہ اور شکست ہمت نے دل ہار کے کہا "عشق سعدی نا برانو" اور میں ناکام و مایوس اپنی ناقابلیتی کی شکایت کرتا ہوا واپس آیا۔ اور نہ آفرین ستم شعاروں کے تیروں کی آماج گاہ بننے کے عوض گھر میں قدم رکھتے ہی ہدف سہام ملامت بن گیا۔

وکرم اُروسی

(سنسکرت کے جادو بیان شاعر کالیداس کے ایک دلچسپ ناٹک کا ترجمہ)

یہ بات تھوڑی حیرت کی نہیں ہے کہ مسلمانوں نے ہندوستان میں آٹھ نو سو برس تک قیام و حکومت کرکے ہندوا

[redacted]

سکے رسم و رواج - عادات و اطوار - مذاق و اخلاق سب چیزونکو اختیار کیا۔ اُن کی صحبت کی چاشنی پائی تھی اُنھونے جسم تک مین ترمیم کرلی۔ اور اپنی زبان تک بدل دی - مگر نا آشنا رہے تو اُنکے لٹریچر سے۔ اُن کی شاعری سے - زبان پر اتنا اثر ہونا اور مذاق شاعری سے اسقدر دور رہنا ایک ایسا تعجب انگیز امر ہے جسکی نظیر ساری دنیا کی تاریخین خالی ہین۔ اِس کا سبب شاید یہ ہو کہ مسلمانو کو بُت پرستی سے اسقدر نفرت تھی کہ اُسکے دامن مین جو خوبیان چھپی ہوئی تھین اُن سے بھی وہ دست بردار ہو جایا کرتے تھے - یہی ایک سبب ہے جس نے اُنھین یونانیون اور رومیون کی شاعری سے بھی محروم رکھا - اور ہندوون کی تہذیب بھی

سلطنت مغلیہ کے دور مین ہندوان کی بہت سی کتابون کے ترجمے ہوئے - اور فیضی سا لطیف نازک خیال و خیال آفرین شیرِ سخن نے نل دمن کا ترجمہ فارسی مین کیا لیکن سنسکرت کے مذاق شاعری سے اسقدر علحدہ ہو کے کہ اُسے ترجمہ کہنا انشا پردازی کی دنیا مین بڑا بھاری جرم ہے - کیونکہ صرف قصہ کو ایرانی تشبیہات و استعارات اور عجمی دشوار پسندیون کے ساتھ فارسی شاعری کے رنگ مین ادا کر دیا ہے - سنسکرت کی بندشون اور تشبیہون کا کہین نام و نشان بھی نہین باقی رہا اور اُسے پڑھ کے سنسکرت کے مذاق شاعری کی طرف انسان کا وہم و گمان بھی نہین جا سکتا -

لیکن اُس زمانے مین جب کہ دنیا ترجمہ کے اغراض و خصائص سے ناواقف تھی ایسی کمی کا رہ جانا اسقدر حیرت انگیز نہ تھا جس قدر کہ آج کل کے بعض ترجمون کی بے پروائیان قابل حیرت و افسوس مین - کیونکہ اِن دنون بھی بعض لوگون نے شکنتلا وغیرہ سنسکرت ناٹکون کو اُردو زبان مین منتقل کیا تو پہلے زمانے کے ترجمون سے بھی بدتر کر کے - اُس عہد کے مترجم اگر سنسکرت کی لٹریری خوبیون کو ترک کرتے تھے - تو اُن کی جگہ فارسی شاعری کی خوبیان پیدا کر دیا کرتے تھے - اور اُردو کے موجودہ مترجمین وہ پُرانی خوبیان چھوڑتے ہین - اور خود اپنے مذاق کی کوئی خوبی پیدا نہین کر سکتے - نتیجہ یہ کہ کتاب بالکل غارت ہو جاتی ہے - نہ سنسکرت کا ڈراما باقی رہتی ہے - اور نہ فارسی یا اُردو کی مثنوی بن سکتی ہے

یہ امر واقعی افسوس کے قابل ہے کہ اُردو مترجمین باوجود اتنی ترقیان حاصل کر لینے کے ترجمہ کی خوبیون سے بالکل نا آشنا ہین - تاریخون - ناولون - یا علوم و فنون کی کتابون کے ترجمہ مین صرف اِس بات کا لحاظ رکھنے کی ضرورت ہے کہ اصل مصنف کے الفاظ کا مفہوم اور مطلب دوسری زبان مین ادا ہو جائے - مگر انشا پردازی کی کتابون اور نظمون کا ترجمہ کرنے والے کے لیے لازم ہے کہ مفہوم اور مطلب کے ساتھ مصنف نے طرز ادا - بندش - اور ترتیب الفاظ سے جو خوبیان پیدا کی ہین وہ بھی دوسری زبان مین ادا کر دی جائین - اور اُس زبان کے تشبیہات و استعارات اُسکے مذاق اور لطیفے - اور اُسکی نازک

خیالات اور جو بت آرائیاں ہیں اسی خوبی ادا کے ساتھ دوسری زبان میں پیدا نہیں اگرچہ یہ امر مسلمہ ہے تاہم بعض لوگ نظم و انشا پردازی کے مضامین کے ترجمہ کو مہمل بات خیال کرتے ہیں - تاہم مترجم کا فرض ہے کہ ان [illegible] سے [illegible] کی کوشش کرے جس قدر زیادہ وہ ادا کر سکے گا اسی قدر اس کے ترجمہ کی قدر و قیمت زیادہ کی جائے گی -
پنڈت صاحب نے جو سنسکرت کتاب یا نظم کا ترجمہ اردو زبان میں [illegible]

اس بارے میں سب سے پہلی کوشش جو کی گئی شعرائے ہندوستان کے مشہور و نامور [illegible] پرداز مولوی محمد عزیز مرزا صاحب بی اے معتمد عدالت و کوتوالی [illegible] ہے اسلیے کہ انھون نے کالی داس کے مشہور ناٹک وکرم اروسی کا ترجمہ مذکورہ بالا اصول کے ساتھ نہایت خوش اسلوبی سے [illegible] جو پبلک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے ترجمہ بہت اچھا ہے [illegible] ناظرین ناٹک پڑھنے کے بعد خود اندازہ کرلیں کہ کہاں تک [illegible] اور اس کے مترجم نے ہر دو زبان کی حیثیت کا لحاظ رکھا ہے -

اس کتاب کے مقدمہ میں شعرائے ہند [illegible] کا ایک نہایت قابل قدر دیباچہ ہے جس میں مولف مرزا صاحب نے سنسکرت [illegible] کی حالت کی نسبت اعلیٰ معلومات اور [illegible] زبان کی [illegible] صفات کے ساتھ بیان فرمائی ہیں اور اسی سلسلہ میں ملک الشعرا کالی داس کے حالات بھی جہان تک دنیا کو معلوم ہو سکے ہیں بڑی تحقیق اور کوشش سے درج کر دیے ہیں -

اسکے بعد اصل ڈراما کا ترجمہ شروع ہوتا ہے جو نہایت پاکیزہ اردو میں منظوم و منثور [illegible] اصطلاحات کے ساتھ پانچ ایکٹون [illegible] پر مشتمل ہے اس ترجمہ کو دیکھ کر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ سنسکرت ناٹک میں [illegible] کی وضع ایسی ہوتی تھی عاشق کیونکر اظہار عشق کرتا تھا اور معشوقہ کیسے ناز و انداز کرتی تھی - اور اسکے علاوہ بھی یہ باتیں معلوم ہوتی ہیں کہ شرم اور خودداری کا کیا [illegible] تھا - [illegible] کیا کرتی [illegible] عزت [illegible] اور خوشی [illegible] ہوتی [illegible] - اور دربار میں [illegible] ان کا کیا مذاق ہوتا اسکے علاوہ بہت سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں کہ ساری دنیا کے شعرا جو کالی داس کی [illegible] دیتے ہیں تو کیوں دیتے ہیں [illegible] دلکش شیوہ تھے اور سادے الفاظ میں وہ واقعات کی تصویریں کھینچ دیتا تھا [illegible] اور دلکش الفاظ سے کلام کے دو دلون میں خوشی اور غم کے اثر ڈالتا ہے - یکایک کس جوش سے جذبات انسانی کو [illegible] ہے اور پھر کس خوبصورتی سے دم بھر میں تسلی دیدیتا ہے -

شعراے اردو کو اس کتاب سے فائدہ اٹھانا چاہیے - اس کتاب کے ذریعہ سے ان کے سامنے کوئی غزل یا مثنوی یا [illegible] کسی ہی نظم تو نہین پیش کیجاتی بلکہ ان کے سامنے ہندوستان کی دو ہزار سال پیشتر کی شاعری کا نمونہ انکے ہاتھ میں دیا جاتا ہے جس سے اگر وہ مدد لین گے تو اپنی شاعری میں تازہ جان ڈال سکین گے - اور امید

ہے کہ یہ لفاظی و بلند پردازی کی دنیا سے خیال کے جذبات کے میدان مین نکال لاتے - اور تخیل [illegible] کے عالم سفلی سے حال کے عالم بالا پر چڑھا لیجانے مین اُنکی رہبری کرے گی -

چھپائی لکھائی نہایت اعلیٰ درجہ کی ہے - کاغذ بھی چکنا اور صاف لگایا گیا ہے اور کتابت کی تقطیع [illegible] ہے - قیمت بھی زیادہ نہین صرف [illegible] - امید ہے کہ ملک بہت ذوق و شوق سے اسکی عزت کریگا - اور ہر طرف سے خریداری کے لیے شوق کے ہاتھ پھیلین گے - خواستین اس پتہ پر بھیجی جائین - محمد عنایت اللہ مکان مولوی محمد عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت [illegible] گوشہ محل - حیدرآباد دکن -

---

قدر افزایان دلگداز

دلگداز کے متعلق کئی سال سے معمول چلا آتا ہے کہ جن حضرات کا حساب جس مہینے سے شروع ہوتا ہو اُس مہینہ کا پرچہ اُن کی خدمت مین وی پی - روانہ کر دیا جاتا ہو جسکی بنیاد پر عموماً جنوری اور جولائی کے پرچہ وی پی جایا کرتے تھے - مگر دو برس سے سنہ ۱۹۰۶ء سے اشاعت مین کچھ ایسی بے ترتیبی و بدنظمی رہی کہ سنہ ۱۹۰۷ عیسوی ختم ہو گیا - اور دلگداز کے صرف [illegible] پرچے شایع ہوئے ہین - اب اس تھوڑے زمانے مین باقی ماندہ چھ پرچوں کا شایع ہونا امکان سے باہر ہو گیا ہے - لہذا ہم سنہ ۱۹۰۸ء کی جلد چھٹے نمبر ہی پر ختم کیے دیتے ہین - اور اب انشاءاللہ جنوری سنہ ۱۹۰۹ء کا پرچہ جنوری کے مہینہ مین شایع ہوگا - اب کی سال قدیم خریداروں کی خدمت مین پرچہ وی پی نہین بھیجا گیا - لہذا اُن سب کے ذمہ قیمت باقی ہے - صرف نئے خریداروں سے البتہ سالانہ قیمت وصول ہوگئی - لہذا جن حضرات سے پوری سال کی قیمت وصول ہوگئی ہے اُن کا حساب جون سنہ ۱۹۰۸ء پر ختم ہوگا - اور جولائی سنہ ۱۹۰۸ء کا پرچہ انھیں وی پی بھیجا جائے گا - اور جن حضرات سے سنہ ۱۹۰۸ء مین کچھ نہین وصول ہوا - وہ براہ کرم ڈیڑھ روپیہ بھیج کے جنوری سنہ ۱۹۰۹ء سے نیا حساب شروع کرین کمال عنایت ہوگی -

الملتمس محمد فاروق منیجر دلگداز

حکم دے دیا - اس کی خبر سنتے ہی کمشنر صاحب کو سخت ہنگامے کا اندیشہ ہوا اور آغانی صاحب سے کہا "اگر ان لوگوں کو ایک جگہ جمع کر کے اپنے اترنے کے بعد آپ خیرات دیں تو زیادہ مناسب ہوگا" اس مشورہ پر عمل کیا گیا - اور آغانی صاحب کے فروکش ہونے کے بعد ہزار ہا روپیہ خلقت میں تقسیم کیا گیا۔

پندرہ روز تک آغانی صاحب الہ آباد میں مقیم رہے - اور اسی تھوڑے ہی زمانہ میں جملہ سرحدی نزاعوں کا تصفیہ ہوگیا اور آغانی صاحب اسی شان و شوکت سے اپنے خدم و حشم کے ساتھ دریا سے اتر کے اپنے علاقے میں آئے -

افسوس کہ ان سرحدی فیصلوں کے تفصیلی حالات سے ہمیں بالکل اطلاع نہیں - سلطنت اودھ باقی نہیں رہی - ورنہ شاید دفاتر شاہی سے پتہ چل سکتا - انگریزی دفتروں کے اس زمانے کے کاغذات بھی غالباً نہ رہے ہوں گے - اور اگر بالفرض ہوں بھی تو ان تک ہمارا ہاتھ نہیں پہونچ سکتا - لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہ تصفیہ دونوں سلطنتوں کی نظر میں قابل اطمینان ثابت ہوا ہوگا -

تعیین سرحد کا کام تو خیر ایک شاہی خدمت تھی انھیں سرحدی تعلقات کی بنا پر آغانی صاحب نے ایک اور کام کیا جسے قومی خدمت بھی کہہ سکتے ہیں - خدا کی خدمت بھی کہہ سکتے ہیں - اور دونوں سلطنتوں (اودھ اور برطانیہ) کی خدمت بھی کہہ سکتے ہیں - بات یہ تھی کہ صرف زمینہ ار ہی نہیں بڑے بڑے مجرمین بھی کبھی اودھ سے سلطنت انگریزی کے علاقہ میں اور کبھی انگریزی علاقہ سے اودھ میں چلے آتے تھے - اور ان ضروری سزاؤں سے بچنے کی کوشش کرتے تھے جو قاتلوں نے مجرموں کے لیے لازمی قرار دے دی ہیں - یہ ایک ایسی خرابی تھی جس کے انسداد کی اکثر کوشش کی گئی مگر زیادہ تر دولت اودھ کے ناظمان سابق کی بے توجہی و بے پروائی کی وجہ سے کسی طرح سدباب ہوتا تھا - آغانی صاحب نے نظامت کی باگ ہاتھ میں لیتے ہی یہ رنگ دیکھا تو ایسے جرائم پیشہ مجرموں کے استیصال کے در پے ہوگئے - بادی النظر میں دربار اودھ میں ان معاملات کی طرف بہت کم توجہ کی جاتی تھی - مگر آغانی صاحب کی خوش نصیبی سے سرحد پر اس مہذب و شایستہ قوم کے مدبر عہدہ دار موجود تھے جو گویا ابتدا ہی سے یہی مشن لے کے آئی ہے کہ جرائم کا سدباب کر کے ساری دنیا میں آزادی

اور امن وامان قایم کر دے۔ لہذا انھین اس قوت سے بڑی مدد ملی۔ اور انھون [illegible]
ہی روز مین ایسے مجرمون کے پاؤن مین زنجیر ڈالدی جو اپنی نقل وحرکت سے دونون سلطنتون
کو پریشان کیا کرتے تھے۔

ایسے [illegible] مجرمین مون گے۔ مگر آغائی صاحب [illegible]
اور صاحب اثر مجرمون کی [illegible]
سے۔ اور جہان اُن کی [illegible]
ہو جاتا ہے۔ [illegible]
بلکہ برٹش علاقہ کے [illegible]
سکتے تھے۔ اور [illegible]
مذاق رکھتے تھے [illegible]
وغیرہ کی نوبت آ جاتی۔ اور انتظام [illegible] سابق کے [illegible]
نے اپنی قابلیت کار روائیون سے حالت اور زیادہ نازک کر دی تھی۔ برٹش تعلقہ سے
روز بروز ترقی کرتے جاتے تھے۔ اور یہان [illegible] یہ ہو رہا تھا کہ بادشاہ [illegible]
اُس کا وزیر اُس کے کل عہدہ داران سلطنت [illegible] آغا صاحب [illegible] زبان انگریزی
کا ایک حرف نہ جانتے تھے۔ رعایا بار بار [illegible]
انقلاب پذیر زمانے سے بعض ایسے [illegible]
کرتے۔ یہان دربار اودھ مین یہان کی [illegible] اور حکام انگریزی [illegible] جا کے [illegible]
کی سی کہہ دیتے۔ غرض ایسے اندیشہ ناک زمانہ مین جبکہ زمانہ اُس [illegible] کے
مٹانے پر تیار تھا۔ ورانحالیکہ سلطنت اودھ کو صرف [illegible] چار برس باقی رہ گئے
تھے انسداد جرائم کی کوشش کا ارادہ کرنا ہی حد سے گزر جانا تھا نہ کہ اس مقصد
مین کامیاب بھی ہونا۔

لیکن غنیمت یہ ہوا کہ یہ کوشش دربار اودھ مین چاہے اہمیت کی نظر سے نہ
دیکھی جائے مگر سرحدی حکام انگریزی کے مذاق کے موافق تھی۔ اور وہ ہر طرح کی
اعانت کے لیے تیار تھے۔ اور انھین کی حوصلہ افزائی سے غالباً آغائی صاحب کو ایسی
جرأت ہوئی تھی۔ آغائی صاحب کو انتظام نظامت ہاتھ مین لینے کے بعد اس جانب

زیادہ تر اسی وجہ سے تو یہ ہوئی کہ بعض بڑے بڑے راجاؤن اور تعلقدارون نے یہ
مسلک اختیار کر لیا تھا کہ جب انگریزی صاحب کی حکومت کی گرفت کے زور نہ چلا تو بیرونی مقامات
مین جا جا کے حکومت کی ... بیٹھے اور وہان مقیم ہو کے ہنگامے اور فتنے پیدا کرنے
کے در پے ہوتے۔ لہذا اس سے پہلے آغائی صاحب نے صاحب عالیشان رزیڈنٹ
بہادر کے ذہن نشین کیا کہ دونون سلطنتون کی بھلائی اس مین ہے کہ امن و امان قائم
کیا جائے اور یہ بات اس وقت تک غیر ممکن ہے کہ دونون سلطنتون کے
حکام مجرمون کی گرفتاری مین ایک دوسرے کو آزادی سے مدد دین۔ رزیڈنٹ صاحب
نے جب اس امر کو تسلیم کر لیا تو بڑے بڑے حکام بھی موافق ہو گئے۔ اور آغائی صاحب
نے اپنی حکمت عملی پر عمل کرنا شروع کر دیا

انگریزی حکام کی موافقت کا حال مسٹر سی۔ بی۔ باس صاحب مجسٹریٹ
جونپور کی چٹھی موسومہ میجر جنرل اوٹرم صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ مورخہ ۱۲۔ دسمبر ۱۸۵۵ء
کے دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کے فقرہ ۴ کے الفاظ یہ ہین۔ ——

"مجھ سے آغائی صاحب نے عند الملاقات بعض تعلقہ دارون کی شکایتون کی سخت شکایت
کی کہ وہ اودھ مین جرائم کا ارتکاب کر کے برٹش عملداری مین چلے جاتے ہین اور حکام شاہی
کی مخالفت کرتے ہین تا ہم مین نے آغائی صاحب سے ایسے لوگون کے نامون کی ایک فہرست
لیکر اپنی عملداری مین اس مضمون کا اشتہار عام جاری کر دیا کہ آیندہ سے ایسے شخص
کو برٹش ضلع جونپور مین ہرگز پناہ نہ ملے گی اور منجملہ ایسے اشخاص کے آغائی صاحب جس
کسی کے خواہان ہونگے وہ مجرم قرار دیکر گرفتار اور حکام اودھ کے حوالہ کر دیا جائیگا"

اس طریقے سے مجرمین کی گرفتاری کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ نمونہ کے طور پر
ہم سید لال بخش تعلقہ دار ادھار گنج متعلقہ پرگنہ دلیپ پور ضلع سلطان پور کی گرفتاری کے
حالات درج کرتے ہین۔ سید لال بخش کی گرفتاری کے لیے آغائی صاحب نے صاحب مجسٹریٹ
الہ آباد سے پہلے ہی خط و کتابت کر کے ضروری امور طے کر لیے تھے بعد اس
کے مناسب فوج کو بسر کردگی کپتان ہمبری همراه لیکر الہ آباد پہونچے۔

مجسٹریٹ الہ آباد نے سردار ... علی صاحب تحصیلدار سراون کو مع فوج
پیادہ و سوار روانہ کیا کہ آغائی صاحب کے همراه ہو کر ان کی رائے کے بموجب

مجرم کی گرفتاری مین کوشش کرین بلکہ جہانتک ممکن ہو مجرم کو برٹش عملداری سے
نکال کر اودھ کی سرحد مین پہونچا دین تاکہ جبتک برٹش عملداری مین نہو لیکن آغائی صاحب
نے جن کو برٹش عملداری مین بھی اپنے مجرمون کا پتہ پورے طرح معلوم تھا اور اُن کے
ہرکارہ گھڑی گھڑی خبرین پہونچاتے جاتے تھے سیتلابخش کو انگریزی ہی عملداری
مین اس حسن تدبیر کے ساتھ گرفتار کر دیا کہ تلوار چلنے کی نوبت بھی نہ آنے دی - میر
وارث علی اس مہم مین آغائی صاحب کے مددگار رہے جن کو اس کارگزاری کے
کے صلہ مین چند سرٹیفکٹ پیشگاہ گورنمنٹ انگلشیہ سے عطا ہوے - یہ سرٹیفکٹ مع
چند دیگر اسناد بالخصوص چھٹیات مجسٹریٹ الہ آباد و سکرٹری گورنمنٹ ممالک مغربی
وشمالی کے دھرمیک پریس الہ آباد مین بزبان انگریزی طبع ہوئے ہین ان مین
سے دونون چٹھیون کا ترجمہ درج ذیل کیا جاتا ہے - اور ہر چند کہ یہ چٹھیان تو
میر وارث علی تحصیلدار برٹش عملداری کے معاملات سے تعلق رکھتی ہین لیکن
اُن سے بھی آغائی صاحب کی کارگزاریون کا حال بخوبی تمام ثابت ہوتا ہے -

ترجمہ مراسلہ منجانب - ایچ - ڈی - ٹکر صاحب بہادر قائم مقام مجسٹریٹ
الہ آباد - بخدمت ار - لودر صاحب بہادر کمشنر قسمت الہ آباد - مورخہ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۴۰ ع

جناب من -

بنظر اطلاع جناب والا ادب کے ساتھ ملتمس ہون کہ ناظم حال نظامت سلطانپور وغیرہ
آغا علیخان بہادر مدت دراز سے سیتلابخش تعلقدار رولیپور کی گرفتاری کی فکر
مین تھے جو رزیڈنٹ لکھنؤ کی ایما پر کئی برس سے مجرم اشتہاری قرار دیا گیا تھا
اور جس کی گرفتاری کے لیے دونون گورنمنٹون کے حکام یعنی ناظمان سابق اور افسران
ضلع سخت کوشش کرتے آئے لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا - اس کا قلعہ سنار کی برٹش گانو کے
درمیان واقع ہے جو چہار طرف پھیلے ہوئے ہین اور یہ گانون بھی کھسک بٹ ہین -
پس سرحد نہایت ہی خراب ہے - اور ایک زبردست شخص کے لیے باسانی ممکن
ہے کہ وہ دونون گورنمنٹون کو دھوکا دیکر اپنی کارستانیان کرتا رہے -

۲ - اس بات کا مصمم ارادہ کیا گیا کہ ان حالتون کا استیصال کیا جائے اور
مین نے پہلے زبانی آپ کی اجازت حاصل کرکے جس کا شکریہ ادا کرتا ہون ناظم صاحب

اور کپتان ہنری کماشر رجمنٹ حالی اودھ کو تحریراً اطلاع دی کہ سواروں اور
نجیبوں کی بقدر فوج یہاں بہم ہوسکتی تھی اُس کو میں نے میر وارث علی تحصیلدار پیادوں
کے ماتحت اس حیلہ سے کہ اس پرگنہ میں ایک ڈکیتی کے ہونے کی خبر آئی ہے روانہ کر
دیا اور تحصیلدار مذکور سیتلا بخش کے گروہ پر شب ماری میں ہوگا [illegible] کرنے کی بخوبی کوشش
کریگا لیکن میں نے ناظم اور کپتان ہنری کو اس بات کی کامل ہدایت [illegible] دیدی
کہ وہ اپنی فوج [illegible] شب ماری میں تحصیلدار کے ساتھ کارروائی کرنے [illegible] امداد
تحصیلدار کی اعانت اور مجرم کی گرفتاری کے لیے بلکہ آئین [illegible] معمولی کارروائی تھی
لیکن مجھ کو یقین تھا کہ مقصد کے حاصل کرنے کے لیے اس کی نہایت ضرورت ہے
میں نے [illegible] کے طور پر تحصیلدار سے کہدیا تھا کہ اگر [illegible] بندوبست ممکن ہو تو بہت
بہتر ہوگا کہ وہ سیتلا بخش کو بھگا کر اودھ سے باہر نکال دے [illegible] جنگ اور [illegible] لیکن
اس بات کی بھی اجازت دے دی کہ اگر وہ [illegible] مصلحت وقت
کا خیال کرکے عمل کرے اور اودھ کی فوج کو بلا کر عند الضرورت [illegible]
جنگ کرے۔

میں خدا کا نہایت شکر کرتا ہوں کہ مجھ کو یہ بیان کرنے کا موقع ملا۔ آغا علی
اور وارث علی دونوں نے کمال ہوشیاری کے ساتھ اپنی [illegible] بندوبست کیا ناظم
نے اطلاع دی کہ سیتلا بخش پورہ [illegible] واقع [illegible] میں [illegible]
میں مقیم ہے تحصیلدار فوراً وہاں روانہ ہوا سیتلا بخش نے [illegible] آدمی ساتھ تھے
اور اس نے کوشش کی کہ وہاں سے اپنے قلعہ [illegible] میں جو بہت قریب تھا چلا جائے
لیکن اثنائے راہ میں ناظم نے آکر اس کا راستہ روک دیا اور [illegible] خان رسالدار رسالہ
اودھ نے جس طرح باز تیتر پر حملہ کرتا ہے اُچک کر اس کو گھوڑے پر سے گرفتار
کرلیا اور بہت صفائی سے ناظم کے ہاتھی تک کھینچ لایا۔ تحصیلدار کی [illegible] قوت اور
[illegible] کو دیکھ کر تحصیلدار اور تمام کیمپ کے لوگ دنگ ہوگئے [illegible] سپاہیوں
نے جب دیکھا کہ اُن کا مالک اس طرح [illegible] ہوگیا تو انھوں نے [illegible] بندوقیں
چلائیں اور بعد اس کے گرفتار ہوگئے۔ ناظم صاحب نے قلعہ پر قبضہ لیا اور اُن کا
ارادہ ہے کہ اُس کو منہدم کردیں بعد اُس کے ناظم قیدی کو لیکر [illegible] کو سوار ہوگئے

۴ - ناظم صاحب اور کپتان منبری شیر وارث علی تحصیلدار کی بڑی تعریف لکھی ہے بیشک اُن نے ویسا ہی کام کیا جیسا چاہتا تھا - اور بڑے اطمینان و ہوشیاری کے ساتھ اُس نے اپنی تدبیر قائم کی اور بہادری اور مہیا کی سے اس کی تکمیل کی وہ بہت ہی تعریف کے قابل ہے - کپتان منبری مجھکو اچھی طرح اطلاع دے چکے تھے کہ ... پاس پانچسو آدمی ہیں اور بغیر خونریزی کے اُس کی گرفتاری نہ ہوسکے گی

اور وارث علی نے اس بات کو بخوبی جانکر بوجھکر اس معاملہ مین قدم رکھا - اس لیے مین استدعا کرتا ہون کہ وارث علی ڈپٹی مجسٹریٹ مقرر کیا جائے اور تین پارچہ کا ایک خلعت قیمتی پانچسو روپیہ اُس کو گورنمنٹ سے عطا ہو - اس کی اس گرفتاری کا نہایت عمدہ اثر سرحد کی اُن پر پہونچے گا اور اس قسم کی کوششون کی نسبت لازم ہے کہ گورنمنٹ اُن کا لحاظ کرے اور اُن کی بابت انعام عطا کرے

۵ - سوارون اور نجیبون نے جو کچھ کیا اُنکا کام تھا لیکن آیندہ اُن کو حوصلہ دلانے کے لیے میری خوشی یہ ہے کہ گورنمنٹ سو روپیہ کا انعام عطا کرے - اور تحصیلدار یہ روپیہ اُن لوگون کو تقسیم کر دے -

۶ - مسٹر لنڈ جنٹ مجسٹریٹ پرتابگڈہ کو ہدایت کیگئی ہے کہ وہ باضابطہ تمام تحقیقات کرین اور سرحد کے مختلف زمیندارون پر سیتلابخش کو پناہ دینے اور پھکولال محرر چوکی مرزاپور رچھاری پر مجرم کو خبر دینے کے جو الزام لگائے گئے ہین اگر وہ ثابت ہون تو اُن لوگون کو سزا دیجائے -

۷ - اس چٹھی کی ایک نقل صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کی خدمت مین بھیجی گئی ہے تاکہ آغا علی خان ناظم کی عمدہ تدبیرات جنگ اور رسالدار کے دلیرانہ برتاؤ پر لحاظ کیا جائے -

۸ - خطوط و کاغذات متعلقہ اطلاعاً منسلک کیے جاتے ہین سیتلابخش کے چال چلن اور اُس کی گرفتاری مین جو کوششین اب تک بے نیل مرام ہوتی آئی ہیں ان کوششون کے معلوم ہونے پر آپ وارث علی کی کارگزاری کی قدر کر سکین گے اور اس امر کو دریافت کر سکین گے کہ اس گرفتاری سے جو ایسی ہنرمندی

کے ساتھ اسقدر جلد عمل مین لائی گئی ہے کہ [illegible] فائدہ پہونچے گا -

محکمہ صاحب مجسٹریٹ ضلع

آپکا تابعدار خادم (دستخط)

الہ آباد مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۵۱ء

ایچ. بی. تکر. قائم مقام مجسٹریٹ

نمبر مراسلہ بجانب سے تھامسن صاحب بہادر سکرٹری گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی

بنام آر. لوئد صاحب بہادر کمشنر قسمت الہ آباد بمقام کیمپ لفٹنٹ گورنر بہادر مورخہ

۲۲ جنوری ۱۸۵۲ء

[illegible]

۱ - بہ ہدایت اطلاع [illegible] گذشتہ نمبری [illegible] گرفتاری باقی [illegible] بابت ادائے اور دلیپ [illegible] جمعداری [illegible] مساکن [illegible] تحصیلدار [illegible] ضلع الہ آباد [illegible] ہوئی -

۲ - [illegible] حسب ہدایت اطلاع دیتا ہوں کہ [illegible] گورنر

بہادر نے منظور فرمایا ہے کہ انعامات مندرجہ حاشیہ سرداران تحصیلدار [illegible] اور سواران و نجیبان ہمراہی کو عطا کیے جائیں -	[illegible] تحصیلدار [illegible] [illegible] [illegible] اور [illegible] لوماریق

۳ - لفٹنٹ گورنر [illegible] وارث [illegible] مورخہ ۵ اگست ۱۸۴۴ء ڈپٹی مجسٹریٹ [illegible] اور حسب منشا سے رگولیشن [illegible] ۱۸۴۰ء اسسٹنٹ کے اختیارات [illegible] فرمائے -

۴ - مجسٹریٹ [illegible] متعلق جو حال لکھا ہے اس سے لفٹنٹ گورنر بہادر بہت خوش ہوئے [illegible] افسر مذکور نے جو اس بات کا [illegible] ظاہر کیا ہے [illegible] اودھ کی مامن نہ رہے جن کے جرائم کی رزیڈنٹ [illegible] تصدیق [illegible] کو بالکل پسند فرماتے ہین -

۵ - آپکے خط کی ایک نقل [illegible] رزیڈنٹ کے نام حسب تحریر مسٹر [illegible] سومر رزیڈنٹ [illegible] روانہ کیا - [illegible] اور ان کو لکھا جائے گا کہ اس مجرم کے بارہ مین جو کارروائی ہو اسکی رپورٹ [illegible] ارسال کرین -

مین ہوں آپکا تابعدار خادم (دستخط) جے. تھامسن سکرٹری گورنمنٹ کیمپ لفٹنٹ گورنر مورخہ ۲۲ جنوری ۱۸۵۲ء

اس میں کوئی شک نہیں کہ [illegible] اس واقعہ کے وقوع سے
اور برٹش گورنمنٹ کے افسروں کے شریک ہونے سے آغا علی صاحب [illegible] کی طرف [illegible]
توجہ کی گئی اور [illegible] آغا علی صاحب کے ساتھ ہوتے [illegible]
اور [illegible] اور ترقی ہو گئی [illegible] اس بات کا خیال کیا جاتا ہے کہ اگر
آغا علی [illegible] کے [illegible] ہوتے تو ان کی [illegible] ترقی ہو [illegible]
گورنمنٹ [illegible] کہ آغا علی صاحب [illegible] بیان کرتے ہیں
لیکن [illegible]

[illegible]

[illegible] آغا علی خان بہادر ناظم سلطان پور [illegible]
از کارگزاری [illegible] اراضی [illegible] کہ صاحب [illegible]
[illegible]
که از سرکار [illegible] شان مرحمت [illegible] آغا علی خان بہادر عطا شود [illegible]

…نی سچے بہادر نوجوان اور پھر اُس کے ساتھ
…وفا بازی اور انتقام لینے کی تصویر
…ن دربار بنی نعمان اور دربار خسرو
…حالات شیرین و مریم کی سرگذشت بھی
…لطر زور جیانا - مسیحی صلیبی لڑائی کے چھڑ
…دولی - اور صلاح الدین کا زمانہ
… سرفروشی - اور پھر اُس کے ساتھ ہی عشق
…ن ایشیانا - روس اور روم کی لڑائی
… اور ترکون کی پھوٹ - اُس کا انجام
اور پھر ترکون کا اتفاق اور اتحاد -
…سور موہنا - ملک سندھ میں ایک مسلمان
… خاندان - اس کی تباہی - اور پھر
… قوم کی مدد سے اس کا سنبھلنا … عشق
… دلکش تصویرین مسلمان اور ہندوؤن
… مسلمان فقرا اور اسلام کے مشنری
…سفر یا پرین - نہایت ہی حیرت انگیز ناول
…باطنیہ … - اور ان کے فدائی
… - ایک عازم حج لڑکی کا حورین جانا
اس کے عاشق کا باطنی لوگون کے ہاتھ
… ہونا - اعلیٰ درجے کا ظاہری فلسفہ الٰہی
اور اس کا دوسرا نہایت تاریک باطنی رُخ -
… مسئلے کی توضیح کہ ہر ظاہر کا ایک باطن ہے
… دلچسپ ناول ہے -
شہید وفا - غرناطہ اور اسپین میں مسلمانون
… اور اس زوال کی حالت میں بھی
… سچے عاشق کا راستبازی پر جان دیدینا …
… حسرت و اندوہ کی سچی تصویر
… - بابو بنکم چندر چٹرجی کے اس نام کے
… ناول کا ترجمہ نہایت فصیح اردو میں - صہ

دلچسپ … قت کا پہلا زور ستم
عشق اور اس کی جیتی … خاندانی جھگڑے
… شریف زادے … کا نتیجہ خاص
…شادی اور …
دلکش … اور عشق
نہایت … زبان اور … عشق
… اور لطف -
…والوی … ایک نہایت ہی دلچسپ
انگریزی ناول کا ترجمہ کر کے دلگداز میں شائع
کیا گیا - … کیا گیا -
آغا صادق کی شادی - لکھنؤ کے اگلے
… دار تصویر …
… اور صورت دکھا دینا معمولی بات
سمجھی … غفلت کا خمیازہ -
بدرالنسا کی مصیبت - ایک …
داستان جس میں ریل پر بیبیون کے بدل جانے
سے طرح طرح کی خرابیان پیدا ہوتی ہیں
میوۂ تلخ - ایک دلچسپ ناول نارضامندی اور
نارضامندی کی شادیان ہیں

جلد ہاے دلگداز

جلد دلگداز ۱۹۰۱ء (اس سال صرف پانچ رسالے نکلے تھے)
جلد دلگداز ۱۹۰۳ء (صرف آٹھ رسالے نکلے تھے)
جلد دلگداز ۱۹۰۶ء (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز ۱۹۰۷ء (اس میں ابتدائی چند رسالے … اور باقی … کے ہیں جن میں … ایک جلد مرتب کی گئی)
جلد دلگداز ۱۹۰۸ء (مکمل بارہ پرچے)
جلد دلگداز ۱۹۰۹ء (مکمل بارہ پرچے)

المشتہر منیجر دلگداز لکھنؤ مرزا … بیگ خان

سلسلۂ مشاہیر اسلام

ہر زبان کے لٹریچر میں جن ناموَرون اور بزرگون کے نام آیا کرتے ہین اُن کے حالات ضرور
موجود ہوتے ہین۔ مگر اُردو زبان [illegible] نہایت ہی مفلس ہے۔ اسی خیال سے ارادہ کیا گیا
کہ مشاہیر نامور [illegible] کی سوانح عمری لکھنے کا ایک ایسا سلسلہ شروع کر دیا [illegible]
کہ ہر ایک کے حالات [illegible] مستقل [illegible] تحقیق و تنقید کے ساتھ مدوّن ہو جائین۔ اگرچہ احباب و قدردانون کی حوصلہ افزائی
سے سلسلہ شروع کر دیا گیا تھا اور تبرکاً [illegible] مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی چنانچہ اس سلسلہ کا پہلا نمبر جنید بغدادی
پبلک کے ہاتھون مین ہے [illegible] کی قیمت [illegible] جن صاحبون کو ضرورت ہو فوراً طلب فرمائین دوسرا نمبر
ابو بکر شبلی جس مین حضرت شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتب کیے گئے ہین۔ زیر طبع ہے۔

قدردانون سے امید ہے کہ اس سلسلہ کی قدر افزائی فرمائین گے۔ اور عام اجازت دے دین گے
کہ اس کا ہر نمبر شائع ہوتے ہی مزید اطمینان کے لیے ایک ہفتہ پیشتر اطلاعی کارڈ بھیج کے اُن کی خدمت
مین ویلیو پے ایبل بھیج دیا جایا کرے۔ قیمت کسی نمبر کی ایک روپیہ سے زیادہ نہ رکھی جائے گی۔

یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا۔ لیکن اگر قدردانون کی تعداد زیادہ ہوئی تو اس سلسلہ کے نمبر
جلد جلد شائع ہون گے۔ اور زیادہ سستے کر دیے جائین گے۔ ہمین اپنے احباب خاص اور قدردانان
ملک سے عموماً امید ہے کہ خود بھی اس سلسلہ کی سرپرستی فرمائین گے اور [illegible] احباب کو بھی اس کی
ایک ایک جلد کی خریداری پر مجبور کرین گے۔ ہم محنت کرنے کو تیار ہین۔ لیکن اس کو [illegible]
جاری رکھنا اور عام پبلک کو اس کی طرف متوجہ کرنا اہل ملک و خصوصاً مسلمانون کا کام ہے۔

ضروری اطلاع

آئندہ سے جملہ خط و کتابت عزیزی محمد فاروق منیجر دلگداز سے کی جائے
منی آرڈر وغیرہ بھی اُنھین کے نام پر آئین۔ وہی قدردانان [illegible]
تعمیل کرینگے اور وہی اُنھین کے مرسلہ وی پی ناظرین کی خدمت مین [illegible]

[illegible] ایڈیٹر دلگداز

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۶ بابت جون   جلد ۱۱ بابت ۱۹۰۸ء

بایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

واہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن میں چھپا

دلگداز

رسالہ دلگداز کا دفتر لکھنؤ سے پھر حیدر آباد دکن میں منتقل ہو آیا ہے لہذا جملہ مراسلت حیدر آباد کے پتہ پر محمد فاروق منیجر دلگداز کے نام سے ہونی چاہیے

سالانہ چندہ والیان ملک رؤسا و امرائے عظام سے پچیس روپیہ ؎ عام لوگوں سے اگر مکمل پرچہ یعنی تینوں اجزائے دلگداز مضامین ناول اور تاریخ لیں تو تین روپیہ (سے) کلدار ان میں سے کوئی دو جز لیں تو دو روپیہ (عہ) کلدار۔ اور کوئی ایک ہی جز لیں تو سوا روپیہ (عہ) کلدار

علاقہ سرکار عالی میں مکمل پرچہ کا سالانہ چندہ چار روپیہ (للعہ) سکہ محبوبیہ۔ دو جز لیں تو پونے تین روپیہ (عا۱۲) سکہ محبوبیہ ایک جز لیں تو ڈیڑھ روپیہ (عہ) سکہ محبوبیہ۔ نمونے کے پرچہ کے لئے ۶ کلدار یا ۸ سکہ محبوبیہ بھیجے جائیں۔

الملتمس

محمد فاروق منیجر دلگداز فیلخانہ حیدر آباد دکن

ہم کہان تھے اور کہان ہین

زمانہ کبھی کسی کو ایک حال پہ قرار نہین لینے دیتا۔ دلگداز ہی کو دیکھیے کہ پہلے لکھنؤ مین تھا سنہ ۱۸۹۸ء مین حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین آیا۔ اس کے بعد کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ سنہ ۱۹۰۵ء مین پھر لکھنؤ پہونچا۔ وہان سرد مہری زمانہ سے کبھی بنا اور کبھی بگڑا۔ گرا اور پھر اُٹھا۔ نظرون سے غائب ہوا۔ اور یکایک پھر نظر آیا۔ اور آخر ہم نے عہد کر لیا کہ اب پاؤن توڑ کر لکھنؤ ہی مین بیٹھین گے لیکن عہدون کا کر لینا آسان ہے اور نباہنا مشکل۔ ہم تو بنا ہین مگر زمانہ بھی بنا منہ دیکھی عالیجناب مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر یمین السلطنۃ مدار المہام سرکار عالی کی قدر افزائی اور مولوی محمد عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کی محبت و عنایت پھر کشان کشان اُسی سواد دکن مین لے آئی جسے اپنی ناقدری سے چھوڑ کے چلے گئے تھے۔ خلاصہ یہ کہ دلگداز اب پھر حیدرآباد فرخندہ بنیاد مین ہے۔ اور اعلیحضرت بندگان عالی مدظلہ العالی دام اقبالہ کے دامن عافیت مین۔

دلگداز درد و غم کے قصے سنانے اور آوارہ گردی و صحرا نوردی کی داستانین بیان کرنے مین خاص دلچسپی رکھتا ہے۔ اور اسی رنگ نے اس کی آہ مین ایک اثر پیدا کر دیا ہے۔ ایسی صورت مین ممکن نہ تھا کہ جس کہانی کو وہ بارہا

سنایا کرتا ہے اُس کی کچھ کیفیت خود اُس کی زندگی مین بھی پیدا ہو رہی ہے۔ وہ دکن کی آوارہ گردی بیان کرتا ہے تو خود اُسے بھی کسی نہ کسی حد تک آوارہ گرد ہونا چاہیے تھا۔ پھر بھلا کیونکر ممکن ہے کہ ہم ایک ہی جگہ بیٹھنا چاہین اور بیٹھ سکین۔

خدا سے امید ہے کہ اب ہمین کسی دوسرے انقلاب اور تغیر سے سابقہ نہ پڑے گا۔ کیونکہ مربیون اور سرپرستون کے ازدیاد دولت سے خود اُس کی وضع و حالت مین ترقی ہونے کی امید کوئی بیجا امید نہین ہے۔

دلگداز اپنی تبدیل مقام و مکان اور صدہا قسم کے دیگر ترددات کی وجہ سے پورے ایک سال تک بند رہا۔ لکھنؤ مین سنہ ۱۹۰۷ء کے ۱۰ جون تک نکل کے بند ہوا تھا۔ اب جولائی سنہ ۱۹۰۸ء سے پھر جاری کیا جاتا ہے۔ جن احباب اور قدردانون کا حساب جون سنہ ۱۹۰۷ء مین ناتمام چھوٹا تھا اُن کے حساب کا تکملہ سنہ ۱۹۰۸ء یعنی موجودہ سال کی آخری ششماہی مین ہو جائے گا۔

جو اخبار اور رسالے تبادلہ مین جاری رہے اُنکے معزز ایڈیٹرون کے ہم نہایت شکرگزار ہین۔ اور جن حضرات نے تبادلہ مین پرچہ بند کر دیا اُن کی خدمت مین یہ پرچہ بھیج کے التماس ہے کہ براہ عنایت اپنا پرچہ حیدرآباد دکن۔ محلہ فیل خانہ کے پتہ پر جاری فرما کے رہین منت فرمائین۔

مشاہیر اسلام کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اور امام ابوالحسن اشعری کی سوانح عمری چند ماہ بعد اپنے قدردانون کے ہاتھ مین پہونچ جائے گی۔

دنیا ایک طلسم ہے

بڑے بڑے تجربہ کار محققون کو اکثر یہ کہتے سنا ہے کہ دنیا ایک طلسم ہے اور ہمین ہمیشہ دھوکا دیا کرتی ہے۔ لیکن شاید اس پر پوری طرح غور نہین کیا گیا کہ آو کیون طلسم کہا گیا۔ اور اس نے کسے اور کیونکر دھوکا دیا۔ علمائے روحانیین نے اکثر اس کے طلسم ہونے کی توجیہین بھی کین۔ اور اپنے مذاق و خیال کے مطابق مکار دنیا کے مکر و فریب کو ثابت کر کر دکھایا۔ کسی نے اس کی بے ثباتی کو اس کا

اگر قرار دیا کسی نے اس کی نیرنگی و تلوّن کو۔ مگر سچ یہ ہے کہ دنیا کا طلسم پورا پورا وضاحت سے نہین دکھایا جا سکا۔ اگرچہ اس کے ایک عجیب و غریب طلسم ہونے مین ذرا بھی شک نہین۔

آپ اگر ذرا بھی غور کرین گے تو نظر آ جائے گا کہ دنیا کی ظاہری حالت ہمیشہ دھوکا دیا کرتی ہے۔ ہوتا کچھ ہے۔ اور نظر کچھ آتا ہے۔ ہم جانتے کچھ ہین اور ہوتا کچھ ہے۔ پروانے کی طرح ہم آگ کو نور دیکھ کے دوڑتے ہین مگر وہان پہونچ کے بجاے نور کے آگ برستی ہے۔ اور بجاے اس کے کہ اُس کی مسرت کا احساس ہو جل کے خاک ہو جاتے ہین۔

ذرا شمال کی طرف نظر دوڑاؤ ہمالیہ کے اونچے سفید ٹیلے دور سے آسمان مین ملتے ہوئے نظر آتے ہین اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہی نردبان فلک ہین۔ آسمان سے باتین کر رہے ہین۔ اور اگر ہم ان پر چڑھ گئے تو آسمان پر پہونچ جائین گے۔ اور عالم ملکوت والون سے بیٹھے ہی ملاقات ہو جائے گی۔ مگر اوپر چڑھ کے اور اُس بلندی پر پہونچ کے دیکھیے تو کھل جاتا ہے کہ آسمان جتنا دور نیچے سے تھا اُتنا ہی دور وہان سے بھی ہے۔

وہ دیکھو صحراے عرب مین ریگ روان دور سے دھوکا دیتی ہے کہ دریاے بیکران لہرین مار رہا ہے۔ بادیہ گرد تشنہ لب خوش ہو کے دوڑتا ہے کہ وہان پہونچے اور آتش عطش بجھا لی۔ اور جی بھر کے سیراب ہو گئے۔ مگر جب پاس جا کے قریب خوردہ متحیر نگاہون کو ادھر اُدھر دوڑاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے کہ کیا تھا کیا اور ہم کیا سمجھے تھے۔

آتش سوزان دور سے خوبصورت۔ روشن۔ سنہری۔ اور دلفریب نظر آتی ہے۔ دنیا کا کوئی حسن اُس کے آگے فروغ نہین پا سکتا۔ جواہرات کی آب و تاب اُس کے آگے ماند پڑ جاتی ہے۔ چاند سورج کی روشنی اپنی جگہ پر چاہے کیسی ہی عالم افروز ہو مگر اُس مین بھی ایک پھیکا پن ہے اور وہ دمک نہین جو ایک دہکتے ہوئے انگارے مین ہے۔ مگر ذرا پاس جا کے چھوؤ۔ اور ہاتھ لگاؤ۔ تو قدر عافیت معلوم ہو۔ اُس شمع کو دیکھو جو تمھارے سامنے ایک غمزدہ حسینہ کی طرح جھکی

آنسو بہا رہی ہے۔ تماشے کے عالم میں ہے۔ اور تحمل و بردباری کی تعریف ہو رہی ہے
مگر اعوذ باللہ من غضب الحلیم اس کی اس بیکسی اور مایوسانہ حالت پر نظر
اُسی وقت تک کام کی ہے جب تک اُسکی روشنی میں تم کسی کا پیارا چہرہ دیکھتے رہو
اور دور دور رہتے ہو قریب گئے اور اس نے ایک زہریلے بچھو کی طرح
ڈنک سا مارا۔

اب لگے ہاتھوں اُس حسن پرستی پر ایک نظر ڈال لیجیے جس نے شاعری کی دنیا
میں گرمجوشی پیدا کی ہے۔ اور نوجوانوں کی بدمذاق سمجھوتوں میں ہلچل ڈال رکھی
ہے۔ یہ حسین عورتوں نازنینان عالم۔ اور زیادہ تر شاہدان بازار کا حسن ہے۔ آپ
کے ظاہری کرشمے تو یہ ہیں کہ گھونگھٹ کی آڑ سے ایک جھلک دکھا دی اور رخ
زیبا کو چھپا لیا۔ اور مشتاقان دید کے خرمن جان پر ایک نہیں صدہا بجلیاں گرین
روزن در سے سرمگین چشم فتان کی مستانہ ادائی دکھا کے مست کر گئیں۔ اور ہر
دل اور ہر کلیجہ میں ناسور پڑ گیا یہاں تک بھی غنیمت تھا کہ ان کرشموں اور حسن
کی ان اداؤں نے دنیا میں ہزارہا عاشق پیدا کئے قیامت تو یہ ہے کہ ان نظر
فریبیوں نے ہر نوجوان کو عاشق بنا دیا۔ لیکن اس حسن کی دلفریبیاں اُسی وقت
تک ہیں جب تک اسے دور سے دیکھیے۔ پاس جا کے دیکھیے اور خط و خال
پر گہری نظر ڈال لیجیے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس نمائشی حسن کے اندر کتنے عیب ہیں
اور اگر ایک قسم کی زبردست کشش ہے تو کتنی طرح کی نفرت انگیز چیزیں موجود ہیں
یہ جتنی حسین صورتیں نظر آ رہی ہیں اور جن کے مشق ستم کے ہم شاکی رہا کرتے ہیں اگر
ان کی اچھی طرح دیکھ بھال کیجیے تو حقیقت پرست نظر سے فوراً ہی طلسم کا پردہ اُٹھ جائے گا
اور سو نہیں ہزاروں میں بھی ایک مشکل سے ایسی نظر آئے گی جو دل دینے کے قابل ہو
اور یہ بھی اُسوقت تک ہے جب تک صرف جسمانی حسن سے علاقہ رکھا جائے۔
اپنی تنقید اور پرکھ میں اگر اخلاقی اور روحانی عیوب کو بھی شامل کر لیجیے تو لاکھ کیا
کروڑوں میں بھی ایک ایسی صورت نہ نظر آئے گی۔ جس میں حسن صورت کے
ساتھ حسن سیرت بھی شامل ہو۔

خوارج

جس طرح کسی دلربا کے بگاڑ بن جاتے اور اس کے مشتاق رہتے ہیں ایک ادا ہوا کرتی ہے۔ ٹھیک اسی طرح شریف اور راستباز قوم کی لغزشوں میں کوئی نہ کوئی ادا رہتی ہے اور اُن کے کفر و فسق میں بھی کوئی دلکشی ضرور نظر آ جاتی ہے۔ چنانچہ دور اسلام کے بعد سے خوارج کا فرقہ پیدا ہوا ہے تو چونکہ وہ سب عربی النسل تھے اس لئے اُن کے اس کفر و تمرد سے بھی بعض اوقات عجیب قسم کی ادائیں ظاہر ہوئیں۔

خوارج اصل میں آج کل کے نہلسٹ یا کمیونسٹ تھے جن کا اصول مذہبی قرار پا گیا تھا کہ کسی خلیفہ یا سربرآوردہ سلطنت کی اطاعت نہیں جائز ہے۔ تمام جماعت اسلامی تو یہ کہتی تھی کہ "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم" یعنی خدا رسول اور صاحب امر (یعنی بادشاہ یا اہلبیت اماموں کے عقائد کے مطابق امام زمان علیہ السلام) کی اطاعت کرو۔ اور وہ کہتے تھے کہ "ان الحکم الا للہ" یعنی خدا کے سوا کسی کو حکومت کا حق نہیں۔ اپنے جھنڈے میں یہی آیت لکھی اسی کو اپنا شعار بنایا۔ اور جس کسی کو خلیفہ یا بادشاہ ہونے کا دعوے ہوا اُسی سے لڑنے کو تیار ہو گئے۔ اُن کو اس سے بحث نہ تھی کہ حکمران بنی ہاشم میں سے ہے یا بنی اُمیہ میں سے عباسی ہے یا فاطمی وہ ہر اس شخص کے دشمن تھے جسے یہ دعوے ہو کہ بادشاہ کو اپنے اختیار سے احکام جاری کرنے کا ذرا بھی حق ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان لوگوں کی سرتابی سے جو کچھ ہوا مشہور ہے۔ آپ کے بعد ان لوگوں میں اختلاف پیدا ہوا پھوٹ پڑی اور گویا ہمت ہار کے خاموش بیٹھ گئے۔ مگر عبد اللہ بن زبیر اور عبد الملک بن مروان میں ہنوز خلافت کا تصفیہ نہیں ہونے پایا تھا کہ باسی کڑھی میں ابال آیا۔

اس کی بنیاد یوں پڑی کہ خوارج میں پھوٹ پڑنے کے بعد اُن کا سردار نافع بن ازرق شہر اہواز کے بازار میں سکونت پذیر ہو گیا۔ چند روز کی خاموشی سے

اُس کے دل مین شکوک و شبہات پیدا کیے۔ اپنے عقاید کے متعلق مصر رہا کہ ایک دن بی بی نے کہا "اگر تم یہ سمجھے ہو کہ بات چھوڑ کے تم کافر ہو گئے تو اپنے دعوے سے باز آؤ۔ اور ساتھیون کو چھوڑ دو۔ لیکن اگر یہ خیال ہے کہ کفر چھوڑ کے مسلمان بنے ہو تو کافرون (عام مسلمانون) کو جہان ملین قتل کرو۔ اور قتل عام بول دو۔ عورتون کو چھوڑو۔ نہ بچون کو۔ اور وہی ہو جو نوح علیہ السلام نے کہا تھا "لاتذر علی الارض من الکافرین دیّارا" (زمین پر کافرون مین سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ) بی بی کی یہ صلاح سنتے ہی نافع تلوار لے کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اپنے گروہ کو جمع کیا۔ اور ہر چہار طرف قتل کا بازار گرم کر دیا جس جگہ پہونچتا زن و فرزند کسی کو نہ چھوڑتا۔ اور کوئی اس بے رحمی کی شکایت کرتا تو جواب دیتا کہ یہ بڑے ہو کے اپنے باپون ہی کے ایسے ہون گے۔"

جب سواد عراق کے اطراف و جوانب مین ان لوگون کا زور ہوا۔ اور بصرہ والون کو اپنے لیے اندیشہ ہوا تو احنف بن قیس کے پاس گئے جو وہان کے معززین مین تھا۔ خوارج کے ظلم و جور کی کیفیت بیان کی۔ اور کہا صرف دو منزلین باقی ہین۔ اُن کو طے کیا۔ اور وہ لوگ ہم پر آ پڑے۔ احنف نے عام مسلمانون کو خوارج کے مقابلہ پر آمادہ کیا۔ مسلم بن عبیس کو اُن پر سردار مقرر کیا۔ اور ابن عبیس دس ہزار اہل بصرہ کو لے کے روانہ ہوا۔ مگر جب بصرے کے پل کے اُس پار پہونچا تو ہمراہیون سے کہا "اپنی لڑائی مین ہمین سیم و زر اور دولت و حشمت کی بالکل اُمید نہین۔ کیونکہ حریفون کے پاس کوئی سرمایہ نہین ہے۔ لہذا جو لوگ کسی دنیوی لالچ سے چلے ہون واپس جائین اور جو خالص جہاد کے لیے چلے ہون میرے ساتھ چلین" یہ تقریر سُن کے کچھ لوگ پلٹ گئے۔ اور باقیون کو لے کے ابن عبیس آگے بڑھا۔

ابن عبیس جمادی الآخر سنہ ۶۵ ہجری کو مقام دولاب مین پہونچا تھا کہ نافع بن ازرق کا سامنا ہو گیا۔ اور بغیر کسی انتظار و تامل کے لڑائی شروع ہو گئی دونون فریق عجب جوش اور حیرت انگیز شجاعت سے لڑے۔ لڑتے لڑتے

یہان تک نوبت پہونچی کہ بہادرون کے ہاتھ مین نیزے ٹوٹ گئے۔ گھوڑون کے ہاتھ پاؤن کٹ گئے۔ اور ہزارہا آدمی مقتول و مجروح ہو چکے تھے۔ اپنے تلوارون اور گرزون سے یکدست بدست لڑائی ہو رہی تھی کہ دونو لشکرون کے سردارون یعنی ادھر ابن عبیس نے اور ادھر نافع ابن ازرق نے موت کا جام پیا۔ اور دونون فوجین سپہ سردار بے سر ہوگئین۔ مگر دونون سردارون نے نفس واپسین سے پہلے اپنا جانشین خود ہی منتخب کر دیا۔ ابن عبیس نے ربیع بن عمر کو سردار مقرر کیا جو اجذم (لنجھو کنٹے) کے لقب سے مشہور تھے کیونکہ عبداللہ ابن سمرہ کے ساتھ کابل کے جہاد میں ان کا ہاتھ بیکار ہو گیا تھا۔ اور ابن ازرق نے عبداللہ بن بشیر کو۔ اور لطف کی یہ بات تھی کہ یہ دونون سردار ایک ہی قبیلہ یعنی بنی یربوع مین سے تھے۔

خوارج تعداد مین عام مسلمانون سے کم تھے۔ شجاعت مین اُن کے برابر تھے۔ اور جوشن و خفتان کے لحاظ سے بڑھے ہوئے تھے۔ اور جوش و خروش مین سچ یہ ہے کہ خوارج حد سے زیادہ گزرے ہوئے تھے۔ اُن کی عورتون تک نے غیر معمولی شجاعت دکھائی۔ ابن ازرق کو جس مسلمان نے قتل کیا وہ سُلامہ نامی ایک باہلی نژاد شخص تھا۔ وہ کہتا ہے مین اُس کا کام تمام کر چکا تھا کہ خوارج مین سے ایک سوار سامنے آیا اور مجھ سے مقابلہ کرنا چاہا مگر مین نے ٹالا۔ تاہم اُسکی یہ حالت تھی کہ جدھر مین جاتا اُدھر کا رُخ کرتا۔ اور جہان ٹھیرتا سامنے آکے جم جاتا۔ اور کہتا "آئیے ہمارا آپ کا فیصلہ ہو جائے"۔ آخر مجھے مجبوراً نکلنا ہی پڑا۔ قریب پہونچتے ہی ہم دونون نے ایک دوسرے پر نیزہ مارا۔ اُس کا نیزہ تو اوچھا پڑا۔ مگر میرا نیزہ کام کر گیا۔ وہ شخص بیہوش ہو کر زمین پر گرا۔ اور مین نے اُس کا سر کاٹنے کا ارادہ کیا۔ اب جو دیکھتا ہون تو وہ عورت ہے۔ اور دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ ابن ازرق کی وہی جورو تھی جس نے اُبھارا اور قتل عام پر آمادہ کیا تھا۔

ان دونون نئے سردارون کی ماتحتی مین بیس دن سے زیادہ زمانہ تک دونون فریق لڑتے رہے۔ جن مین سے آخری دو دنون کی لڑائی قیامت کی تھی

مسلمانون کے سردار ربیع بن عمرو نے آخر خواب مین دیکھا کہ اُن کا وہی ہاتھ جو کابل مین کٹا تھا آسمان سے اُترا اور اُس نے اُنھین پکڑ کے اپنی طرف کھینچ لیا اِس خیال سے اُنھین اپنی موت کا یقین ہوگیا۔ صبح کو اُٹھ کے جوش سے لڑے اور شہید ہوئے۔ اب لوگ مسلمانون کے جھنڈے کو ہاتھ لگاتے ڈرتے تھے۔ کیونکہ دو آدمی اُسے اختیار کر کے جان دے چکے تھے۔ آخر کُریب بن عبد الرحمن کے جوش دلانے سے حجاج بن ایاب نے مسلمانان بصرہ کا علم اپنے ہاتھ مین لیا۔ اور ایسی قیامت خیز لڑائی ہوئی کہ لوگون کو عرصۂ حشر بھی بھول گیا۔ صفین درہم وبرہم ہوگئین۔ لوگ ایک دوسرے مین گتھ گئے۔ نیزون سے لڑ لڑ کے نیزے توڑ ڈالے۔ پھر تلوارون اور گرزون کو ہاتھ مین لیا۔ اور یہان تک لڑے کہ مارے تھکن کے دست و بازو نے جواب دے دیا۔ حریف پر حملہ کرتے تو کارگر نہ ہوتا۔ نوبت یہان تک پہونچی کہ جھنجلا جھنجلا کے پتھر اُٹھاتے اور حریف پر دے مارتے۔ غیظ وغضب سے دشمنون کو گالیان دیتے۔ اور اپنی بے بسی پر غصہ کر کے رہ جاتے۔

حجاج بن ایاب نے بڑی جان بازی سے مقابلہ کیا۔ مگر لڑائی کا کسی طرح فیصلہ ہونے ہی کو نہ آتا تھا۔ یکایک اُس سے اور ایک خارجی بہادر عمران بن حرث سے مقابلہ ہوگیا۔ اور دونون حریفون نے طیش مین آکے دشمن پر اِس زور سے وار کیا کہ دونون وار کاری پڑے۔ اور دونون اپنی اپنی جگہ پر گر کے ٹھنڈے ہو گئے۔ اتنے مین لوگون نے درمیان مین آکے ہجوم کیا۔ اور رات ہوگئی۔ صبح کو بہت سے اہل بصرہ بھاگ کھڑے ہوئے اور بہت سے بہادر میدان مین قدم جمائے کھڑے تھے۔ اب اُنھون نے حارثہ بن بدر کو اپنا سردار منتخب کیا۔ مگر خوارج کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے عمران جو حجاج کے مقابلہ مین مارا گیا تھا اُس کی مان نے بیٹے کی لاش پر نہایت ہی پُر اثر مرثیہ پڑھا۔ جس کا پہلا شعر یہ تھا۔ ؎

الله ايد عمرانا وطهره ۞ وكان عمران يدعو الله في السحر

؎ خدا عمران کی مدد کرے اور اُسے پاک کرے۔ اور عمران صبح کے وقت اللہ کو پکارا کرتا تھا

اب حارثہ نے مسلمانون کو ابھار کے لڑانا شروع کیا۔ معرکۂ جنگ گرم تھا کہ خوارج کی کچھ کمک آگئی۔ اور حارثہ کو مجبوراً راہ فرار اختیار کرنا پڑی۔ سب بھاگے اور خوارج نے تعاقب کیا۔ راستہ مین دجلہ پڑا جس مین بہت سے غیور مسلمان پھاند پڑے اور ڈوب ڈوب کے مر گئے۔ صرف اتنا ہوا کہ مسلمانون مین سے بنی عبد القیس کی ایک ٹکڑی بھاگی ہوئی جا رہی تھی کہ تعاقب کرنے والے خوارج اُن کے سر پر پہنچے۔ مسلمان زندگی سے مایوس ہو کے خود دشمنون پر پلٹ پڑے۔ اور اتفاقاً کچھ بنی تمیم کے لوگ بھی مدد کو پہنچ گئے۔ اور دونون ایسی اس بہادری سے لڑے کہ خوارج کو پسپا ہونا پڑا۔

اب حارثہ اور بقیۃ السیف مسلمانان بصرہ نہر تیری کے کنارے اُتر پڑے اور وہان سے قریب ہی شہر اہواز مین خوارج نے پڑاؤ ڈالا۔ اور پھر ہر روز میدان مین آ کے ایک دوسرے سے لڑنے لگے۔ لیکن عجب قسم کی مزہ دار لڑائی ہوا کرتی تھی۔ مسلمان اور خوارج باہم لڑتے مرتے۔ کبھی لڑتے لڑتے ایک دوسرے کو روک کے امن و امان سے باہم باتین کرتے۔ دینی و دنیوی مسائل چھڑ جاتے اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا ان مین اختلاف ہی نہین ہے۔ اور پھر جب جی چاہتا ٹوک کے اور جتا کے لڑائی شروع کر دیتے۔

ایک مرتبہ خوارج کی طرف سے عبیدہ بن ہلال یشکری اور مسلمانون کی طرف سے ابو خزابہ تمیمی باہم مصروف کارزار تھے کہ عبیدہ نے لڑائی سے ہاتھ روک کے کہا "اے ابو خزابہ مین کچھ پوچھنا چاہتا ہون۔ بھلا تم سچ سچ بتا دو گے؟" ابو خزابہ نے کہا "بیشک۔ مگر اس شرط سے کہ تم بھی سچ بولنے کا وعدہ کرو۔"

عبیدہ "ہان ہان۔ مین بھی جو بات سچ ہو گی بتا دون گا۔" ابو خزابہ۔ "تو پوچھو کیا پوچھتے ہو؟" عبیدہ "تمہارا اپنے فرمان رواؤن کی نسبت کیا خیال ہے؟"

ابو خزابہ "ہمارے حکمران جس کا مارنا جائز ہو اُس کے قتل کا فتوے دیتے ہین۔ اور حرام مال اور حرام عورت کو مباح کر دیتے ہین۔" عبیدہ "تو کمبخت یہ بتا کہ ملک کے محاصل کی نسبت اُن کا کیا طرز عمل ہے؟" ابو خزابہ "جو رقم نہین جائز اُسے وصول کرتے ہین اور اُسے اُس محل پر صرف کرتے ہین جہان اُس کا صرف کرنا جائز نہین۔"

عبیدہ: "اچھا بتاؤ یتیم کے ساتھ اُن کا کیا سلوک ہے؟" ابوخرابہ: "اُس کی جائداد غصب کر لیتے۔ اُس کے حقوق سے اُسے محروم کرتے۔ اور اُس کی ماں سے زنا کرتے ہیں۔" عبیدہ: "خوب۔ او کمبخت تم لوگ ایسے اماموں[1] کی پیروی کرتے ہو؟" ابوخرابہ: "خیر تمھاری باتوں کا تو میں جواب دے چکا۔ اب یہ ممکن نہیں تمھیں چھوڑ کے ذرا میرے سوالوں کا جواب دو۔ مگر دیکھو سچ سچ بتانا۔" "اچھا پوچھو۔" ابوخرابہ: "بتاؤ کون سی شراب اچھی ہوتی ہے۔ صحراؤں کی یا پہاڑوں کی؟" عبیدہ: "مجھ سے اور یہ سوال؟ لاحول ولا قوۃ۔" ابوخرابہ: "اس کی سند نہیں آپ کو بتانا ہوگا۔" عبیدہ: "خیر تمھیں اصرار ہی ہے تو سنو۔ پہاڑوں کی شراب قوی اور تیز ہوتی ہے اور صحراؤں کی شراب اچھی اور خوشگوار۔" ابوخرابہ: "اور کہو کہاں کی کسبیاں اپنے فن میں زیادہ اچھی ہوتی ہیں۔ رامہرمز کی یا ارجان کی؟" عبیدہ: "استغفر اللہ! بھلا مجھ سے ایسی بات پوچھتے ہو؟" ابوخرابہ: "دیکھیے آپ عذر کرتے ہیں مگر اس کی سند نہیں۔" عبیدہ نے مجبور ہو کے کہا: "اچھا یہ بھی بتاتا ہوں۔ رامہرمز کی کسبیاں صحبت اور میل جول میں اچھی ہوتی ہیں۔ اور ارجان کی کسبیاں صورت شکل میں اچھی ہوتی ہیں۔" ابوخرابہ: "اب بتاؤ جریر اور فرزدق میں سے کون بڑا شاعر تھا؟" عبیدہ: "تم پر اور اُن دونوں پر خدا لعنت کرے۔" پھر عبیدہ نے ایک شعر پڑھ کے پوچھا: "یہ کس کا شعر ہے؟" ابوخرابہ: "جریر کا۔" عبیدہ: "تو وہی دونوں میں اچھا ہے۔"

اصل یہ ہے کہ لوگوں میں جریر اور فرزدق کے بارے میں بڑا اختلاف تھا۔ یہاں تک کہ ایک دن بہت سے لوگ مل کے حاکم بصرہ مہلب کے پاس گئے کہ آپ اس بارے میں فیصلہ کر دیجیے۔ اُس نے کہا: "ان دونوں کٹکھنے کتوں میں سے جس کسی کے بارے میں فیصلہ کروں گا وہ مجھ پر لگت مارے گا (یعنی میری ہجو کہے گا)۔ لہٰذا میں تمھیں ایسے فیصلہ کرنے والوں کا پتہ بتائے دیتا ہوں جن کو اُن کا جس قدر بھی جی چاہے کوس لیں۔" پوچھا: "وہ کون لوگ ہیں؟" کہا: "جب خوارج سے تم سے مقابلہ ہو اور تمھارا کسی خارجی سے سامنا ہو جائے تو اُس سے یہ سوال کرنا۔" اسی

[1] یہ تمام سلاطین اور خلفائے بنی اُمیہ پر اعتراض ہے جن کے خوارج خلاف تھے۔

قرارداد کے مطابق ابوخرابہ نے یہ سوال ابوعبیدہ سے کیا۔ اور اُس نے جریر کے موافق فیصلہ کر دیا۔

تین دن تک لڑائی کا یہی رنگ رہا۔ اور اسی قسم کے واقعات پیش آتے رہے۔ پھر اہل بصرہ اپنے گھر گئے۔ اور خوارج کے بھی تعاقب نہین کیا بعد کے زمانے مین خوارج کا کاروبار زور ہوا۔ اور سلطنت سے لڑائیان ہوئین۔ مگر اس مہم کا اسی واقعہ پر خاتمہ ہو گیا۔

ان باتون کو صحیح یہ ہے کہ مذہب اور عقائد سے تعلق نہین ہے۔ یہ عرب قوم کی سچی شجاعت کے خصائص اور ان کے قومی شعار تھے۔ یہ انھین کے میدان جنگ کے ساتھ مخصوص ہے کہ رزم مین بزم کا مزہ آجاتا ہے۔

ترکانِ آلِ عثمان

اس خفیہ بردہ فروشی کی کیفیت مشہور وزیر فواد پاشا کی بی بی بہیہ خانم کی مندرجۂ ذیل سرگذشت سے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس خاتون نے یہ کام اس شوق مین شروع کیا تھا کہ شوہر کے دست نگر ہونے سے بے پروا ہو کے ذاتی سرمایہ فراہم کرے۔ یہ کام اُس نے ایسے اہتمام سے کیا کہ چند ہی روز مین اُس کی محلسرا قابل بیع دوشیزہ لڑکیون کا عظیم الشان ٹرینِنگ اسکول بن گئی۔ اس قسم کی تعلیم پائی ہوئی بہت سی لڑکیان بہیہ خانم کے پاس جمع ہو گئین تو اُسے اندیشہ ہوا کہ ان سب کا فوراً بکجانا دشوار ہے۔ اور اس دشواری کے دُور کرنے کے لئے وہ عمل اور تعویذ سے کام لینے پر آمادہ ہوئی۔ چنانچہ ریدیون کی تھیلی ہاتھ مین لئے ہوئے ایک بوڑھے خواجہ (ملا) کے پاس گئی جو ایشیائے کوچک سے آیا ہوا تھا۔ اور اعمال وغیرہ مین بڑی شہرت رکھتا تھا۔ بہیہ خانم نے اُس سے مدد چاہی۔ ملا صاحب نے چند اشرفیان لے کے مدد کا وعدہ کیا۔ اور چند روز بعد اس خاتون کے پاس ریشم کا ایک بابرکت کرتا بھیجا۔ اور بتایا کہ یہ کرتا جس لڑکی کو پہنایا جائے گا ایسی حسین نظر آنے لگے گی کہ جو اسے دیکھے گا دیکھتے ہی فریفتہ ہو جائے گا۔ اب اس کُرتے مین خدا جانے یہ خاصیت تھی یا نہ تھی۔ لیکن بہیہ خانم کو اعتراف تھا کہ وہ کرتا پہنا کے جو لڑکی خریدار کے سامنے

پیش کی گئی خریدار صورت دیکھتے ہی والہ و شیدا ہو گیا۔ اگرچہ یقینی بات ہے کہ ان لڑائیوں میں خود لڑکی کے حسن و جمال اور سلیقہ خانہ داری امور ہی کو بھی انتہا دخل تھا

غرض عام حالت یہ ہے کہ دولت عثمانیہ میں لونڈیوں کے لئے کوئی شکایت کا محل نہیں۔ ان میں جو صاحب حسن و جمال ہوتی ہیں ابتدا ہی سے قسمت کی دھنی معلوم ہونے لگتی ہیں۔ کیونکہ بہت سے ترک متعلق اسباب سے لونڈی کو بی بی پر ترجیح دیتے ہیں۔ آزاد لڑکی سے نکاح کرنے میں دولہا اور اس کے والدین کو بہت صرف کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ رونمائی۔ چڑھاوے کے جوڑوں اور دعوت کی محفل میں بہت روپیہ صرف ہو جاتا ہے۔ اور یہ چیزیں شادی کے لئے لازمی ہیں۔ جن سے مفر کی صورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ لڑکے کا باپ اگر کسی شریف خاندانی اور ہم رتبہ لڑکی سے بیاہ لانے کے مصارف نہیں برداشت کر سکتا تو لڑکے کے لیے ایک لونڈی خرید لیتا ہے جو کسی محترم خاتون کے گھر کی تعلیم یافتہ ہوتی ہے۔ اور جس کے ہاتھ آنے میں سوا [illegible] قیمت کے اور کسی قسم کے مصارف کا بار نہیں اٹھانا پڑتا۔ لونڈی چونکہ کوئی ذاتی وجاہت نہیں رکھتی اس لئے اطاعت کیش اور فرمان بردار رہتی ہے۔ اور اپنے آقا و مالک کے خوش کرنے ہی کی فکر میں لگا کرتی ہے۔ نہ اس میں فضول حیلہ بہانے ہوتے ہیں۔ اور نہ حد سے گذری ہوئی ہوسیں۔ اور نہ اس کے کوئی عزیز و قریب ہوتے ہیں جو اس کی طرف سے لڑنے کو آئیں۔ برخلاف اس کے آزاد عورت پوری طرح اپنے حقوق کی خود واقف اور ان کی حاصل کرنے کی خواستگار رہتی ہے۔ اور پھر اپنے میکے والوں سے اسے ان کوششوں میں جو مدد ملتی ہے وہ شوہر کو اکثر اوقات نہایت ہی ناگوار ہوتی ہے۔ لونڈی کے بطن سے اگر کوئی اولاد ہو جائے تو پھر وہ فروخت بھی نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ اسے حق حاصل ہو جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کے باپ کے گھر ہی میں رہ کے اس کی پرورش کرے اس کے بطن کی اولاد صحیح اولاد خیال کی جاتی ہے۔ اور اگر آقا کے پاس کوئی بیوی ہو اور اس کے بھی اولاد ہو تو لونڈی اور بی بی کی اولاد باپ کی ترکہ میں [illegible] اکثر اوقات یہی ہوتا ہے کہ ایک اولاد ہو جانے کے بعد لونڈی کو آزاد [illegible] نکاح پڑھاتا اور اپنی بی بی بنا لیتا ہے۔ ایسی صورت میں پھر [illegible] قدر اس کی بھی بڑھ جاتی ہے۔ اور ایک شریف ترکی خاندان کی بیگم [illegible]

اُسے حاصل ہو جاتے ہیں۔

لاولد میاں بی بی اور غریب اولاد والوں کا بھی قاعدہ ہے کہ خدا اولاد سے محروم رکھتا ہے تو کسی لونڈی کو بیٹے کے بدلے بیٹی بنا کے پال لیتے ہیں۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیچاری سلطانہ بھی اسی قسم کی ایک گرجن لڑکی تھی جسے محمد علی پاشا پہلے خدیو مصر کی بیوی نے جو "مصری خانم" کے لقب سے مشہور تھیں بیٹی بنا کے پالا تھا۔ وہ بہت ننھی بچی تھی کہ ایک بردہ فروش اور بہت سی لونڈیوں کے ساتھ اسے بھی لایا۔ اور یہی تمام لونڈیوں کو محل میں ملاحظے کے لیے پیش کیا۔ مصری خانم نے یہ کہہ کے کہ ایسی بہت بھولی ہے واپس لیجانے کا حکم دیا۔ اتفاقاً حرم سرا کی ایک کلفہ کی اس پر نظر پڑ گئی اور خدا نے اس کے دل میں محبت ڈال دی۔ اس کلفہ نے اسے رکھ لیا۔ تمام دن لیجا کے خوب نہلایا۔ اور مصری خانم کی ایک لڑکی جو چند روز پہلے مر گئی تھی اُس کے کپڑے اس ننھی بچی لیسمی کو پہنا کے اپنی بی بی کے دیوان خانہ میں سلا دیا۔ مصری خانم دیوان خانہ کے اندر آئیں اور اپنے پہلو کے برابر اُسے سوتا دیکھا تو متحیر ہو کے اُس کی کیفیت پوچھی اُس کلفہ نے سب حال بلا کم و کاست کہہ سنایا۔ اور عرض کیا کہ "خانم یہ بہت ہی پیاری اور خوبصورت بچی ہے۔ میری خوشی ہے کہ حضور اسے اپنی داغ دیجانے والی بچی کے عوض پال لیں۔ اور خیال کریں کہ خدا نے اسے اُس کی جگہ دیا ہے۔" یہ بات مصری خانم کے دل میں بیٹھ گئی۔ لیسمی کو بیٹی بنا کے پالا۔ اور اس کی قیمت ایک ریشمی تھیلی میں رکھی اور اُس تھیلی کو لیسمی کے کرتے کے دامن میں لپیٹ دیا۔ پھر لیسمی کو اُٹھا کے کھڑا کیا تو تھیلی نکل کے اُس کے قدموں کے پاس گری۔ جہاں سے کسی نے اُٹھا کے تاجر کے پاس پہونچا دیا۔ اس رسم سے مقصود یہ تھا کہ لیسمی عام قسم کی لونڈی نہیں بلکہ بیٹی سمجھی جائے مصری خانم میں اور اُس میں ہمیشہ ماں بیٹیوں کے سے تعلقات قائم رہے۔ جب انقلاب سے یہ بیچاری لیسمی سلطانہ بننے کے بعد ایک ناکام و نامراد بیوہ رہ گئی تو اُس نے بھی دو لڑکیاں گرجستان سے منگا کے پالیں۔ اور جوان ہونے پر اُن کی شادیاں کر دیں۔

اس قسم کی خوش اقبالی اگرچہ چند ہی لونڈیوں کو نصیب ہوتی ہے مگر بالعموم لونڈیوں کی حالت ارض مغرب (انگلستان فرانس جرمن وغیرہ) کی خادماؤں سے تمام حیثیتوں سے اچھی ہے۔ لونڈی کے فرائض عام اس سے کہ وہ پیش خدمت

پا کھلائی۔ یا تم لب پلانے والی ہو زیادہ محنت و جفاکشی کے نہیں ہیں۔ اور اُسے محلوں کا خواب دیکھنے یا شیخ چلی کے منصوبے گانٹھنے کی بخوبی فرصت ملجاتی ہے۔ جب کہ وہ دل ہی دل میں سوچتی ہے کہ کبھی میں بھی خانم ہوں گی۔ لونڈیاں میری خدمت کرتی ہوں گی۔ اور اگر خدا نے اُسے دولت حسن دی ہے تو کبھی یہ منصوبے پورے بھی ہوجاتے ہیں معزز خاتونیں جب گاڑی پر بیٹھ کے ہوا کھانے کسی دوسری خانم سے ملاقات کرنے باغوں میں تفریح کرنے جنگلوں کی فضا سے لطف اُٹھانے۔ یا حمام میں نہانے کے لئے جاتی ہیں تو گھر کا کام کاج کرنے والی بہت سی لونڈیاں اُن کے ہمراہ جاتی اور ان لطفوں میں اپنی بی بی کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔ ہر شریف خاتون کے ساتھ لونڈیوں کی ایک تعداد کثیر کو موجود دیکھنے ہی سے اکثر ناواقف سیاحان یورپ کو دھوکا ہوا۔ وہ سب کو کسی رئیس یا کسی پاشا کی بیبیاں سمجھ گئے۔ اور تعدد ازدواج پر بحث کرنے لگے۔ حالانکہ وہ سب خانم افندی کی خادمائیں اور لونڈیاں ہوتی ہیں جنھیں وہ اپنے آرام کے لئے یا اُن کو خرید اور پبلک میں شہرت دینے کے لئے ساتھ لیجاتی ہے۔ اگرچہ آنے جانے والی خاتونوں اور مہمانوں کے سامنے وہ اپنی مالک بی بی کے آگے دست بستہ کھڑی ہوتی اور بڑے ادب سے بات کرتی ہیں لیکن تنہائی میں انھیں بات چیت اور اپنے افعال و حرکات کے متعلق بہت کچھ آزادی حاصل رہتی ہے مسلمانوں کے نزدیک کم درجہ کا کھانا لونڈی غلاموں کے لئے نازیبا ہے۔ کیونکہ جناب رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ "جو خود پہنو وہی اپنی لونڈی غلاموں کو پہناؤ اور جو خود کھاؤ وہی لونڈی غلاموں کو کھلاؤ" اُس میں چاہے کیسے ہی عیوب ہوں اور کیسے ہی سخت قصور ہوجائیں وہ نکال نہیں دیجاسکتی ہے کہ گلی کوچوں کی ٹھوکریں کھائے اور ہر حال میں مالک اُس کے کفاف کا ذمہ دار ہے۔ متصل سات سال تک خدمت بجالانے کے بعد وہ آزادی کی خواستگار ہوسکتی ہے۔ اور عموماً اُسے آزادی حاصل ہوجاتی ہے جس کے ساتھ ایک جوڑا دیا جاتا ہے۔ اور کسی شخص کے ساتھ بیاہ دیجاتی ہے لونڈی غلاموں کو آزاد کرنا دین اسلام میں ایک بہت بڑا دینداری اور ثواب کا کام تصور کیا جاتا ہے۔ اور اکثر ترک بستر مرگ پر لیٹنے کے وقت گھر کے تمام لونڈی غلاموں کو اجر آخرت حاصل کرنے کے لئے آزاد کر دیا کرتے ہیں۔

کبھی ایسا بھی اتفاق پیش آجاتا ہے کہ لونڈیان ایسے بے رحم لوگون کے ہاتھ بیچ جائین جو سات برس کا زمانہ گذرنے سے پہلے ہی انھین فروخت کر ڈالین۔ تاکہ انکی رقم نہ ڈوبنے پائے۔ اور خریدار نے جو روپیہ صرف کیا تھا نقد ہو جائے۔ یا ایسے ظالم مالک کے ہاتھ مین مبتلا ہو جائین جس کا مزاج سخت ہو۔ اور ان پر بے رحمی سے جبر و تشدد کرتا ہو۔ جیسا کہ دو غریب چھوٹی لڑکیون کے معاملہ مین پیش آیا۔ ان دونون مین سے ایک ارض حبشہ کی تھی اور ایک نوبیہ کی جو شاید دو سال بڑی تھی۔ ان کو ایک معزز ترک عہدہ دار ملک افریقہ سے اپنی بیوہ ماں کے لئے شہر منستیر مین لایا تھا۔ اس بیوہ خانم کا سلوک ان دونون چھوکریون کے ساتھ ایسا بے رحمانہ تھا کہ پڑوس والون کو بھی تکلیف ہوتی تھی۔ مگر وہ خاتون دولتمند اور صاحب اثر تھی جس پر کسی کا کچھ زور نہ چل سکتا

آخر ایک دن سخت بے رحمی کی سزا پانے کے بعد دونون لڑکیان لوگون کی آنکھ بچا کے محلسرا سے نکل کھڑی ہوئین۔ اور سیدھی برٹش سفارت خانے مین آئین۔ سفیر صاحب تو کہین باہر گئے ہوئے تھے۔ ان کی میم صاحب نے ترس کھا کے دونو کو اپنے پاس رکھ لیا۔ چھوکریان ان سے واپس طلب کی گئین تو انھون نے جواب دیا کہ مین اپنے صاحب کے آئے بغیر ان کو نہ دون گی۔ سفیر صاحب چند روز کے بعد گھر مین آئے اور ان لڑکیون کو دیکھ کے ان کی کیفیت بی بی سے سنی تو انگلستان کے محکمۂ خارجیہ مین رپورٹ کی۔ اور زور کے ساتھ تحریک کی کہ اگر یہ لڑکیان واپس لوٹائی گئین تو بڑا ظلم ہوگا۔ مگر وہ ترکی خانم صاحب بھی بغیر جھگڑا کیے نہ رہین اور باب عالی مین اپنی سفارش بہم پہونچا کے ایسا زور ڈالا کہ محکمۂ خارجیۂ انگلستان سے حکم نافذ ہو گیا کہ وہ دونون چھوکریان واپس کر دیجائین۔ سفیر صاحب کو ان دونون کے حال پر اس قدر ترس آگیا تھا کہ محکمۂ خارجیہ کا یہ حکم پاتے ہی انھون نے اپنی گورنمنٹ کو تار دے دیا کہ "اگر یہ لڑکیان دلوائی گئین تو مین استعفا دے دونگا۔ مجھ سے نہین ہو سکتا کہ انھین ظلم و جور کے لئے پھر واپس کر دون" آخر ان کے استقلال نے پورا اثر کیا۔ معاملہ پر دوبارہ غور کیا گیا۔ اور وہ لڑکیان آزاد قرار دی گئین۔ جس کے بعد انھون نے دین عیسوی اختیار کر لیا۔ اور جب بڑی ہوئین تو ایک کی شادی ایک جرمنی کے ساتھ اور دوسری کی ایک ارمنی کے ساتھ کر دی گئی۔

مگر برٹش گورنمنٹ کی دخل دہی سے ایک جگہ خراش واقعہ بھی پیش آیا جس سے اکثر لوگون کو تکلیف ہوئی۔ جن دنون یہ واقعہ پیش آیا ہے اُن دنون لیڈی گارنٹ جن کے بیان سے ہم ان حالات کو اخذ کر رہے ہین قسطنطنیہ مین موجود تھین۔ ہوا یہ کہ ایک لڑکی نے برٹش سفارت خانے مین آکے پناہ لی۔ یہ مسئلہ کہ یہ کہان اور کس طریقہ سے رکھی جائے یون طے ہوگیا کہ ایک صاحب بہادر نے جو سفارت خانے کے ملازمین مین تھے اُسے کھانا پکانے کی خدمت پر رکھ لیا۔ اتفاقاً ایک ترک جوان جو سنتری تھا اور کبھی کبھی آیا کرتا تھا۔ اس لڑکی سے راہ و رسم ہوگئی۔ اور لڑکی اُس پر اس قدر فریفتہ ہوگئی کہ اُس سے دست بردار ہونے کو کسی طرح گوارا ہی نہ کرتی تھی۔ اور صاحب بہادر اس بات کو گوارا نہ کرتے تھے کہ ترکون کے گھر سے بھاگی ہوئی لڑکی پھر کسی ترک کے پاس جائے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ترک جوان جب ایشیا سے کوچک مین اپنے وطن واپس گیا۔ تو اُس کے فراق مین لڑکی اس قدر بیخود ہوئی کہ پھانسی لٹک کے مر گئی۔

جو گرجنین باندی گری کے مدارج طے کر چکی ہین اُن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بڑی قومی ہمدردی رکھتی ہین یا تون باتون مین جہان کسی گرجن کو معلوم ہوگیا کہ اُس کی ہم صحبت بھی اُس کی طرح اصل مین لونڈی تھی تو فوراً دونون مین بہناپا ہو جاتا ہے اور خاص قسم کے قریبی تعلقات قائم ہو جاتے ہین۔ عام قاعدہ ہے کہ گرجنین اپنے سے کم استطاعت رکھنے والی گرجنون پر بہت زیادہ فیاضی کرتی ہین۔ مگر ساتھ ہی دوسرون کے ساتھ کسی قسم کا تعصب نہین۔ غلامی اور گرجستانی الاصل ہونے کے تمام علامات وخیالات دوسری پشت مین جا کے فنا ہو جاتے ہین کیونکہ اُن کے بچے عثمانی ترک ہوتے ہین۔

قدر افزایان دلگداز

دلگداز کو آپکی نظر عنایت کے علاوہ دولت آصفیہ خلد اللہ دولتہا کا دامن عاطفت بھی مل گیا۔ لہذا اب اہتمام و عمدگی سے مسلسل شایع ہوتا رہے گا آپکی مزید توجہ درکار ہے۔

خاکسار منیجر دلگداز

عزت افزائی موصی الیہ گردد۔ و اعادہ دیگران قدردانی سرکار والا دیدہ پیش از پیش
بعد قریزی وجانفشانی مستعد باشند۔ ویقین کہ دیگر صاحبان عظمت نشان بہادر در
اضلاع حسن کارگزاری تحصیلداران ملک محروسہ مشاہدہ کردہ تنبیہ و گرفتاری
مجرمان فراری صرف ہمت سازند و فسادیکہ ازین جہت بر روے کار می باشد
مندفع گردد۔ مرقوم بست و ششم ربیع الثانی سنہ ۱۲۶۸ھ

نقل فرمان معلے شان بنام آغا علی خان تحصیلدار سلطانپور وغیرہ

بملاحظہ پیام صاحب جانشین بہادر دربار عظمت قرین مورخہ بست و
سوم ماہ ربیع الاول سنہ ۱۲۶۸ھ با دو قطعہ ترجمہ خط کمشنر صاحب بہادر قائم مقام صاحب
جنٹ بہادر ضلع الہ آباد مرقوم یازدہم دسمبر سنہ ۱۸۵۱ع موسومہ صاحب جانشین
بہادر موصوف ولوورث صاحب بہادر مجسٹر الہ آباد گرفتاری سیتلا بخش تعلقدار
اودھا گنج متعلقہ دیب پور علاقہ سلطانپور کہ مجرم سرکارین عالیین و اشتہاری و
متواتر در توالی احکام قدر نظام دربارۂ اسیریش نباشتش شرف امضا پذیرفتہ بود از
مساعی جمیلہ و حسن تدبیر و کارگزاریش بپایہ ادراک باریابان بارگاہ عز و جاہ رسیدہ
لیاقت و کارگزاری و مستعدی و دولتخواہی و دیانت و امانت او در سرانجام معاملات
انتظامات سلطانپور و تحصیل زرہاے آنجا و نرسیدن استغاثہ مستغیثان و قلت
وقوع سرقہ و بلا در ان علاقہ کہ از پیشتر ملحوظ خاطر قدسی مظاہر است دوبالا و مستزاد
گردیدہ لہذا بمزید مراحم خسروانی و تفضلات اعلے خاقانی فرمان معلے شان شرف
انفاذ می یابد کہ او طریقۂ دولتخواہی و دیانت بطور ملحوظ داشتہ مصروف کار متعلقہ و نصبلہ
و حسن کارگزاری خود را موجود مراحم خسروانی و عواطف سلطانی شمارد دہم شہر ربیع الثانی
سنہ ۱۲۶۸ھ مطابق سنہ جلوس والا۔

اس قسم کے اعلے درجہ کے اسناد اُس عہد میں سوا آغائی صاحب کے شاید اور
کسی عہدہ دار سرکاری کو نہ نصیب ہو سکے ہوں گے۔ اور ہمارے نزدیک ان کی
پیش کر دیے جانے کے بعد پھر آغائی صاحب کے لئے کسی دوسری سند لیاقت
کی ضرورت نہیں باقی رہتی۔

سینا بخش مذکور کے علاوہ آغائی صاحب نے اور کئی مجرموں کو برٹش قلمرو سے گرفتار کر کے ملک میں امن و امان قایم کیا۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور رندھیر سنگھ نامی ایک بڑا سرکش زمیندار تھا۔ اُس کی کیفیت اودھ گزٹیر کی تیسری جلد کے صفحہ ۸۱ میں ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے :۔

"تعلقداروں کے طرز عمل کی ایک مثال رندھیر سنگھ اور منگل پرشاد کا معاملہ ہے۔ رندھیر سنگھ کو منگل پرشاد سے پرانی دشمنی تھی۔ ضلع سلطان پور میں اُسے تنہا پاکر رندھیر سنگھ نے گرفتار کیا۔ اور روپیہ وصول کرنے کے لئے اُسے طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ... ایک ہفتہ تک اُس پر سختیاں کر کے ... چھوڑ دیا۔ منگل پرشاد نے چھوٹتے ہی آغا علی خان ناظم سلطان پور کے دربار میں جاکر فریاد کی۔ جب رندھیر سنگھ کو اطلاع ملی کہ آغائی صاحب اُس کے درپے ہیں تو سزا کے خوف سے ملک چھوڑ کے نکل گیا۔ اور کئی ہفتہ تک سوداگروں کے بھیس میں ادھر اُدھر مارا مارا پھرتا تھا۔ آخر جاسوسوں کو پتہ لگا کہ وہ کسوٹا ضلع الہ آباد میں ہے۔ مجسٹریٹ ضلع نے اُسے فوراً گرفتار کر کے ناظم سلطان پور (آغائی صاحب) کے حوالے کر دیا جو اُسی کے لینے کے لئے الہ آباد میں آئے ہوئے تھے۔ یہاں سے لے جاکر وہ لکھنؤ میں قید کیا گیا۔ اور قید بھی باشقت جو کہ اُس کے لئے نہایت ضروری سزا تھی۔ اور آخر جب اودھ میں برٹش گورنمنٹ نے اپنا انتظام جاری کیا تو رہا کیا گیا"۔

انھیں مجرموں پر منحصر نہیں آغائی صاحب نے بہت سے ایسے مجرم بھی گرفتار کئے جو برٹش قلمرو کے رہنے والے تھے اور اپنے حکام کی گرفت سے بچنے کی غرض سے اودھ میں پناہ گزین ہو جایا کرتے تھے۔ یا دونوں سلطنتوں میں مجرم قرار پا چکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ آغائی صاحب نے ایک ایک کر کے تمام بڑے مفسدوں اور مجرموں سے ملک کو صاف کر دیا۔ اور یہ نوبت پہونچ گئی کہ مجرم اُن کے نام سے ڈرتے اور اُن کے خیال سے کانپتے تھے۔ جب بڑے بڑے زبردست مجرموں کی یہ حالت ہوئی تو ادنے درجے کے جرائم پیشہ لوگوں کو بھلا کیا جرات ہو سکتی تھی بہتوں نے جرائم ہی سے توبہ کر لی۔ اور اگر کسی سے کوئی جرم سرزد بھی ہو جاتا تھا تو وہ سزا پاتا تھا۔

اس انتظامی کامیابی کی اصلی بنیاد یہ تھی کہ آغائی صاحب نے پولیس کا نہایت معقول انتظام کر دیا تھا۔ اور اُسے خاص اپنے زیرِ نگرانی رکھا تھا۔ پولیس کا ایک صدر محکمہ نظامت کے خاص مستقر مین رہتا تھا جسے ہر وقت ناظم صاحب سے سابقہ رہتا تھا۔ اُس کے ماتحت ہر ہر چکلہ مین ماتحت محکمے تھے۔ اور ان کے ماتحت ہر صدر مقام پرگنہ اور ہر مشہور قصبہ مین تھانے قائم تھے۔ کوتوالی کے ۵۰ جوان جو برقنداز کہلاتے تھے دفتر نظامت کے ہمراہ رہتے تھے۔ اور جیس بیس جوان ہر چکلہ مین تھے۔ اور ماتحت تھانون مین حسب ضرورت و مناسبت کہین ۲۰ کہین ۳۰ برقنداز مامور تھے یہان برقندازون کے علاوہ ہر تھانے مین ایک محرر ایک جمعدار ایک چپراسی اور ایک تُرہی نواز بھی رہا کرتا تھا۔ تھانون کی کل جمعیت ۲۰۰ جوانون کو شامل تھی۔ اور پولیس کا کل عملہ سب ملا کے ۵۰۰ جوانون کا تھا جس کے ذریعہ سے آغائی صاحب اپنے جملہ چار اضلاع اودہ کا نظم و نسق جاری رکھتے تھے۔

مگر یہ خیال کرنا چاہیے کہ نظامت سلطان پور کے انتظام مین ان پانچ سو جوانون کے علاوہ اور کسی کو دخل نہ تھا۔ اکثر شاہراہین اور سڑکین بدمعاشون کی وجہ سے مخدوش ہو رہی تھین۔ جن مقامات پر آغائی صاحب کو خاص توجہ کر کے ایک نئی جماعت پولیس متعین کرانی پڑی۔ اکثر جگہ گھنا جنگل اور جھاڑیان تھین جہان چورون اور رہزنون کو چھپنے اور اطمینان سے بیٹھنے کا موقع ملا کرتا تھا۔ ایسے جنگلون اور جھاڑیون کو آغائی صاحب نے کٹوا کے صاف کرا دیا۔ تاکہ پولیس کو مجرمون کی گرفتاری مین دشواری نہ پیش آئے۔ اسی قدر نہین اُنھون نے جرائم پیشہ زمینداروں کے مامن و مسکن تک اُجڑوا دیے اور ان کی گڑھیان جہان تک بنا منہدم کرا دین۔

مسافر خانہ کے نزدیک کاندو کا نالہ مشہور ہے۔ یہان اس قدر لوٹ مار ہوتی تھی کہ آج تک اُردو دانون کی زبان پر ضرب المثل ہے کہ "دکن کی کمائی کاندو کے نالے مین گنوائی" یہان کا انتظام آغائی صاحب نے ایسا اچھا کر دیا تھا کہ آج کل بھی اُس سے بہتر انتظام ہونا دشوار ہے۔ آپ نے وہان پچاس آدمیون کو متعین کر کے میر مشہدی حسین نام ایک صاحب کو اُن پر افسر مقرر کیا۔ اور تاکید

کر دی کہ یہاں اگر کوئی جرم ہوا اور کوئی راہ گیر ستایا گیا تو تم ذمہ دار ہوگے۔ یہی نہیں میر صاحب موصوف نے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ داخل کرا لیا کہ جس کسی کا جس قدر مال چوری جائے گا اُس کو میر مشہدی حسین اپنے پاس سے ادا کریں گے۔ اور یہ خیالی اقرار ہی نہ تھا بلکہ اس پر عمل بھی کیا گیا۔ جب کوئی واردات ہوئی اُن سے بازپرس کی گئی۔ اور انہیں مجبوراً اپنی جان کو خطرے میں ڈال کے مجرموں کا پتہ لگانا پڑا۔ اور کل مال مسروقہ برآمد ہو گیا۔

ایک مرتبہ کوئی عورت مسماۃ بندا گوری ساکنہ جگدیس پور رہلی پر سوار اُدھر سے جا رہی تھی۔ رات کو ایک مقام پر ٹھہر گئی۔ اور چوروں نے موقع پا کر اُس کا صندوقچہ اُڑا دیا جس میں دو تین ہزار روپیہ کا زیور تھا۔ آغائی صاحب کے مخبروں نے اس واقعہ کی خبر اُنہیں پہونچائی۔ اُنہوں نے فوراً مشہدی حسین پر تشدد کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین دن کے اندر چور بھی گرفتار ہو گئے اور صندوقچہ بھی مل گیا جس میں ایک ایک چھلا موجود تھا۔

عموماً آغائی صاحب کا معمول تھا کہ دورے پر جاتے تو ہر ہر تھانے پر بنفس نفیس تشریف لے جاتے اور تھانہ داروں اور سپاہیوں کو تاکید کر کے کہ چوروں اور ڈاکوؤں کا نام و نشان مٹا دو۔ اور سب عذرات سنے جائیں گے مگر اس معاملہ میں کچھ بھی سستی کے ساتھ مروّت نہ کی جائے گی۔ چنانچہ پولس پر ایسا رعب بیٹھا ہوا تھا کہ مجرموں کی گرفتاری اور تاخت و تاراج کی موقوفی درکنار خود پولیس والے رعایا پر کسی قسم کی دست بُرد کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ ادنےٰ ادنےٰ معاملات کی خفیہ رپورٹیں آغائی صاحب کو پہونچ جاتی تھیں۔ اور پولیس کو جان بچانا مشکل ہو جاتا تھا۔

اودھ کے راجپوتوں میں دختر کُشی اور ستی کا بھی رواج تھا۔ شہنشاہ اکبر درکنار ابن بطوطہ کی تصدیق سے معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین تغلق ہی کے زمانے سے ستی کی روک تھام کی کوشش شروع ہو گئی تھی۔ اور بغیر شاہی منظوری حاصل کئے کوئی عورت ستی نہ ہو سکتی تھی۔ مگر رسم و رواج نے اب پرانے قوانین سلطنت پر غلبہ حاصل کر لیا تھا اور بغیر اس کے کہ حکام کو خبر بھی ہو بعض زمین

ستی ہو جاتی تھیں۔ آغا خانی صاحب نے خواہ اپنے دینی جوش سے یا برٹش انڈین
سے سبق لے کے ان رسوم کے مٹانے کی پوری کوشش کی۔ دختر کشی تو گویا موقوف
ہی ہو گئی تھی۔ اور ستی کے انسداد میں بھی کوئی کوشش اٹھا نہیں رکھی گئی۔

اطراف سلطانپور میں ایک عورت کے ستی ہو جانے کا واقعہ مشہور تھا
کسی زمانہ میں یہاں ایک برہمن صاحب کا لڑکا نہایت خوشرو اور جوان رعنا تھا۔
حسن اتفاق سے بہو بھی ویسی ہی حسینہ وجمیلہ اور نازک اندام و قیامت خرام
بیاہ آئی۔ حسن وجمال نے دونوں کو ایک دوسرے پر فریفتہ کر دیا۔ اور وہ دونوں گویا دو تن
ایک جان و دو قالب ہو رہے تھے۔ اتفاقاً ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ وہ برہمن کا لڑکا
مر گیا۔ دروازے پر لاش اٹھانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ بہو ڈیوڑھی کے
کوٹھے پر رہا کرتی تھی۔ سب گھر والے تجہیز و تکفین کے کام میں مشغول تھے۔
بہو نے کیا کیا کہ کوٹھے کا دروازہ بند کر لیا اور چپکے چپکے نہا دھو ساڑی جوڑا پہن
انگیا چوٹی کر سہاگن کا بھیس رنگ خلاصہ یہ کہ پورا بناؤ چناؤ اور سنگھار کر کے تیار ہو بیٹھی۔ اور
جیسے ہی شوہر کی لاش میں آگ دینے کا وقت آیا خود ہی دوڑ کے لکٹی پر پھاند
پڑی۔ اور دم بھر میں دونوں میاں بی بی جل بھن کے خاک ہو گئے۔ اور ان کا
فسانہ برہمنوں کے لئے سرمایۂ ناز بن گیا۔

آغا خانی صاحب اسی واقعہ کو بار بار ہندوؤں کے سامنے دہرا کے فرماتے
کہ ستی اس کا نام ہے۔ جس میں عورت کے ذاتی جذبات کے سوا کسی اور کو
دخل نہیں۔ یہ نہیں کہ عورت نے ہوم آمادہ اور بیوگی کے دھڑکوں سے ستی ہونے
کو ابھی آمادگی ظاہر کی اور تم نے اسے زور ابھار ابھار کے مجبور کرنا شروع کیا۔ یہاں تک
کہ خود ہی لیجا کر جلا دیا۔ ایسی کوئی صورت پیش آئے تو مجبوری ہے ورنہ جلتی ہوئی
آگ میں پھاندنا اور اسے اس خودکشی سے نہ روکنا ایسا جرم ہے جس کو کوئی
سلطنت ہرگز گوارا نہیں کر سکتی۔ میں تمہارے اس قسم کے افعال کو جرم ہی
سمجھوں گا۔ اور ایسے مظالم کا کبھی روادار نہ ہوں گا۔

بہرحال آغا خانی صاحب نے اپنے زمانۂ نظامت میں تمام جرائم کا کلیۃً انسداد
کر دیا تھا۔ اور وہ کام کیا جسکی امید سوا کسی انگریزی عہدہ دار کے عشرت پرست

ارکان سلطنت سے ہرگز نہ کی جاسکتی تھی۔

گیارھوان باب

عہد شاہی کا آخری خون ناحق

دولت اودھ کے آخر عہد مین قصبۂ امیٹھی کے ایک خاندانی سید مولوی سید امیر علی صاحب کی مظلومانہ شہادت کا ایسا واقعہ پیش آیا جس کے متعلق لوگون کے طرح طرح کے خیالات ہین۔ اور سچ یہ ہے کہ آغا علی صاحب کی زندگی کا وہ حصہ جو سرکار اودھ کی ملازمت سے تعلق رکھتا ہے تکمیل ہی کو نہین پہونچ سکتا جب تک کہ اس افسوسناک سانحے کے تفصیلی حالات نہ بیان کر دیے جائین۔ عوام اہل سُنّت اور بہت سے متوسط طبقے کے لوگون کا یہ خیال بلکہ عقیدہ ہے کہ لکھنؤ کی سلطنت کا زوال اسی ناانصافی اور خون ناحق کی وجہ سے ہوا۔ اور جن مسلمانون کا یہ عقیدہ ہے وہ بھی اس اندوہناک واقعہ کو سلطنت اودھ کے دامن پر ایک بہت ہی بدنما دھبّہ ضرور خیال کرتے ہین۔

ہم اس واقعے کے حالات ایک شیعہ مصنف سید کمال الدین حیدر حسینی الحسنی الشہدی المعروف بہ سید محمد میر صاحب زائر کی کتاب قیصر التواریخ سے اخذ کرتے ہین۔ اودھ کی تاریخون مین سب سے زیادہ مکمل کتاب ہے جس مسجد کی وجہ سے یہ ہنگامہ ہوا اُس کی مختصر تاریخ یہ ہے کہ فیض آباد کے قریب پُرانے شہر اودھ (اجودھیا) مین ایک پُرانا ٹیلا ہے جو ہنومان گڑھی کے نام سے مشہور رہی۔ وہان پُرانے زمانے کی بنی ہوئی ایک مسجد موجود تھی جس مین ایک مسلمان فقیر جھاڑو دیا کرتا تھا۔ اور مسجد کے پہلو مین ایک چبوترے پر محرم مین تعزیہ رکھتا تھا۔ چند روز بعد ایک ہندو فقیر بھی وہان آ کے ٹھہر گیا۔ جس نے ایک املی کے درخت کے نیچے جھنڈی گاڑ کے ایک چھوٹی سی کوٹھری بنائی۔ اُس مین مورت رکھی۔ اور اُسے ہنومان جی کا استھان قرار دیا۔ اس کے بعد جب دونون نواب برہان الملک بہادر والی اودھ سے بعض ہندؤن نے یورش کر کے مسجد مذکور کو کھود ڈالا۔ اس کی

شکایت نواب صاحب مرحوم کے گوش زد ہوئی تو شاہی فوج بھیجی گئی جس نے اُس شوالے کو توڑ کے منہدم کر دیا۔ مسجد اپنے مقام پر تعمیر کرا دی۔ اور جن ہندوؤن نے بے اعتدالی کی تھی اُنھین سزا دی گئی۔

اس کے ایک مدت بعد بیراگیون کا زور ہوا جنھون نے منہدم شدہ شوالے کے آثار پر نیا شوالہ تعمیر کر لیا۔ لیکن مسجد سے کسی قسم کا تعرض نہ کرتے تھے۔ اس کے بعد جب یہ علاقہ راجہ درشن سنگھ کے قبضہ مین آیا تو ہندوؤن کا زور ہوا۔ مسلمانون کو کمزور پا کے اُنھون نے مسجد کو گرا کے گڑھی کے مکان مین ملا لیا۔ اور ایک دوسری مسجد کو جو دریا کنارے رام گھاٹ پر واقع تھی خراب و ویران کر کے اُسکی صحن مین اپنے مکانات بنا لیے۔ اور مسجد مین گدڑا وغیرہ ڈالنے لگے۔ اسی سلسلہ مین اُنھون نے اہل اسلام کے صدہا مقابر کو توڑ کے اُن کی اینٹون اور پتھرون سے جا بجا شوالے تعمیر کیے۔

ان واقعات کے کئی مہینے بعد غلام حسین شاہ نام ایک شخص مذہبی جوش مین بھرا ہوا چلا کہ ہنومان گڑھی کی مسجد کو آباد کرے۔ مگر ایک عہدہ دار سرکاری نے راستہ ہی مین روک لیا۔ اور اُس کے چند ہمراہی جو فیض آباد مین جا پہونچے تھے اُنھین وہان کے کوتوال وغیرہ نے خارج البلد کر دیا۔ اس کی خبر دربار شاہی مین پہونچی تو آغائی صاحب کو جو یہان کے ناظم تھے اور مرزا منعم بیگ کو جو کوتوالی کی خدمت پر سرفراز تھے تحقیقات کا حکم ہوا۔ ہنوز سرکاری طور پر کوئی تصفیہ نہین ہونے پایا تھا کہ غلام حسین شاہ چند رفقا کے ساتھ اُس مسجد مین جا کے مقیم ہوا جو سیتا جی کی رسوئی مین واقع ہے۔ اور لوگون نے ہزار کہا مگر اُس نے ایک نہ مانی بلکہ لکھنؤ سے اپنے ساتھ کچھ لوگون کو لے گیا۔ اور ان سب کے ساتھ ہنومان گڑھی کی مسجد مین جا پہونچا۔ اور دل مین ٹھان لی کہ جس طرح بنے اُسے بیراگیون کے قبضہ سے نکال لون گا۔

عہدہ داران سرکاری جو یہان موجود تھے اُنھون نے ہندوؤن سے تو کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔ ساری کوشش مسلمانون کی روک تھام مین صرف کرنا شروع کر دی۔ چنانچہ اُنھون نے فیض آباد کے مسلمانون کو غلام حسین شاہ

ساتھ وہیں سے روک دیا۔ اور ابھی ہندو اب تک مسجد میں گھسنے نہ پانے۔ بخلاف اس کے چونکہ مذہبی معاملہ تھا اسلئے بیراگیون کو گرد و پیش کے تمام تعلقداروں اور خاصکر راجہ مان سنگھ کی طرف سے مدد پہنچ رہی تھی۔ اب وہاں صرف فقیر اور بیراگی ہی نہ تھے بلکہ اُن کی آڑ میں بہت سے ملازم اور فوجی سپاہی بھی کثرت سے موجود تھے۔ خلاصہ یہ کہ خوش انتظام عہدہ داران سلطنت بیٹھے تماشا دیکھا کئے اور بیراگیون کی مدد پر اطراف و جوانب سے اس قدر ہندو آ گئے کہ دس بارہ ہزار آدمیون کا ایک لشکر مرتب ہو گیا جس نے دریا کا راستہ روک دیا۔ اِدھر تو یہ شورش تھی اور غلام حسین کے ساتھ سوا چند غریبوں کے کوئی نہ تھا۔

اب جمعہ کا دن آیا۔ جبکہ ماہ ذی قعدہ سنہ ۱۲۷۱ھ کی ۱۱ تاریخ تھی۔ تقریباً ۲۰۰ مسلمان نماز کے لیے جامع مسجد میں جمع ہوئے۔ بیراگیون نے اس مجمع کا حال سنا تو یورش کی۔ اور غلام حسین کے ہمراہیوں نے بھی مقابلہ کر کے باہر نکلنے کا قصد کیا کہ کوتوال صاحب مذکورہ بالا کپتان آر صاحب کے فوجی سوارون کو ساتھ لے کر درمیان میں آ گئے۔ اور بادی النظر میں رفع شر کر دیا۔ اگرچہ اس جھگڑے میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ اور جمعہ کا وقت نکل گیا۔ کپتان آر صاحب کا رسالہ امن و امان قایم رکھنے کے لئے یہاں پہلے ہی سے موجود تھا دوسرے دن یعنی ہفتہ کو جان ہرسی بھی لکھنؤ سے آ گئے جو اسی غرض سے دربار شاہی کی طرف سے بھیجے گئے تھے۔ جان ہرسی نے مسجد کو آ کے دیکھا اور دیکھ کے کہ اُس میں دروازہ نہیں ہے کہا اس میں دروازہ لگا دیا جائے تو مسلمانوں کی زیادہ حفاظت ہو سکے گی۔ غلام حسین کے ساتھی اس ہدایت کے مطابق ایک دروازہ لے آئے مگر راستہ میں اُن پر ہندوؤن کی طرف سے بندوقیں فیر کی گئیں۔ اُنھوں نے طیش میں آ کے وہ دروازہ زمین پر ڈال دیا اور اُن ہندوؤن پر حملہ کیا جو مقابل تھے۔ ہندو گڑھی میں جا کے چھپ رہے۔ اور مسلمان زخمی و خون آلودہ مسجد میں آئے۔ افسوس کہ یہ واقعات دیکھنے پر بھی شاہی فوج نے ہندوؤن سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا۔

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی عام تصانیف

	تاریخ	قیمت
۱	جنید بغدادی	عہ/
۲	ابوبکر شبلی	عہ
۳	حروب صلیبیہ	عـ
۴	تاریخ سندھ	عـ۸/
۵	خواجہ معین الدین چشتی	/۷
۶	اسلامی سوانح عمری	/۸
۷	لارڈ ہیکن	/۱۲
۸	افسانۂ قیس	/۳
۹	تاریخ بغداد	/۶
۱۰	ملکہ زنوبیہ	/۳
۱۱	الحکمۃ الرفاعیہ (فلسفۂ اخلاق میں ہے)	
	جلد ہائے دلگداز	
۱۲	جلد سنہ ۱۸۸۹ء	عـ۴/
۱۳	جلد سنہ ۱۸۹۰ء	عـ
۱۴	جلد سنہ ۱۸۹۱ء	/۶
۱۵	جلد سنہ ۱۸۹۳ء	ـہ
۱۶	جلد سنہ ۱۹۰۰ء	عـ۴/
۱۷	جلد سنہ ۱۹۰۴ء	عـ۴/
۱۸	جلد سنہ ۱۹۰۵ء	عـ۴/
۱۹	جلد سنہ ۱۹۰۶ء	عـ۴/

یہ کتابیں نہیں منشیانہ معجزات ہیں آئندہ سے خریداروں کے ساتھہ خاص رعایت کیگئی ہے کہ جو صاحب سب کتابیں یعنی پوری ۳۰ جلدیں یکمشت لیں گے انھیں مجموعی قیمت کے نصف پر دی جائیں گی۔ اور جو کسی ایک قسم کی کتابیں یعنی صرف تاریخ یا صرف جلد ہائے دلگداز یا صرف ناول خرید فرمائیں گے اُن کو ایک تہائی قیمت چھوڑ دی جائے گی جلدی۔ وی پی۔ کی درخواست بھیجئے

	ناول	قیمت
۲۰	یوسف نجمہ کامل	[illegible]
۲۱	ایامِ عرب حصۂ دوم	[illegible]
۲۲	فردوسِ بریں	[illegible]
۲۳	شوقین ملکہ	[illegible]
۲۴	ملک العزیز ورجنا	[illegible]
۲۵	حسن انجلینا	[illegible]
۲۶	شہید وفا	[illegible]
۲۷	درگیش نندنی	[illegible]
۲۸	بدر النسا کی مصیبت	۶
۲۹	آغا صادق کی شادی	/۱۰
۳۰	میوۂ تلخ	۹

سنہ ۱۹۰۹ء سے شرر میں نکلے وہ ایک جدید ناول تیار ہو گئے وہ اس میں اضافہ کر دے جائیں گے۔ اور اس وقت تک ان میں سے بعض کتابیں شاید نہ باقی رہیں۔

المشتہر محمد فاروق مینیجر دلگداز حیدرآباد دکن فیلخانہ

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۸ بابت اگست — جلد ۱۱ بابت ۱۹۰۸ء

جو ایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

و اہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن مین چھپا

دلگداز

رسالہ دلگداز کا دفتر لکھنؤ سے پھر حیدر آباد دکن میں منتقل ہوا ہے۔ لہذا جملہ مراسلت حیدر آباد دکن کے پتہ پر محمد فاروق منیجر دلگداز کے نام سے ہونی چاہئے۔

سالانہ چندہ والیان ملک رؤسا و امرائے عظام سے پچیس روپیہ صرف عام لوگوں سے اگر کل پرچہ یعنی تینوں اجزائے دلگداز مضامین۔ ناول اور تاریخ لیں تو تین روپیہ کلدار اُن میں کوئی دو جز لیں تو دو روپیہ کلدار اور کوئی ایک ہی جز لیں تو سوا روپیہ عہ کلدار

علاقہ سرکار عالی میں مکمل پرچہ کا سالانہ چندہ للعہ سکہ محبوبیہ۔ دو جز لیں تو پونے تین روپیہ (عہ؍) سکہ محبوبیہ۔ ایک جز لیں تو ڈیڑھ روپیہ (عہر) سکہ محبوبیہ

نمونہ کے پرچہ کے لیے ۶؍ کلدار یا ۸؍ سکہ محبوبیہ بھیجے جائیں۔

الملتمس

محمد فاروق منیجر دلگداز فیلخانہ حیدر آباد دکن

مین الزام انکو دیتا تھا قصور اپنا نکل آیا

دلگداز کے اس نمبر مین سب سے پہلے ہم مولوی محمد عبد الحق صاحب بی۔ اے کا ایک مضمون شایع کرتے ہین جس کی طرف اگر توجہ کی جائے تو جدید تاریخ ہند مین ایک حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو جائے گا۔ ایک صدی پہلے کے مورخین کا معمول تھا کہ بغیر اس کے کہ کوئی خاص پالسی یا غرض پیش نظر ہو واقعات عالم کی تصویر دکھا دیا کرتے تھے مگر اب ہر تاریخ کوئی اصول پالسی اور غرض پیش نظر رکھ کے لکھی جاتی ہے۔ اور اُس کی برکت یہ ہے کہ ہر قوم دوسری قوم سے دست و گریبان ہونے کو تیار ہے۔

مسلمان سلاطین برے ہون یا بھلے پرانی تاریخون کے دیکھنے سے اپنی اصلی صورت مین نظر آ سکتے ہین۔ مگر ان پچھلی تاریخون مین وہ ایک پُر معنی تھیٹر کے کیرکیٹر بنائے جاتے ہین۔ کوئی لامذہب دکھایا جاتا ہے کوئی متعصب۔ کوئی ظالم بتایا جاتا ہے اور کوئی بت شکن۔ یہ آخری لفظ ہندؤن کے لئے نہایت ہی غیر قابل برداشت ہے۔ وہ خود آریہ سماج ہو کے چاہین بت شکنی کرین کوئی مضائقہ نہین۔ لیکن کسی مسلمان کے ہاتھ سے اگر کوئی بت ٹوٹ جائے تو یہ سمجھنا چاہئے کہ ہندؤن ہی کی نہین ساری آریہ قوم کی توہین ہو گئی۔ اور خرابی یہ کہ اُنھین اپنی درسی تاریخون مین سارے مسلمان بادشاہ (سوا دو ایک کے جو لامذہب ہو گئے تھے) سب کے سب بت شکن نظر آتے ہین اور کسی قوم سے یہ گناہ کبھی نہین سرزد ہوا۔ اور سب مسلمان فرمان روا ایک طرف اور اکیلا اورنگ زیب ایک طرف۔ کیونکہ اورنگ زیب سے اتنے بت تڑوائے کہ ہندوستان کا کوئی بت خانہ

اُس کے دست ستم سے نہین بچ سکا۔ راس کماری سے ہمالیہ تک۔ اور اراکان سے افغانستان تک جتنے بت خانے مسجد بنے سب اُسی کے بنائے ہوے ہیں اور جتنے ٹوٹے پھوٹے بت ملین سب اُسی کے توڑے ہوے ہیں۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے مین
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے مین

اورنگ زیب کے متعلق اگرچہ کسی پرانی کتاب سے ان باتون کا ثبوت نہ ملے۔ گو لگے متعصب غیر مذہب والے بھی اُس کی انصاف پروری کی تعریف کرتے ہین۔ گو ہر سال وہ مسلمان امرا کی طرح ہندو باشندوں کو بھی خلعت سرفرازی دیتا ہو۔ گو خاص بنارس کے مندرون تک کو اُس نے جاگیرین دی ہون۔ اور اس کے شاہی فرمان ابتک موجود ہون گو اورنگ آباد کے گرد پیش کے اراضی جمع اُس نے مندو راجاؤن کو دے رکھے ہون تم ان سب باتون کو جھوٹ جانو۔ اور وہی مانو جو مسٹر الفنسٹن اور اُن کے پیرو مورخون نے تم کو بتا دیا ہے۔

لیکن ہمین یہ جادو چلتا نہین نظر آتا۔ اور یہ طلسم ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ مولوی عبد الحق صاحب نے ایک ایسے عجیب و غریب اقبالی مجرم کو پکڑ پایا ہے کہ دو کرے مونچھون والا اور پکڑا جائے داڑھی والا کی مثل پوری پوری صادق آتی ہے اب معلوم ہوا کہ بیچارہ اورنگ زیب مفت مین بدنام کیا گیا یہ سارے ستم ڈھانے ایک مقدس و محترم پادری صاحب کے ہین جو لوگون کی آنکھین بچا کے جہان کوئی مورت نظر آتی توڑ ڈالتے تھے۔ کیا عجب کہ بت خانون کے یہ تمام سنگین شہدا انھین بزرگ کی مہربانیون کی یادگار ہون۔ آپ اپنا کام کر کے چلتے بنے۔ اور مفت مین بدنام ہوا بیچارہ عالمگیر۔

شمس العلما مولانا شبلی نے اورنگ زیب کی حمایت مین ایک محققانہ مضمون کئی نمبرون مین تقسیم کر کے رسالہ الندوہ مین شایع کرایا ہے۔ لیکن جب تک ان پادری صاحب کا ذکر خیر اُس مین نہ آئے گا ہمارے نزدیک اُس کا نمک پھیکا رہے گا۔

بہرحال ہم مولوی عبد الحق صاحب کی اس جستجو کے شکرگزار ہین شکرگزار تو ہندوؤن کو بھی ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے خیال مین ایسی باتون کے ماننے کے لیے انھین ابھی زیادہ تجربہ کی ضرورت ہے۔ اب اس تمہید کو ختم کر کے ہم اس مضمون کو پبلک کے سامنے پیش کرتے ہین

ایک بت شکن یورپین

پچھلے دو سو برس کا زمانہ ہوا ہے کہ ایک اٹالین ڈاکٹر جیمیلی کیریری نامی بغرض سیر و سیاحت ہندوستان میں پہنچا۔ اگرچہ اس کا پیشہ وکالت تھا لیکن خانگی جھگڑوں کی وجہ سے اس کو سفر کا شوق اسے پہلے سے تھا چنانچہ ۱۶۸۶ء میں وہ یورپ کا سفر کر چکا تھا ہندوستان میں وہ ۱۰ جنوری ۱۶۹۵ء کو پہنچا اور ۳ دسمبر ۱۶۹۸ء کو سپین کی سیر کی اور بعد ازاں دنیا بھر کا چکر لگایا۔ غرض وہ مصر، قسطنطنیہ، آرمینیا، ایران سے ہوتا ہوا ہندوستان میں داخل ہوا۔ اصفہان میں اسے شاہ ایران کے دربار میں باریاب ہونے کا موقع ملا۔ اور وہاں اس نے علاوہ دیگر سفرائے غیر ممالک کے شہنشاہ اورنگزیب کے بیٹے محمد اکبر کو بھی دیکھا جو اپنے باپ سے بھاگ کر شاہ ایران کے دربار میں پناہ لی تھی۔ ہندوستان میں آکر کچھ دنوں پرتگیزوں کے علاقہ گوا میں رہا۔ اور اس کے بعد وہاں سے اندرونی ملک کا سفر شروع کیا۔ اس کا یہ سفر تاریخی لحاظ سے بھی بہت دلچسپ ہے۔ ۵ مارچ ۱۶۹۵ء کو وہ گوا سے اس نیت سے روانہ ہوا کہ شہنشاہ اورنگزیب کے دربار میں حضوری کی عزت حاصل کرے۔ شہنشاہ اس وقت معرکہ آرائی کے سلسلہ میں گلگلا میں خیمہ زن تھے۔ اس سفر میں اس نے رستہ کی تکلیف اور باربرداری کی شکایت کی ہے لیکن ساتھ ہی اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ "یہ تکلیف صرف بیجاپور کے نواح میں ہے جو آجکل عرصۂ جنگ و جدل بنا ہوا ہے" لیکن سلطنت کے شمالی حصوں جیسے احمد آباد اور سورت کے قریب راستے بہت پُرامن ہیں جہاں کسی قسم کا خوف و اندیشہ نہیں ہے۔ جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان سے جانے کے بعد جب وہ سفر یورپ میں مصروف تھا جاسوس سمجھ کر قید کر لیا گیا اور اس کی عمر کے آخری دن قید میں گذرے۔ تو اسکا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندوستان کا سفر کیسا پُرامن تھا کہ غیر ممالک کے لوگ بلاخوف و خطر ایک سرے سے دوسرے سرے تک سیر و سیاحت کر سکتے تھے۔ راستہ میں اس نے ایک عورت کو ستی ہوتے بھی دیکھا اور اس کی پوری کیفیت اس نے اپنے سفرنامے میں بیان کی ہے۔ اور جو تکلیفیں راستہ میں اسے پہنچیں وہ تو خیر وہ جھیلنی ہی تھیں۔ لیکن رستہ بھر جو بڑا اندیشہ اس کے دل کو لگا ہوا تھا وہ کچھ اور ہی تھا

بات یہ ہے کہ ہندوستان میں پہنچکر آپ کو ایک نئی دُھن سمائی تھی وہ یہ تھی کہ جہان کہین راستہ مین کوئی بت نظر آیا آپ فوراً اُس پر دست شفقت پھیر دیتے تھے۔ اور جہان دیکھا کہ لوگ دیکھ رہے ہین اور موقع نہین ہے وہان تاک مین رہتے اور آنکھ بچا اپنا کام کر کے چلتے پھرتے نظر آتے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ساری لائین یہ ڈر لگا رہا کہ اگر کسی کو معلوم ہو گیا تو جان پر آ بنے گی۔ مگر باوجود اس کے وہ اپنی حرکت سے باز نہین آتے تھے۔ اور محض بغرض حصول ثواب یہ کام ضرور کر گزرتے تھے حالانکہ آپ ڈاکٹر آف سول لا تھے۔ اور جب گوا پہنچے ہین تو وہان گورنمنٹ نے انکو بہت غنیمت جانا اور ایک بیش قرار تنخواہ دے کر چاہا کہ انہین اپنے ہان رکھ لے مگر انہون نے منظور نہ کیا۔ اگر خدانخواستہ وہ گوا مین رہ جاتے تو شاید دکن کا کوئی بت اُن کے ہاتھ سے صحیح سالم نہ بچتا۔

اورنگ زیب کے معترضین نے جہان اُس پر اور بہت سے الزامات رکھے ہین وہان ایک بت شکنی کا الزام بھی ہے۔ اگرچہ کوئی تاریخی ثبوت پیش نہین کیا گیا۔ اورنگ زیب کے کیرکٹر اور مصالح کے سمجھنے مین لوگون نے بہت کچھ غلطی کی ہے اور خصوصاً یورپین مورخون نے ایسی رنگ آمیزی کی ہے کہ وہ رنگ سب پر غالب آ گیا ہے اور اُن کی بہت سی ادائین مسلمات مین سے سمجھی جاتی ہین۔ حالانکہ اگر نظر تحقیق سے دیکھا جائے تو اُن کی کوئی بنیاد نہین معلوم ہوتی ہے۔ وہ زمانہ آنے والا ہے جبکہ تاریخ اپنے اصلی رنگ مین ظاہر کی جائے گی اور جھوٹی رنگ آمیزیان سب زائل ہو جائین گی۔ کون کہہ سکتا تھا کہ خاص اورنگ زیب کے زمانے مین ایک یورپین اور وہ بھی رومن کیتھلک اور پھر ڈاکٹر آف سول لا دور دراز کے ملک سے سفر کر کے ہندوستان آئے گا۔ اور بلا وجہ اور کسی اشتعال کے بت شکنی کرے گا۔ اب ہم اُسی کی زبانی اورنگ زیب کی بے تعصبی کا حال سناتے ہین۔ حالانکہ یہ شخص مسلمانون کو بھی اچھی نظر سے نہین دیکھتا تھا۔

غرض وہ ۱۸ مارچ کو منزل مقصود پر پہنچا۔ اور اُن عیسائیون نے جو اورنگ زیب کی فوج مین ملازم تھے اس کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا اور انہون نے اس سے بیان کیا کہ اس بادشاہ کی ملازمت مین حقیقی مسرت

اور لطف حاصل ہوتا ہے اور کوئی بادشاہ اپنے سپاہی کو اُس کی تنخواہ نہیں دیتا بلکہ یہ دیتا ہے۔ اگر وہ کسی روز نہ لڑیں یا اپنا فرض ادا نہ کریں تو جرمانہ میں [illegible] اُسی روز کی تنخواہ وضع ہو جاتی ہے اور بس۔ اور اُن کے مذہب میں کسی قسم کی مداخلت نہیں ہوتی۔ اسی طرح [illegible] عیسائیوں کا ایک گرجا بھی تھا جس میں [illegible] بادشاہ مذہبی رسوم سے ادا کرتے یہ ملازم تھے [illegible] ایک واقعہ [illegible] کہ دو مسلمان شراب پینے کے جرم میں ماخوذ ہوئے [illegible] سے انہیں کوڑے لگائے گئے۔ اور ان مسلمانوں نے [illegible] کیا اور معقول سزا کا شکریہ ادا کیا۔ جب اورنگ زیب عیسائیوں سے [illegible] اس طرح بے تعصبی کے ساتھ پیش آتا تھا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہندوؤں کے ساتھ تعصب برتتا اور مذہب کے خیال سے اُن پر ظلم کرتا۔

عبد الحق

صبح بہار

صد حسن نکلتے ہیں سو ناز برستے ہیں
اے صلِ علیٰ کہیں کیا شان نکلتی ہے

یوں تو صبح سویرا جانفزا اور فرحت بخش ہوا کرتی ہے مگر صبح بہار کا کچھ اور ہی عالم ہوتا ہے اور اُس کی شان معمولی صبح سے ہزار گونہ بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ جس نے یہ صبح دیکھی ہے بس اُسی کے دل سے اُس کا نرالا جوبن اور بانکی ادا پوچھئے۔

ہائے کیا پیارا پیارا سہانا وقت ہوتا ہے اور کس غضب کا دلچسپ و دلکش نظارہ؟ وہ سر بستہ ادھ کھلی کلیاں اور منہ بند غنچے جو رات بھر دلی انقباض کی وجہ سے مضمحل اور افسردہ خاطر ہو گئے تھے صبح بہار کی یہ جان بخشی دیکھتے ہی مسکرائے اور نسیم بہار کے پہلو میں ٹہوکے دینے اور بار بار گدگدانے سے آخر کار بے اختیار ہو کر کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ وہ کھلے ہوئے نوخیز پھول جو تمام رات بے کسی و کس مپرسی کے عالم میں پڑے ایڑیاں رگڑ رہے تھے صبح بہار کی خوش آئند صورت دیکھتے ہی سر اُٹھانے لگے اور اپنی دلفریب تر و تازگی اور نظر فریب نزہت و شادابی سے ایک عالم کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ خوابیدہ سبزہ جس پر اوس پڑ گئی تھی صبح بہار کی گرم فرمائی سے مست جھوم جھوم کر لہرا رہا ہے اور بڑے مزے کے عالم میں ہے۔

خوش نوا بلبل کے انداز سے اس وقت عجب مستی و خود فراموشی کی شان ٹپکتی ہے۔ ہائے ۔ع۔ بلبل کی بہار میں نہ پوچھو منہ چومتی ہے کلی کلی کا۔

یہی قد سرو اس وقت کا خوش گوار منظر دیکھ دیکھ کر صورت تصویر حیران کھڑا ہے ۔ اور کبھی کچھ بولتا بھی ہے تو اپنے عاشق صادق قمری کی زبان سے جو حق تعالیٰ کی تلاش و جستجو میں ہر وقت کو کو کی آواز لگایا کرتی ہے۔ نغمہ سنج طیور اور رنگین ادا پرند یہاں کی فضا سے گہرا تعلق رکھتے ہیں اور اپنی ترانہ سنجی و خوش آوازی سے اہل عالم کا دل مسرور کر رہے ہیں۔ شاہد باغ (سور) بھی یہاں کی پر لطف کیفیت اور دلچسپ سمان مشاہدہ کرکے کچھ ایسے وجد و سرور کی حالت میں آگیا ہے کہ بے خود اور متوالا ہو ہو کر ناچ رہا ہے اور اس کے دل و دماغ پر عجیب محویت و انبساط کا عالم طاری ہے

نرگس بیمار جو حسرت رات بھر کے لئے بیمار اور نابینا بن گئی تھی اس گھڑی اپنے گرد کے دل خوش کن منظر کو بڑی آرزو اور اشتیاق کے ساتھ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہے اور اس وقت کے سین کی دلچسپی کچھ ایسی بڑھی ہوئی ہے کہ اس کا شوق دید اور کسی طرح کم ہی نہیں ہوتا اور یہ برابر ٹکٹکی باندھے اسے گھور رہی ہے۔ خدا اس نادان چمن اور نو عروسان باغ کو اس وقت نظر بد سے بچائے جن پر بلا کا جوبن پھٹ پڑا ہے اور انکی سادگی اور خود روئی میں ایک عجیب حسن پیدا ہے۔

سوسن جس کی زبان درازیاں مشہور عالم ہیں اسکی زبان بھی اس وقت کے روح افزا مناظر اور خوش گوار دلچسپیوں کو دیکھکر بند سی ہوگئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ صبح بہار کی کرشمہ سازی نے تھوڑی دیر کے لئے اس کی قوت گویائی چھین کر اس کی منہ پھٹ زبان پر لگام چڑھا دی ہے جس سے یہ دیکھنے کے سوا کسی سے بات کرنے کے قابل یا اس کی زبان میں یوں کہنا چاہئے کہ ملا حیان سنانے کے لائق نہیں رہی اور اسپر ملک تنگ دیدم دم نہ کشیدم کی پرانی مثل پوری طرح صادق آئی۔

قدرت کا یہ انتظام بھی بے وجہ نہیں معلوم ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ ایسے پر فضا وقت اور سہانے سمان میں اس کی زبان درازیاں اور سرگوشیاں ہمارے مزے کو بہت کچھ کرکرا کرنے والی۔ نکھری ہوئی اچھوتی صحبت میں مخل انداز ہونے والی اور روحی انبساط و وقتی لطف کو بڑی حد تک بے کیف بنا دینے والی ثابت ہوتیں اور

صبح بہار جو مجموعی طور پر بے عیب واقع ہوئی ہے اس بدنامیب سے خالی نہ رہ سکتی۔

لالۂ خوشرنگ جس کے دل مین خدا جانے کس قدرت سے داغ ہوا۔ نہ جانے خبر نہین کہ کس ماہ وش کی فرقت کا داغ ہے رات بھر اس داغ کی بدولت بے چین و پریشان رہا کرتا ہے مگر واللہ اعلم کیا سبب ہے کہ صبح بہار کے نمودار ہوتے ہی اس کے داغ مین کچھ ایسی ٹھنڈک سی پڑ جاتی ہے کہ یہ بھی اپنے مجروح سینا سے ہنسنے بولنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اور اسکی لال لال شاداب صورت دیکھنے سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قدرت نے صبح بہار کا جلوہ اس کو نہین دکھایا بلکہ اس کے داغ دل پر مرہم کافور رکھ دیا۔ غرض نوجوانان گلشن پر صبح بہار کی معجزنمائی وجادو اثری سے ایک لذت کا عالم پیدا ہو جاتا ہے۔ سو طرح کے حسن نکلنے لگتے اور ہزار قسم کے ناز سے لگ جاتے ہین جن کا لطف اور کیفیت بس مشاہدہ کرنے اور دیکھنے ہی سے معلوم ہو سکتے ہین۔ قلم مین اس قدر قدرت نہین کہ اس کا معمولی سا نقشہ بھی صحیح پیمانہ پر کھینچ سکے۔

صبح بہار کا یہ کرشمہ اور اعجاز آپ غیر ذی روح اجسام پر تو ملاحظہ فرما چکے اب ذی روح اجسام پر اس کی تاثیرات کی تصویر بھی دیکھئے۔ دیکھئے ایک مدتون کا بیمار اور وہ بھی مایوس العلاج سر جھکائے غمگین بیٹھا ہے۔ اور اپنی تکلیفون اور ناقابل برداشت صعوبتون کا خیال کر کر کے بار بار ارادہ کرتا ہے کہ اس الجھن سے نجات پانے کے لئے خودکشی کر لے اور اس مصیبت بھری زندگی پر موت کو ترجیح دے۔ یہ ابھی اسی خیال مین سرگردان و پریشان تھا کہ نور کا تڑکا ہوا اور صبح بہار نے ایسا پُرلطف و مسرت خیز جلوہ اُس کی اشک حسرت سے بھری ہوئی آنکھون کو دکھا دیا۔ بس پھر کیا تھا ایک جادو تھا جو آنکھون کے ذریعہ سے دل تک اتر گیا اور اس مایوس بیمار کی زبان سے یہ الفاظ نکلنے لگے "آہا کیا ہی اچھی اور دل آویز صبح ہے جس کے پُرنور جلوہ کو دیکھتے ہی میری آنکھین خوشی اور مسرت سے چمکنے لگین اور میرے قلب غیر مطمئن کو ایک ڈھارس سی بندھ گئی۔ کیا عجب ہے کہ اسی صبح کی جانفزائی روح بخشی اور تن پروری پھر مجھے اُسی حالت پر لے آئے جیسا کہ مین پہلے کبھی تھا"
اس حوصلہ افزا اور فرحت بخش خیال کا دل مین جاگزین ہونا تھا کہ اسے ایک مرتبہ

یکایک اس امر کا احساس ہوا کہ میرے ناتوان بدن اور نحیف جسم مین قوت و توانائی از سر نو عود کر آئی اور یہ اپنے تئین اب اُس حالت مین پاتا ہے کہ گویا کبھی بیمار ہی نہین تھا۔ ان خوشگوار خیالات کا اثر اُس کے دل و دماغ پر رفتہ رفتہ اس قدر قوی گہرا اور دیرپا پڑتا ہے کہ اُسے اپنے جینے کی پوری آس ہو جاتی ہے اور تھوڑے دِن بعد ہم دیکھتے ہین کہ یہ اچھا خاصا تندرست آدمیون کی طرح بازارون اور تفریح گاہون مین چل پھر رہا ہے۔ صبح بہار کی مسیحا نفسی اور معجز نمائی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے؟

اُن بدنصیب عشاق کی طرف دیکھئے جنھون نے شب ہجر اختر شماری کر کرکے کیسی کیسی دعائین مانگ مانگ کے کیسی کیسی منتین مان مان کر اور خدا جانے کس قدر کڑی مصیبتین اور سخت تکلیفین اُٹھانے کے بعد صبح کی خوش آئند اور دلفریب صورت دیکھی ہے اور دیکھتے ہی تمام رات کی کلفتین کاوشین اور ہجران نصیبی کی اذیتین یکلخت بھول گئے ہین اور اُن کے پژمردہ چہرون پر گرد ملال کی بجائے شادمانی و انبساط کا سُرخ و سپید پوڈر نظر آ رہا ہے اور بادی النظر مین ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صبح بہار کی دلفریبی و رعنائی۔ وقت کی دلچسپی اور موسم کی خوبی و دلربائی نے اپنے وجد انگیز مناظر اور اپنی لطف خیز سینریان دکھا دکھا کر آخرش ان کے دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھلا دی ہے اور یہ اپنی کشت تمنا کو سرسبز ہوتے ہوئے دیکھکر دل ہی دل مین مسکرا رہے ہین اور غور سے اِن کی صورت دیکھنے پر صاف نظر آتا ہے کہ ع جو چین کرتی ہوئی ہونٹون پہ ہنسی بھر لی ہے۔ یا ع کبھی آتا ہے تو دزدیدہ تبسم ان کو۔

صبح وصال کو عاشق مزاج اور تفتیدہ جگر لوگ چاہے کتنا ہی بُرا بتائین مگر اس مین ذرا شبہ نہین کہ صبح شب ہجران کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے اور اگر شب ہجر کے بعد صبح نمودار نہ ہو تو بالبداہت مان لینا چاہئے کہ یہ گھڑی بھر بھی نہ جی سکین اور ایسی حالت مین بلا مبالغہ عرصۂ دنیا اِن کے لئے تنگ و تاریک ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے رہے لہذا اِسے عشق کے متوالون اور حرمان نصیب عاشقون پر صبح کا بہت بڑا احسان ہے اور وہ اس احسان مندی سے تمام عمر سبکدوش نہین ہو سکتے جب معمولی صبح کی یہ اس قدر شرمندۂ احسان اور گرویدۂ دلکشی و مسرت بخشی ہین تو صبح بہار

کا ان کو نسبتاً زیادہ ممنون احسان ہونا چاہیے گو زبان سے یہ اسکا اقرار نہ کریں اور زمانہ کو کوسنے اور فلک کو برا بھلا کہتے رہیں مگر ہم ان کے دل کی حالت کو خوب جانتے ہیں۔ چاہے یہ اپنے منہ سے اس شکر گذاری کا اظہار نہ کریں مگر اے صبح بہار تجھے انکی کچھ پرواہ نہ کرنی چاہیے کیونکہ ان کے چشم و ابرو اشارے کر رہے ہیں کہ ہم تیرے شرمندۂ احسان اور گرویدۂ کرم فرمائی ہیں۔

سنتے ہیں اور معتبر ذرایع سے سنتے ہیں خبر ہے اور معقول خبر ہے کہ حضرت رب العزت نے جنت والون کی دلچسپی و فرحت کے لئے صبح ہی کا وقت پسند فرمایا ہی اور گو قیاس ہے مگر صحیح قیاس کہ یہ صبح بھی صبح بہار کی سی دلبری و نظر فریبی لئے ہوئے ہوگی بلکہ اعتقاد یہ ہے اس سے بھی زیادہ بہاری دلچسپی کی امید واثق رکھنی چاہیے ناز آفرین مہ جبینون اور ملاک فریب پری جاؤن نے اپنی گلگشت باغ اور سیر و تفریح کا یہی پُر نور، سہانا اور مست و بیخود کر دینے والا وقت تجویز کر کے خدا کی سنت ادا کی ہے اور خوش رفتار معشوقون نے بھی اسی نور ظہور کے وقت اپنی مستانہ روش اور دلربایانہ خرام ناز کا تماشا دکھلا دکھلا کر جور وش حسینون کے سخت اور پتھر دل کو مسخر اور نرم کر دیا ہے۔

پس صبح بہار جس میں ایسی دلچسپیان ہیں۔ اس قدر روحانی مسرتیں ہیں۔ اصلاح کی وجدانی کیفیتیں ہیں جسکو پری پیکر نازنین اسقدر شوق و محبت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور جسکو خود خداوند جل و علا نے بھی ہمارے ہی لئے پسند فرمایا ہے ہم کو اس قدر عزیز کیون نہ ہو اور ہم اُس کے قدرتی دلچسپ مناظر دیکھ کر از خود رفتہ و محو کس لئے نہ ہو جائیں؟ اے صبح بہار! تو ہمارے لئے ہے اور ہم تیرے لئے لہذا ہم جب تک اس دنیا میں ہیں تجھ سے لطف اٹھائیں گے اور جب اُس عالم میں ہونگے (جہان تو بھی دائمی طور پر موجود ہوگی) وہان بھی تیرے دلکش سین دیکھ دیکھ کر خوش اور مسرور ہوا کرینگے۔

(سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی)

—————o:::o—————

ترکان آل عثمان

مصر و حبشیون کا معاملہ البتہ اور طرح کا ہے کیونکہ وہ ہمیشہ ایک جداگانہ قوم بنی رہتی ہین۔ اور اکثر اوقات افلاس و مصیبت مین مبتلا ہو جاتی ہین۔ مگر عام طور پر دیکھا جائے تو اُن کی اس بدقسمتی کا الزام خود انھین پر ہے۔ اس لیے کہ انھون نے کچھ ایسی خود اعانت پذیر اور وحشیانہ سرشت پائی ہے کہ آزاد ہونے اور بیاہ دیے جانے کے بعد عموماً شوہرون سے لڑ جھگڑ کے مفارقت حاصل کر لیتی ہین۔ اور اپنی زندگی کی آپ ہی کفیل بن کے چھوٹے موٹے اور کوئی ادنی چیز سڑکون پر بیچتی پھرتی ہین جس سے ہمیشہ مفلس رہتی ہین۔ ہمارا حصہ ہی مفلس اور خستہ خراب ہے جس مین صرف فلاکت زدہ اور شکستہ حال لوگ ہی آباد ہین۔ ترکون کے اس ملک پر قابض و متصرف رہنے کے بعد سے آج تک ہزارون لاکھون حبشیون کے لائے جانے کی وجہ سے خیال ہوتا ہے کہ اصلی باشندون اور حبشیون کے میل سے گورے اور کالے رنگ کا عظیم الشان امتزاج ہو گیا ہوگا۔ مگر ایسا نہین ہے۔ اگرچہ حبشنون کی کبھی حبشیون کے ساتھ اور کبھی گوری قوم کے لوگون کے ساتھ اکثر شادیان ہو جاتی ہین مگر یہ سرزمین سانولی رنگت کے لیے موزون و مناسب نہین معلوم ہوتی۔ ایسے متضاد میل سے جو بچے پیدا ہوتے ہین عموماً بچپن ہی مین مر جاتے ہین۔ اور کوئی ایسی قوم نہین پیدا ہونے پاتی جو دونون کا مجموعہ ہو۔

ممالک عثمانیہ کی حبشنین اگرچہ کم رتبہ ہین اور سوسائٹی مین کوئی وقعت نہین رکھتین مگر اُن مین بجائے خود ایک بیڑا قائم ہے جس کی بدولت ایک سوسائٹی پیدا ہو گئی ہے اور وہ صرف اتنا ہی نہین کرتی کہ حبشی غلامون اور حبشن لونڈیون کو ظالم مالکون کے دست ستم سے چھڑا لے بلکہ بیماری دکھ اور مرنے جینے مین بھی قوم کے کام آتی ہے۔ یہ حبشی سوسائٹی اُن کے قومی اتحاد کا ایک ذریعہ بن گئی ہے۔ اور بعض اپنے وطنی رسوم کو باوجودیکہ وہ مسلمان ہونے کے مدعی ہین زندہ رکھتی ہے۔ اس سوسائٹی کے ماتحت مختلف لاج (محفلین) ہین اور ہر محفل کی سردار ایک حبشن ہے جو کول باشی کے لقب سے یاد کی جاتی ہے۔ کول باشی صرف میر مجلس ہی نہین ہوتی بلکہ ایک دیوتا کی پجارن بھی خیال کی جاتی ہے جسے یہ دولت عثمانیہ کے حبشی یوروبہ کہتے ہین۔ یہ دیوتا ٹھیک کے طریقے

رفتہ رفتہ کول باشی جشن کے سر پر آتا ہے اور یقین کیا جاتا ہے کہ اس وقت وہ اس مین رجولیت کی شان پیدا کر دیتا ہے

ان ہنگامون کے موقعون پر کول باشی اپنی محفل کے تمام شرکا کو جو ہمون مین شریک ہونے کے لیئے بلائی جاتی ہین اور سب آ کے یورُوبہ دیوتا کے سامنے ادب سے بیٹھتے ہین۔ کول باشی کی نہایت ہی تعظیم و تکریم کی جاتی ہے۔ اور کسیکو اُس کے حکم سے انحراف و انکار کرنے کی جرأت نہین ہو سکتی۔ کیونکہ سب ڈرتے ہین کہ دیوتا یورُوبہ سخت سزا دے گا۔ یورُوبہ صاحب کا معمول ہے کہ کول باشی کے سر پر آ کے اور اُسے مرد بنا کے شریک محفل جشنون مین سے جس جس کو چاہتے اور پسند فرماتے ہین اپنی دُولہن قرار دینے کی عزت سے سرفراز فرماتے ہین۔ اور یورُوبہ کی دُولہن بننے کا شوق جشنون مین اس قدر بڑھا ہوا ہے کہ محال کیا کہ کوئی اس قسم کی صحبت ناغہ ہونے پائے۔ تمام جشنین مجبور ہین کہ اپنے مالک سے اجازت کی درخواست کرین اور اجازت پائین چوہے اور دیگچیون کو چولھے مین جھونک کے اپنے اچھے اور بھڑکیلے کپڑے پہنتی اور اپنا پرایا جو کچھ ہاتھ لگا لے کے یورُوبہ کے مندر کی راہ لیتی ہین۔ کول باشی کا کمرہ سج کے حجلۂ عروسی بنایا جاتا ہے۔ بچھونے پر شال اور دیگر اقسام کے قیمتی کپڑے بچھائے جاتے ہین۔ اُس کا سر اور سینہ جواہرات اور طلائی سکون سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ تب وہ جا کے بچھونے پر لیٹ جاتی ہے اور زور و شور سے طبلے اور دائرے بجنا شروع ہوتے ہین۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پڑے ہی پڑے پیچ و تاب کھانے لگتی ہے اور تشنج شروع ہو جاتا ہے۔ اُس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یورُوبہ آ گئے۔ بہت سی عقیدت مند عورتون پر بھی اُس کے ساتھ عالم بدہوشی و بے خودی طاری ہو جاتا ہے۔ اور اُس بے خودی کے عالم مین وہ سنتی ہین کہ یورُوبہ اُن سب عورتون کو نام لے لے کے پکار رہا ہے جنھین اُس نے اپنی دولھن بنانے کی عزت دی ہے۔ جب یہ جوش و خروش اور تشنج ذرا کم ہوتا ہے تو شربت کے جام گردش مین لائے جاتے ہین پھر سب ایک نہایت ہی پُرتکلف دسترخوان پر بیٹھ کے عمدہ غذائین کھاتے ہین۔ یورُوبہ کی یہ بیٹھک سر تا سر عورتون کے ساتھ مخصوص ہے۔ مرد اُس کی کسی رسم مین نہین شریک

کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اِس انجمن کے سرمایہ سے مردون کی مدد ضرور کی جاتی ہے ؎۵
کول باشی جب باہر نکلتی ہے بھاری اور پُر تکلف کپڑے پہنے ہوتی ہے۔ کئی خادمائین ساتھ ہوتی ہین۔ جو نہایت ہی جوشِ عقیدت سے اُس کے احکام بجا لاتی ہین۔ دنیوی حیثیت سے بھی اُسے بہت کچھ حکومت حاصل ہے۔ کیونکہ معینہ رتبۂ اقتدارت کے اندر جو رسم و رواج سے قرار پا جاتا ہے اپنے گروہ مین سے وہ جسے چاہے اُس کی جائداد سے محروم کر سکتی ہے۔ اُسے اپنی زندگی بھر اپنے مکان مسکونہ اور اُن جواہرات و زیور پر جسے پہنا کرتی ہے انتفاع حاصل ہے۔ اپنے گروہ کے سرمایہ کا انتظام اُس کے اختیار مین ہے۔ یہ سرمایہ اکثر نقد کی صورت مین اور کبھی مختلف اشیا کی حیثیت مین چندے کے طور پر تھوڑا تھوڑا کر کے جمع ہوتا ہے۔ اور نہایت قاعدے اور پابندی کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے۔ یہ بھی اُس کا کام ہے کہ جو غلام بُرے اور بے رحم لوگون کے ہاتھ مین مبتلا ہون اُنکو زرِ قیمت ادا کر کے آزادی دلائے۔ آزاد شدہ حبشنین اگر بیمار ہون یا ذریعہ معیشت نہ رکھتی ہون تو اُن کو اپنے پاس رکھ کے کھلائے۔ اِسی کے نتیجہ مین یہ عام دستور پڑ گیا ہے کہ جن لوگون کو کسی ماما یا خدمتگاری کی ضرورت ہوتی ہے وہ آزاد شدہ حبشنون کی تلاش مین اِسی کول باشی کے پاس آتے ہین جو ایسی خادمائین فراہم کر دیا کرتی ہے۔

ترکانِ آلِ عثمان کی نسبت مسیو امارٹن نے بہت ٹھیک بتایا ہے کہ شاندار مقامات۔ لہراتے ہوئے سمندرون۔ سایہ دار کنجون۔ خنک چشمون۔ اور وسیع فضاؤن کے جن کے چارون طرف برفستانی پہاڑون کا سفید حلقہ ہو۔ وہ نہایت ہی رسیا ہین۔ عمدہ سینریون کے شوق ہی کا سبب ہے کہ ترک لوگ جس جگہ جا کے آباد ہوتے ہین وہان کے دلچسپ منظرون اور ایسے بلند مقامون کو جہان بے مثل اور لاجواب سینریان پیشِ نظر ہون اُنھون نے اپنے بسنے کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ علاوہ اُن

؎۵ یوروپ کی نسبت یہ سمجھنا چاہیے کہ ہمارے ہندوستان کے شیخ سدو یا سید احمد کبیر قسطنطنیہ کے حبشیون کی اس رسم کو تو لیڈی گارنٹ نے اُن کے وطن کی اور اسلام قبول کرنے سے پیشتر کی یادگار قرار دیا۔ ہم نہین سمجھتے کہ ہمارے یہان جو بیٹھکین ہوا کرتی ہین اُن کی اصلیت کیا بتائی جاے گی تاہم مسلمانون کو شرمانا چاہیے کہ ایک مسیحیہ خاتون کو بھی یہ رسم اسلام کے خلاف اور کفر و شرک کی یادگار نظر آئی۔

سات پہاڑیون کے جن پر شہر رومۃ الکبریٰ کی طرح استنبول آباد ہے اُنھون نے باسفورس اور بحر ایجین کے کنارے کنارے بہت سے خوبصورت اور دلکش مقامات کو رہنے کے لیے منتخب کیا ہے۔ شہر سمرنا مین وہ کوہ پیگوس کے ڈھال پر پرانے شہر کی منہدم دیوارون کے نیچے بسے ہوئے ہین۔ یہی وہ مقام ہے جہان عیسائیون کا سینٹ پالی کارپ شہید ہوا تھا۔ اور مخالفات [illegible] نے بے شمار محاصرے کیے تھے۔ اور بڑی بڑی معرکہ آرائیان ہو چکی ہین۔ شہر سلونکا مین ترکون کی آبادی اُس خندق سے جسے مدحت پاشا نے نکالا تھا۔ اور اُنھین کے نام سے مشہور ہے شمالی حصہ شہر پناہ اور سات برجون والے قلعہ تک جو متصل کوہ پر ہی پھیلی ہوئی ہے۔ سڑکین جن مین سے اکثر پختہ نہین بنائی گئی ہین اور بہت ہی ٹیڑھی اور اونچی نیچی ہین اُن کی یہ حالت ہے کہ خشکی کے موسم مین تو ٹخنون تک پاؤن بالو مین غائب ہو جاتا ہے اور برسات مین اُن کے بیچ مین پانی کا دھارا بہنے لگتا ہے لیکن سڑک کے علاوہ دیگر حیثیتون سے اُنکی آبادی بمقابل یہود و نصاریٰ کے محلون کے زیادہ صاف اور ستھری ہے۔ کیونکہ اُن کے حلقون مین صفائی کی خدمت بجا لانے والے کتے موجود ہین جن کی داشت اور پرورش مسلمان ہی کرتے ہین۔ نیز اِس سبب سے کہ اُن کے باغون اور عام صحنون کا ایک حصہ کوڑے وغیرہ کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔

یہان ہر مکان مین عام اِس سے کہ غریب سے غریب ترک کا ہو اگر اُس مین باغ نہ بھی ہو تو ایک صحن ضرور ہوتا ہے اور اُس کے گرد ہمیشہ شہتوت یا ببول کے سدا بہار ہرے درختون کی قطار ہوتی ہے۔ نیز ہر مکان دوسرے سے بالکل جدا ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اُن کی آبادی پاشان اور منتشر ہے اور زیادہ حصۂ زمین گھیرے ہوئے ہے۔ اہل حرفہ اور مزدوری پیشہ ترکون کے مکانات بھی دیگر اقوام کے کاریگرون اور مزدورون کے مکانون سے علی العموم متمائز ہوتے ہین۔ اور اُن کی خاص پہچان یہ ہے کہ وہ سبز سے چھپر ہوتے ہین جن مین سڑک کی جانب کی کھڑکیون مین چوبی جالیان لگی ہوئی ہین بیرونی رُخ پر اُس مین ایک چوڑا وسیع زینہ بنا ہوتا ہے جس پر چھت بھی پٹی ہوتی ہے۔

ایک متوسط الحال خاندان کا مکان اس سے زیادہ وسیع ہوتا ہے علی العموم اس کے تین جانب باغ اور صحن ہوتا ہے چوتھی جانب شاہراہ عام پر ہوتی ہے اور پہلا کا درجہ اس میں تقریباً دو فٹ باہر نکلا ہوتا ہے۔ دیواروں پر گہرا سرخ رنگ پھرا ہوتا ہے۔ کاڑیوں کی بے رنگی ہوئی کھڑکیاں اور جالی دار ٹٹیاں جو مکان کے تین ثلث حصہ پر حاوی ہوتی ہیں دیواروں کا یہ سرخ رنگ خوب زیب دیتا ہے۔ مکان پر لمبے لمبے سرو شہتوت۔ اور بول کے درختوں کا گھنا سایہ رہا کرتا ہے۔ جن کے نیچے طرح طرح کی ترکاریاں۔ گندنا۔ ولایتی بیگن۔ تربوز۔ خربوزہ۔ کرم کلہ۔ اور پودینہ وغیرہ تیار ہوتی ہیں۔ اور اُن کے پہلو بہ پہلو گلاب چنبیلی۔ نارنج۔ انار۔ اور لالہ و ارغوان بغیر اس کے کہ کسی مشرقی باغبان کو زیادہ زحمت اٹھانی پڑی ہو عجب بے تکلفی کے ساتھ کھلتے اور پھلتے رہتے ہیں۔

نیچے کی منزل پر دو کمرے جن میں جانے کا دروازہ بھی الگ ہوتا ہے "سلاملق" ڈرائنگ روم کہلاتے ہیں یہاں صاحب خانہ اپنے مرد احباب سے ملتا ہے اور اسی نیچے کے باقی ماندہ حصہ میں باورچی خانہ رہتا ہے۔ اوپر کی منزل خاتونانِ حرم اور بال بچوں کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ اور اس کا اسباب خانہ داری نشست گدے۔ قالین اور نمدے وغیرہ ہوتے ہیں۔

ترکوں کے مکانوں میں صاحب مکان کے رتبہ مذاق۔ اور دولت کے مطابق بڑے چھوٹے ہونے کا اور نیز ساز و سامان کے اعتبار سے بہت کچھ فرق ہوتا ہے۔ اور اسی اعتبار سے اُن کے مکانوں کو دار السلطنۂ قسطنطنیہ سے قرب اور دوری ہوتی ہے۔ بہت بڑے صاحب مرتبہ لوگوں کے مکان شہر کے اندر اُن سے کم درجہ والوں کے وہاں سے قریب اطراف و جوانب میں۔ اور جو لوگ ان سے بھی اتر کے ہیں دور کے اضلاع و بلاد میں رہتے ہیں۔ نیز دولت مندی و عالی مرتبتی کا امتیاز پرانی وضع کی عمارت یا نئی شان و قطع کی عمارت سے ظاہر ہوتا ہے یعنی جو زیادہ استطاعت نہیں رکھتے اُن کے مکان پرانی ہی وضع کے ہیں۔ اور جن کو خدا نے زیادہ دولت دی ہے اُنھوں نے جدید ترمیموں کے مطابق قصر و ایوان بنوا لیے ہیں۔ مگر سب کے اوپر والی چھت سرخ کھپروں سے پٹی ہوئی ہے

اور مقام کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یا بڑے بڑے باغون کے گھونگھٹ مین واقع ہین یا پُرجوش دریا سے باسفرس کی لہرون کے آغوش مین ہین۔ دریا کنارے والی سو شکلین از سرتا پا لکڑی کی بنی ہوئی ہین۔ ان سامنے کے برآمدہ مین ستون البتہ سنگ مرمر کے ہین جو اکثر آس پاس کی پرانی منہدم عمارتون سے کھود کے لائے جاتے ہین۔ پیراستہ ستون ان کے اُبھرے اور آگے کی طرف نکلے ہوئے گوشے۔ ان کے چھجے اور برجین۔ ان کے نا کسا برآمدے اور چھتین۔ ان کی اندرون مین کھپ جانے والی رنگ آمیزی۔ اور ان کا زمردین سبزہ ایک عجب شاندار تصویر نظر کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ جالیان جو زنانخانون کی کھڑکیون پر نصب ہین۔ ان مین گول گول روزن ہوتے ہین جن مین سے خاتونان حرم بغیر اس کے کہ ان کے چہرے تک کسی نظر کی رسائی ہو اپنے زنانخانے سے بیٹھے ہی بیٹھے باہر کے تغیر پذیر منظر کی سیر کر لیا کرتی ہین۔ جہان چھوٹی چھوٹی کشتیان۔ اسٹیمر اور دنیا کی تمام قومون کے جہاز برابر گزرتے رہتے ہین۔ مکانون اور دریا کے مابین ایک تنگ ملبارہ کشتیون کو کھینچ کے لیجانے کیلئے چلا گیا ہے جو دو تین فٹ سے زیادہ چوڑا نہین مکانون کو پانی کی دست برد سے الگ کرتا رہتا ہے۔ اس راستہ پر جہان جہان برابر پُل بنتے چلے گئے ہین جن کی وجہ سے راستہ کے نشیب و فراز نے عجب پُر لطف لہریا بنا دیا ہے۔ ان پلون کے نیچے دریائی راستے ہین جن مین سے ہو کے سمندر مکانون کے آغوش مین پہونچتا رہتا ہے۔ مگر ان دریائی پرائیوٹ راستون کی روک تھام کے لئے پلون کے نیچے پھاٹک قائم ہین جو اکثر بند رہتے ہین۔ اور ضرورت کے اوقات مین کھلتے ہین تو کشتیان آ کے ان زینون اور پختہ پلیٹ فارمون سے لگ جاتی ہین جو مکانون کے اندر بنی ہوئی ہین اور جن کے ذریعہ سے اکثر عورتون اور مردون کی ایک دوسری جگہ آمد و رفت ہوتی رہتی ہے۔ اسی سبب سے قسطنطنیہ مین سمندر اکثر گذرگاہ عام کا کام دیتا ہے۔ اور لوگون کی زیادہ آمد و رفت کشتیون ہی کے ذریعہ سے ہوا کرتی ہے۔ غرض ترکون کا مکان عام اس سے کہ شہر مین ہو یا دیہات مین ایک کشتیون کی آمد و رفت کے قابل بے قاعدہ سی دو منزلی عمارت ہوتا ہے۔

تذکیر و تانیث

اُردو مین مذکر و مونث کا جھگڑا اس بلا کا ہے کہ جو لوگ اس زبان کو حاصل کرنا چاہتے ہین وہ سب دشواریان جھیل لے جاتے ہین مگر تذکیر و تانیث کے متعلق کچھ زور نہین چلتا۔ بڑے بڑے اُردو دانون کو اکثر اوقات شبہ پڑ جاتا ہی اور کوئی ایسی تدبیر نہین ہاتھ آتی کہ آسانی سے الفاظ کے مذکر و مونث ہونے کا پتہ لگا لین۔ بڑی خوشی اور کامیابی کی بات ہے کہ جانشین امیر مینائی مرحوم جناب جلیل نے مندرجہ عنوان نام کی یہ کتاب تصنیف فرما کے ملک کے ہاتھ مین ایک ایسا ادبی خزانہ دے دیا ہے کہ جس لفظ کی تذکیر و تانیث کو چاہین دم بھر مین چند ورق اُلٹ کے معلوم کر لے سکتے ہین۔

میری رائے مین یہ کتاب ہر اُردو زبان کے شایق کے ہاتھ مین ہونی چاہیے۔ چھپائی بھی بہت پاکیزہ ہے۔ اور کاغذ بھی اچھا لگایا گیا ہے۔ اور ۲۰×۲۶ پیمانے کے ۳۶۸ صفحون پر ختم ہوئی ہے۔ قیمت صرف دو روپیہ کلدار۔ شائقین جناب مصنف کی خدمت مین بمقام حیدر آباد دکن۔ "افضل گنج" کے پتہ پر خط بھیج کے طلب فرمالین۔

اے گائڈ ٹو پرشین آریبک ورڈس اینڈ پلورلس

یعنے فارسی زبان مین جو عربی الفاظ مستعمل ہین اُن کے مادّے اور جمعین بتانے والا رسالہ۔ اصل الفاظ عربی خط کے ٹائپ مین ہین اور اُن کا ترجمہ انگریزی زبان مین بتایا گیا ہے اس کتاب کے ذریعہ سے عربی الفاظ کے مادّے معنے اور اُن کی جمع بآسانی معلوم ہوسکتی ہے۔ عربی و فارسی خوان طلبہ مدارس انگریزی کو اس کی ایک جلد ضرور اپنے پاس رکھنی چاہیے قیمت ۱۲ ار۔ درخواستین جناب مصنف اے۔ اے حسام الدین صاحب مدرس فارسی ٹریننگ کالج پونہ کی خدمت مین بھیجی جائین۔

تصحیح

دلگداز کے گذشتہ نمبر کے ٹائیٹل مین لوح کے صفحہ پر بجائے جولائی کے جون چھپ گیا ہے۔ جن حضرات کے پاس وہ پرچہ گیا ہے براہ کرم تصحیح فرمالین۔ جون کا پرچہ سلخ اپریل مین پہونچ چکا ہے۔

خاکسار منیجر دلگداز

تاب میں بڑنے لگا۔ اور کپتان آر اور جان ہرڈی نے غلام حسین کو اپنے سوا ایلچی کے فہمائش کی کہ ”تم لوگ کمرین کھول کے اطمینان سے بیٹھو“۔ اور خود اپنی فوج اور توپ کر پیچھا کی یہان سے فاصلہ پر ٹھہر گئے۔ فوج کا ہٹنا تھا کہ بیراگی اور ہزارون ہندو ان نے آکے مسجد کو گھیر لیا۔ اور رجب علی شاہ نام ایک فقیر کے کوٹھے سے چڑھ کے غلام حسین کے ہمراہیون پر باڑین مارنا شروع کین۔ اور جب انھین کمزور دیکھا تو مسجد مین گھس پڑے۔ اور ۶۹ مسلمانون کو جو مسجد کے اندر جمع تھے بکریون کی طرح ذبح کیا۔ اور ان کی لاشون کے ٹکڑے کر ڈالے ساری مسجد لہو سے تر ہو گئی۔ اکثر مسلمانون کے گلے مین قرآن مجید حمائل تھا۔ اس مقدس کتاب کے جتنے نسخے تھے ان کو چیر پھاڑ کے پاؤن سے روندا اور باری غصہ کو جلا ڈالا۔

اشین سے گور و کفن پڑی رہین جنھین دوسرے دن مرزا شاہ حسین صاحب نے جو ایک فوجی افسر تھے اور انتظام کے لئے یہان بھیجے گئے تھے۔ ایک گڑھا کھدوا کے دفن کیا۔ اور چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی ہندو جوتیان پہنے ہوئے مسجد مین آگئے ہجوم کیا۔ سنکھ بجایا۔ قریب ہی خواجہ بچھے کا مزار تھا جو سید سالار مسعود غازی کے ہمراہی شہدا مین تھے اسے توڑ ڈالا۔

ان واقعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ اجودھیا مین ہندوؤن نے عام مسلمانون پر جبر و تشدد شروع کر دیا۔ جتنے مسلمان وہان آباد تھے اپنا مال و اسباب لے کے فیض آباد مین چلے گئے۔ اور اجودھیا کے گلی کوچون مین مسلمان کو نکلنا دشوار تھا۔ فیض آباد اور اودھ کے مسلمانون کی طرف سے ایک درخواست جس پہ اکثر شرفا و معززین بلکہ صاحب اثر عہدہ داران سرکاری کے بھی دستخط تھے اور سب تصدیق کر رہے تھے کہ ہنومان گڈھی مین در اصل مسجد موجود تھی جسے ہم نے بچشم خود دیکھا۔ بیراگیون کی طرف سے سخت بے اعتدالی ہوئی ہے۔ لہذا از سر نو تعمیر مسجد اور بیراگیون کی سزا دہی کا حکم نافذ ہو۔

سرکار مین ان واقعات کی جو کیفیت پیش ہوئی اسمین اودھ کی دیگر مساجد کا ذکر کرنے کے بعد ہنومان گڈھی کی مسجد کی نسبت یہ ظاہر کیا گیا کہ ” اس گڈھی کی بلندی پر مندر کے قریب ایک نہایت مختصر قناتی مسجد تھی وہان ایک مسلمان فقیر جاروب کشی کرتا تھا۔ جب وہ مر گیا تو بیراگیون نے مسجد کو ہنومان گڈھی کے اندر داخل کر لیا۔ جناب عالیہ مرحومہ کے زمانے مین بعض معتبر لوگون نے اس مین نماز پڑھی تھی مگر اب اس کا نشان بھی نہین۔ یہ کیفیت سن کے

غلام حسین شاہ فقیر اُس مسجد کے از سر نو بنوا دینے کے لیئے آیا جو جامع مسجد میں (۲۶۹) آدمیوں کے ساتھ قتل کیا گیا۔

اُس کے ساتھ مولوی حفیظ اللہ وارث عدالت کی طرف سے بھی عرضداشتیں آئیں اور عام مسلمان یہ چاہتے تھے کہ ہنومان گڑھی کی مسجد شاہی خزانے سے یا ہندوؤں سے بنوا دی جائے۔ ہندو یہ کہہ رہے تھے کہ یہاں کوئی مسجد تھی ہی نہیں اور نہ ہم نے کبھی مسجد پر کسی قسم کی دست برد کی ہے۔ اس کی تحقیقات کے لیے سرکار کیجانب سے آغا علی صاحب کپتان آر صاحب اور راجہ مان سنگھ بہادر قائم جنگ مقرر ہوئے۔ مان سنگھ وہ شخص ہے جو خود بانی فساد تھا۔ اور جس کے سپاہیوں نے بیراگیوں کے ساتھ شریک ہو کے یہ خونریزی کی تھی۔ اس کے بعد بلرام داس گنش داس۔ دیبی داس اور بینی رام مہنتوں سے دو اقرار نامے سرکار میں داخل کرائے گئے جن میں سے ایک کا مضمون یہ تھا کہ احکام مذکورۂ بالا جو تحقیقات کے لئے مامور ہوئے ہیں اگر بالاتفاق ثابت کر دیں کہ ہنومان گڑھی میں مسجد تھی اور ہمارے سامنے اپنی رائے ظاہر کر دیں تو ہمیں اسکے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا۔

مگر باوجود ان سب باتوں کے دربار شاہی سے کسی طرح فیصلہ نہ ہوتا تھا۔ اور مسلمانوں میں بد دلی اور اُس کے ساتھ جوش و خروش بڑھتا جاتا تھا۔ بادی النظر میں سرکار شاہی کی خموشی کا اصلی سبب یہ تھا کہ راجہ مان سنگھ کی قوت اُن دنوں بہت بڑھی ہوئی تھی وہ ایک طرف تو دربار شاہی میں بہت زیادہ اثر رکھتا تھا دوسری طرف رزیڈنسی میں بھی عزت کیجاتی تھی اور وہی اس مقدمہ میں اصلی مدعا علیہ تھا۔ اگرچہ بیراگیوں اور عام ہندوؤں کی آڑ میں تھا مگر اسکی سازشیں اور کوششیں مسلمان رعایا کی آواز میں اتنی قوت نہیں پیدا ہونے دیتی تھیں۔

بہر تقدیر دربار اودھ نے اس معاملہ کو التوا میں ڈال دیا۔ اور مسلمانوں کی بے چینی حد اعتدال سے تجاوز کرنے لگی یہانتک کہ قدیم قصبہ امیٹھی کے خاندانی شریف زادوں میں سے سید امیر علی نام ایک صاحب علم اور ذی اثر بزرگ جوش میں آکے اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوے کیا کہ جب شعائر اسلام کی علانیہ توہین ہو رہی ہو۔ کتاب اللہ شریف کی بے عزتی ہو۔ اور حامیٔ دین مسلمان جان سے مارے جائیں تو جہاد فرض ہو جاتا ہے اور جیسا اب یہ تمام امور ظہور پذیر ہو گئے اسی لئے میں جہاد کرونگا۔ یہ کہکے انہوں نے علم جہاد بلند کر دیا۔ اور مسلمان چاروں طرف سے دوڑ دوڑ کے اس کے جھنڈے

پیچھے جمع ہونے لگے۔

اس کی خبر وزیر اودھ علی نقی خان کو پہونچی تو گھبرائے اور بجائے اس کے کہ اصلی فساد کی طرف توجہ کیجائے۔ یا اس معاملہ کا فیصلہ ہو مولوی صاحب موصوف کے سمجھانے بجھانے کی کوششیں ہونے لگیں۔ چنانچہ بشیر الدولہ نام ایک معزز رکن سلطنت کے ذریعہ سے مولوی صاحب لکھنؤ میں بلوائے گئے جو اپنے مجاہدین کے ایک گروہ کے ساتھ آئے۔ علی نقی خان سے ملے۔ علی نقی خان نے چاہا کہ انھیں کچھ دے دلا کے خلعت وغیرہ پہنا کے جہاد سے باز کیا جائے۔ مگر مولوی امیر علی صاحب کے دل سے لگی ہوئی تھی۔ وہ بھلا کب ماننے والے تھے۔ اپنے ارادۂ جہاد سے ہرگز نہ باز آئے۔ بلکہ کچھ ایسی گفتگو ہوئی کہ ملاقات کا انجام بے لطفی کے سوا اور کچھ نہ ہوا چاہا گیا کہ وہ گرفتار کر لیے جائیں۔ مگر بشیر الدولہ نے کہا "میں نے مولانا کو اپنی ضمانت پہ بلایا ہے۔ اگر ان کا بال بیکا ہوا تو میں خودکشی کر کے مرجاؤں گا۔" اس کے بعد موقع پا کے انھوں نے مولوی صاحب کو لکھنؤ سے نکال دیا۔ اور وہ تقریباً ۷ مجاہدین کے گروہ کو ساتھ لے کے جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کے سفر جہاد پر چل کھڑے ہوئے

جب نظر آیا کہ اب اجودھیا میں ہنگامۂ عظیم ہونے والا ہے تو ان کے روکنے کے لیے لکھنؤ سے فوج اور توپ خانہ روانہ کیا گیا۔ شیخ حسین علی جو مولوی صاحب کے عزیز تھے اور رہتور خان اس فوج کے ساتھ وکیل سلطنت بنا کے بھیجے گئے۔ انھوں نے مولوی صاحب کو سمجھا بجھا کے روکنا چاہا۔ مگر جب نہ رُکے تو ان سے وعدہ کیا کہ فی الحال عشرۂ محرم ہونے کی وجہ سے کارروائی میں کسی قدر دیر ہو گی۔ آپ ایک مہینہ تامل کیجئے۔ اور وعدہ کیا جاتا ہے کہ ۲۴ محرم ۱۲۷۲ھ تک اگر گڑھی کر میں مسجد نہ بن جائے تو آپ کو اختیار رہے۔ مولوی صاحب نے اس کو منظور کر لیا اور ...نہالی میں ٹھہر گئے۔ اس اثنا میں جہاد کی خبر جو مشہور ہوئی تو اطراف و جوانب سے آ آ کے لوگ مولوی صاحب کے ساتھ شریک ہونے لگے۔ اور قریب قریب ...ہزار مجاہدین کے جمع ہو گئے۔

...اثنا میں رزیڈنسی سے برابر زور پڑ رہا تھا۔ جنرل آؤٹرم نے خود بادشاہ سے کہا کہ ہندو و مسلمانوں میں سخت فساد ہونے والا ہے۔ جس کے بانی مبانی

مولوی امیر علی ہین۔ اُنھین لکھنؤ مین قید کر لینا چاہیے تھا۔ اور نکل گئے تو سخت سزا دینی چاہیے" اُن کے مددگار کپتان ہیز نے سمت الدولہ کی زبانی بادشاہ و وزیر کے پاس اس مضمون کا پیام کہلا بھیجا کہ "خون ریزی نہ ہونے پائے ورنہ سلطنت پر آئی گئی ہو جائے گی اجل بر در شاہی رسید" یہ سب اثر راجہ مان سنگھ کا تھا جو ایک طرف رزیڈنسی سے سلطنت پر دباؤ ڈلواتا تھا۔ اور دوسری طرف خود دربار شاہی مین سازش کر کے وزیر کو اپنے موافق بناتا تھا۔ بہت زیادہ شہرت اس بات کی ہے کہ اُس نے کل عہدہ داران سلطنت کو رشوت دے کے ہموار کر لیا تھا جس کی تصدیق کتاب تاریخ مذکور سے بھی ہوتی ہے۔

جس مدت کی مولوی امیر علی صاحب سے مہلت لی گئی تھی اُسی زمانے مین راجہ مذکور اور کپتان بارلو کی ضمانت پر گڈھی کے ہندوؤن کے بعض وکیل بھی دربار شاہی مین حاضر ہوے۔ جن کی قدر و منزلت کی گئی۔ اور اُن کی خواہش کے مطابق اطمینان دلا کے اُنھین رخصت کر دیا گیا۔ اور اُن کے جاتے ہی رزیڈنسی مین لکھ بھیجا گیا کہ "ہنومان گڈھی مین مسجد کا ہونا کسی طرح ثابت نہین ہوتا۔ مدارج تفہیم کے بعد سرکش فریق کو سزائے اعمال دی جائے گی" وہان سے جواب آیا کہ "اہالیان سرکار نے اس بارہ مین حق الانصاف ادا کیا کہ کسی قسم کی رعایت مذہب و ملت کی نہین کی" اس مراسلت کا لازمی تقاضا یہ تھا کہ نہ مسجد بنائی جائے۔ اور نہ مولوی صاحب کو بڑھنے کا موقع دیا جائے۔

اب مولوی صاحب کے روکنے کے لئے فوج اور بڑھا دی گئی اور اُن سے صاف طور پر عہد شکنی کی گئی۔ یہ حالت دیکھ کے وہ جان دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اور دعوت جہاد کا نعرہ اور زیادہ بلند ہوا۔ تاہم چھیڑ چھاڑ سے پہلے اُنھون نے سریر آرائے سلطنت واجد علی شاہ کی خدمت مین اس مضمون کی ایک منظوم عرضداشت بھیجی کہ "جناب رسالت مآب صلعم دو چیزین اُمت کے لیے چھوڑ گئے تھے کتاب اللہ اور عترت۔ عترت کا تو میدان کربلا مین وہ حال ہوا۔ قرآن باقی تھا اس کی یہان یہ حالت ہوئی!" یہ عرضداشت لوگون نے ملاحظۂ سلطانی مین پیش ہی نہ کی۔ اور فوجی کارروائیون کے علاوہ اس امر کی کوشش ہوئی تھی کہ مولوی امیر علی صاحب کے خلاف علما سے دستخط کرا کے اس مضمون کے فتوے شایع کرائے جائین کہ یہ جہاد نہین اور جو کوئی اس لڑائی مین مارا جائے گا بحکم بغاوت

بادشاہ اسلام دوزخ مین جائے گا۔ متعدد علمائے اہل سنت سے جن مین مولوی فضل حق صاحب خیرآبادی اور مفتی سعداللہ صاحب کے ایسے گرانمایہ علما بھی شامل تھے بجبر واکراہ فتوے دے دیا کہ " بادشاہ اولوالامر کے حکم کے خلاف جہاد حرام ہے۔ اور جو ایسی جرأت کرے وہ طاغی و باغی ہوگا"۔ لیکن سچ یہ ہے کہ اس موقع پر شیعون کے مجتہد سلطان العلما نے کسی فتوے پر دستخط نہ کئے۔ اور جب حکام کی طرف سے اصرار ہوا تو صاف کہدیا کہ ایک شخص مدتون سے بلے غرض نفسانی رفع توہین اسلام پر کمر باندھی ہے اور تن بمرگ دیا ہے سراسر وہ حق بجانب ہے۔ مین بخوف حاکم خلاف شریعت غرّاے احمدی کیونکر لکھ دون؟ لیکن جو لوگ مولوی امیر علی صاحب کے ہمراہ تھے سب سنی تھے۔ اور اُن پر جو کچھ اثر ہوسکتا تھا صرف علمائے اہل سنت کا ہوسکتا تھا۔ چنانچہ بہت سے لوگ ٹوٹ گئے۔ لیکن چند آزاد اور بےلاگ نفس علما نے چونکہ مولوی صاحب کے موافق فتوے بھی دے دیے تھے اس سے ہزارون نئے آدمی آمادہ جہاد بھی ہوگئے۔

جو لوگ دربار اودھ سے مولوی صاحب کے سمجھانے بجھانے اور تیز روکنے کو بھیجے گئے اُن مین شیخ حسین علی اور تہور خان زیادہ سربرآوردہ تھے اول الذکر صاحب مولوی امیر علی صاحب کے سالے تھے۔ انھون نے جب رنگ بدلا ہوا دیکھا تو ایک دن پگڑی کمر سے قرولی کھول کے مولوی صاحب کے سامنے رکھ دی اور اُن کے قدمون پر سر رکھ کے کہا "آپ مجھے اسی وقت جان سے مار ڈالئے۔ بہت سی آفتون سے بچون گا۔ اور اپنی بہن کو رانڈ نہ دیکھون گا!" مگر مولوی صاحب ایسی باتون کو کب ماننے والے تھے۔ جب اُن پر زور نہ چلا تو شیخ صاحب موصوف لکھنؤ مین آئے اور علی نقی خان سے حالت بیان کی۔ انھون نے کہا "بہ سہولت فتنہ و فساد کو بند کرنا چاہیے۔ اب خوف تزلزل سلطنت ہے اور بنائے مسجد بسہولت وقت مناسب مین ہو جائے گی"۔ ان وعدون کا اعادہ مولوی امیر علی صاحب کے سامنے کیا گیا تو انھون نے سرکار کے ایسے وعدون کا خیال نہ کیا۔

الغرض ۲۶ صفر سنہ ۱۲۷۲ھ روز چہار شنبہ مطابق ۷ نومبر سنہ ۱۸۵۵ء کو مولوی امیر علی صاحب نماز صبح پڑھ کے محمود پور کی طرف بڑھے۔ تقریباً ۲۰۰ آدمی ہمراہ رکاب تھے باقی سب

لوگ متفرق طور پر جدا جدا روانہ ہوے۔ فوج والون کو خبر ہوئی تو توپین نے کے پیچھے پیچھے چلے۔ مولوی صاحب آٹھ کوس کی مسافت طے کر کے حیات گنج مین اُترے اور جانب شمال ایک باغ مین ظہر کے نماز پڑہی۔ اور ارادہ تھا کہ بعد ظہر یہان سے تین کوس جا کے رودلی مین مقام کرین گے۔ سپہ سالار شاہی کرنل بارو نے اپنی کمپنی اور اپنی توپون کو جوار کے کھیت کی آڑ مین سر راہ جما دیا۔ مولوی صاحب کے ہمراہی جب متفرق طور پر رودلی کی طرف بڑہے تو چند تلنگون نے صفون سے آگے بڑہ کے روکا۔ اور خود بارو نے مولوی صاحب سے آ کے کہا "آپ کو عالی حضرت حکم بادشاہ اور شہنشاہے صاحب رزیڈنٹ بہادر آگے جانا مناسب نہین ہے" مولوی صاحب نے جھڑک کے کہا "کافر سامنے سے ہٹ جا ورنہ کوئی مجاہد مار ڈالے گا۔" اس جواب پر بارو گھوڑا بھگا کے اپنی فوج مین آیا۔ اور حکم دیا کہ "اگر آگے بڑہین تو خالی توپین سر کر دو۔" ان توپون کے فیر کے ساتھ ہی مجاہدین پر گولیان برسنے لگین۔ سلسلۂ جنگ شروع ہوا تو ۸۰ مجاہدین جوار کی کھیت سے نکل کے توپ پر جا پڑے۔ توپ بند کر دی۔ اور اگرچہ گولیون کا مینھ برس رہا تھا مگر وہ تلوارین سوت سوت کے شمشیر زنی کا جوہر دکھانے لگے۔ اور خوب لڑے اور اُن کے غول سے نعرہ ہاے "اللہ اکبر" رہ رہ کے بلند ہوتے تھے۔ یہ رنگ دیکھ کے بارو الگ ہٹ گیا۔ اور گلابی پلٹن نے مجاہدین کی پشت کی طرف سے آ کے ایسا حملہ کیا کہ کل مجاہدین کا خاتمہ ہو گیا۔

اس وقت مولوی امیر علی صاحب بار بار یہ شعر پڑہتے تھے۔

مئے حبِ علی در جوش دارم   سر میدان کفن بر دوش دارم

ان مجاہدین کی شہادت کے وقت مولوی صاحب اُسی باغ مین ۱۷ یا ۱۸ آدمیون کے ساتھ سجادے پر مشغول نماز تھے کہ تلنگون نے ایک توپ ماری۔ آم کے درخت کا ایک بڑا ٹہنہ ٹوٹ کے نمازیون پر گرا۔ اور ساتھ ہی تلنگون نے یورش کر کے گولیان مارنا شروع کر دین۔ دوسری طرف سے ضلع گونڈہ کا راجہ شیر بہادر اپنی جمعیت سے آ کے حملہ آور ہوا۔ مولوی صاحب نے تمام ہمراہیون کے ساتھ جام شہادت پیا۔ اور وہ خود سجادے پر روبہ قبلہ گر رہے۔ اور چونکہ دعا کرتے رہے تھے کہ مین کسی مسلمان کے ہاتھ سے مارا جاؤن۔ اس لئے ہندؤن ہی کے ہاتھ سے شربت مرگ

ہلی کے سفر آخرت کیا۔ شیر سنگھ نے مفرور مجاہدین کا تعاقب کیا۔ اور جتنے ملے سب کو چُن چُن کے مارا۔

فوراً بارلو صاحب کو اس فتح عظیم کی خبر کی گئی۔ اور ایک تلنگے نے مولوی صاحب کا سر لا کے پیش کیا۔ جسے شاید شیر سنگھ نے کاٹا تھا۔ بارلو صاحب نے اس سر کو فوراً لکھنؤ بھیجا۔ یہاں جیسے ہی وہ علی نقی خان کے سامنے پیش کیا گیا تو وہ گھبرا کے بول اُٹھے۔ "اسے یہاں کیون لائے ہو۔ کیا لکھنؤ مین بھی کوئی ہنگامہ برپا کرنا چاہتے ہو" پھر حکم دیا کہ صاحب رزیڈنٹ کو ملاحظہ کرا کے واپس لے جاؤ۔ اور دھڑ کے ساتھ دفن کر دو۔ مگر تلنگون کے دل مین بھی اس قدر خوف سمایا ہوا تھا کہ صاحب عالیشان کو ملاحظہ کرایا۔ مگر بجائے دھڑ کی واپس لیجانے کے کہین راستہ ہی مین پھینک دیا۔ اس اندیشہ سے کہ شاید کسی مسلمان کو دیکھ کے غصہ آ جائے اور سر لے جانے والے کو مار ڈالے۔

مجاہدین کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اُن کے غول مین دو عورتین بھی تھین جب مولوی امیر علی صاحب شہید ہو چکے تو ایک عورت بڑھ کے گئی اور چلائی "بارلو کہان ہے" بارلو جو سامنے ہی کھڑا تھا بولا "مین ہون" جواب کے ساتھ ہی عورت نے بایان قدم آگے بڑھا کے تلوار کا ایک ایسا زبردست ہاتھ مارا کہ اگر بارلو پہ پڑ جاتا تو اس کا پتہ نہ لگتا۔ مگر بارلو پھرتی سے پیچھے ہٹا۔ اتفاقاً پیچھے کھیت کی مینڈ تھی قدم جو بیچا پڑا تو چارون شانے چت زمین پہ گرا۔ اِدھر ہاتھ خالی جانے سے عورت کی کلائی اُتر گئی۔ بارلو نے موقع پا کے زمین پر پڑے ہی پڑے تپنچہ فیر کیا۔ گولی اس مجاہدہ کے سینہ پہ پڑی اور وہین گر کے ٹھنڈی ہو گئی۔

دوسرے دن گاؤن والون نے آ کے ان مجاہدین کی خون آلود لاشین دفن کین۔ اور جہان جہان اس واقعہ کی خبر پہونچی علی نقی خان اور نیز فرمان روائے ملک پہ مسلمانون کی زبان طعن و تشنیع دراز کی۔ جن مولویون نے خلاف فتوے دیا تھا اپنے کئے پہ پچھتائے اور عوام کے خوف سے گھر سے قدم باہر نکالتے ڈرتے تھے۔

سچ یہ ہے کہ یہ لوگ اصول جنگ سے ناآشنا اور فوج کے مقابل مین گویا نہتے تھے اگر کوئی بھی اصول حرب کا جاننے والا ساتھ ہوتا تو شاید سلطنت اودھ کو اپنی عزت بچانا مشکل ہو جاتا۔ لیکن اس ناواقفیت پہ بھی جوش و خروش کا یہ عالم تھا کہ ۱۱۳ مجاہدین

شہید ہوئے۔ اور اُن کے مقابل فوج سلطانی کے ۱۲۵ آدمی مارے گئے۔
لوگون کو مولوی صاحب کی تاریخ شہادت کی فکر تھی۔ خود وہی مصرع جسے وہ سرحلقۂ جہادین بار بار زبان سے دوہراتے تھے مادۂ تاریخ ثابت ہوا۔ اور تاریخ ہوئی

شدہ تاریخ از قبل شہادت — سر بسیار ان کفن بر دوش دارم

ایک صاحب نے مصرع "بلغ العلےٰ بکمالہٖ" سے تاریخ نکالی (۱۲۷۲ھ)۔ قصبہ رسولی مین ایک مجذوب تھا۔ لوگون نے اِن مظلوم مقتولون کی نسبت اس سے سوال کیا۔ بولا "وانّہٗ علیٰ ذالک لشہید" غور کیا تو اس آیۂ کریمہ سے بھی پورے سنہ ۱۲۷۲ھ نکلتے ہین۔ اس کے چار ہی مہینے بعد انتزاع سلطنت ہوا۔ اور مملکت اودھ قلمرو برطانیہ مین شامل ہو گئی۔ لوگون نے دیوان حافظ مین فال دیکھی تو یہ شعر نکلا۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را — چندان امان نداد کہ شب را سحر کند

ان تمام باتون سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مسلمانون کی عام پبلک مولوی امیر علی صاحب کے جہاد کی نسبت کیسے خیالات رکھتی تھی۔ اور ان کی شہادت کی وجہ سے سلطنت اور تمام عہدہ داران متعلقہ پر کیسی سخت فرد قرار داد جرم لگادی گئی تھی۔ انہین عہدہ داران سلطنت مین ایک آغائی صاحب بھی تھے۔ جو ابتدا ہی مین اس کی تحقیقات پر مامور ہوئے تھے۔ اور جن سے اس علاقہ کو بہ حیثیت ناظم ہونے کے تعلق تھا۔ چنانچہ مولوی امیر علی صاحب نے جو اپنی منظوم عرضداشت دربار شاہی مین بھیجی تھی انہین خود لکھتے ہین۔

اودھ کا ناظم گمراہ تھا جو آغائی — بچشم دیکھ لیا مومنون کی رسوائی
اسی نے قتل کیا ہے سپاہ غازی کو — اُسی نے گور دکھائی ہر اک نمازی کو

یہان سپاہ غازی سے مراد وہ لوگ ہین جو مسجد کے اندر غلام حسین شاہ کے ساتھ شہید ہوئے تھے۔

مولوی صاحب کے طرفدار اور اکثر اہل سنت اسی بنیاد پر آغائی صاحب کو برا بھلا کہتے ہین۔ مگر ہمین اس واقعہ کو غور و انصاف کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اور اب وہ زمانہ نہین رہا ہے کہ ہم محض ایک متعصبانہ افواہ پر رائے قائم کر لین۔ مولوی امیر علی صاحب جو کچھ فرماتے بجا تھا۔ کیونکہ انہین سابقہ پڑا تھا۔ اور خود ان کی جان معرض خطر

سلسلۂ مشاہیر اسلام

مولانا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شررؔ دام اللہ فیوضہٗ نے کوشش شروع کی ہے کہ جن مشاہیر قوم کے نام ہمارے بچون تک کو یاد ہوا کرتے ہین اُن کی سوانح عمری مرتب کرنے کا ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا جائے کہ ہر ایک کے حالات مین ایک مستقل رسالہ موجود ہو جو تحقیق و تنقید کے ساتھ مدوّن کیا گیا ہو۔ تیمناً و تبرکاً پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی۔ چنانچہ مندرجہ ذیل دو بزرگون کا بہترین تیار موجود ہین

جنید بغدادی

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۱)

حضرت شیخ ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری تعلیمات۔ سفر۔ اور دیگر حالات و کمالات۔ یہ رسالہ بتاتا ہے کہ اسلام نے قرون اولیٰ مین کیسے کیسے حکمائے متالہین اور کس پائے کے اولیاء اللہ پیدا کیے ہین۔ جن حضرات کو سلسلۂ مشائخ صوفیہ مین بیعت ہو اُسے ضرور ملاحظہ فرمائین خوبی عبارت کے علاوہ مضامین کی چھپائی اور لکھائی بھی واضح اور روشن ہے۔ قیمت۔ عہ

ابوبکر شبلیؒ

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۱)

حضرت شیخ ابوبکر دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری۔ تعلیمات۔ سفر۔ اور دیگر حالات و کمالات۔ آپ کا تصوف۔ اور آپ کے روحانی فیوض و برکات حضرت شبلی بڑے جوش و خروش اور جذب و کمال کے ولی اللہ گذرے ہین آپ ہی ہین جنھون نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کر دیا۔ اور اُنکی یہان تک اشاعت کی کہ آج ساری دنیا پر شیوخ باطنی کی حکومت ہے۔ آپ کے حالات سے بھی لوگ بہت ہی کم واقف ہین قیمت عہ

المشتہر۔ محمد فاروق منیجر دلگداز

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے عام تصانیف

	تاریخ	قیمت
۱	جنید بغدادیؒ	عہ
۲	ابوبکر شبلیؒ	عہ
۳	حروب صلیبیہ	عاً
۴	تاریخ سندھ	عہ
۵	خواجہ معین الدین چشتیؒ	۶ر
۶	اسلامی سوانح عمری	۸ر
۷	لارڈ بیکن	۱۲ر
۸	افسانۂ قیس	۳ر
۹	تاریخ بغداد	۲ر
۱۰	ملکہ زنوبیہ	۳ر
۱۱	الحکیم رفاعیہ (جو فلسفۂ اخلاق مین ہے۔)	
	جلدہاے دلگداز	
۱۲	جلد سنہ ۱۸۸۹ء	عہ
۱۳	" سنہ ۱۸۹۰ء	عہ
۱۴	" سنہ ۱۸۹۳ء	۶ر
۱۵	" سنہ ۱۹۰۰ء	عہ
۱۶	" سنہ ۱۹۰۲ء	عہ
۱۷	" سنہ ۱۹۰۵ء	عہ
۱۸	" سنہ ۱۹۰۶ء	عہ

یہ کتابین نہین منشیانہ معجزات ہین آئندہ سے خریدارون کے ساتھ یہ خاص رعایت کیگئی ہے کہ جو صاحب سب کتابین یعنی پوری ۲۹ جلدین یکمشت لین گے انہین مجموعی قیمت کے نصف پر دی جائینگی اور جو کسی ایک قسم کی کتابین یعنی صرف تاریخ یا صرف جلدہاے دلگداز یا صرف ناول خرید فرمائین گے اُن کو ایک تہائی قیمت چھوڑ دی جائیگی۔ جلدی وی پی کی درخواست بھیجیے

	ناول	قیمت
۱۹	یوسف نجمہ کامل	عہ
۲۰	ایام عرب ہر دو جلد	عاً
۲۱	فردوس برین	عہ
۲۲	شوقین ملکہ	عہ
۲۳	ملک العزیز ورجنا	عہ
۲۴	حسن انجلینا	عہ
۲۵	شہید وفا	عہ
۲۶	درگیش نندنی	عہ
۲۷	بدر النسا کی مصیبت	۶ر
۲۸	آغا صادق کی شادی	۱۰ر
۲۹	سیروہ لخ	۸ر

سنہ ۱۹۱۴ء کے شروع مین ہمارے دو ایک جدید ناول تیار ہونگے وہ اس مین اضافہ کر دیے جائینگے اور اس وقت تک ان مین کی بعض کتابین شاید نہ باقی رہین

——۱۰۱——

محمد فاروق منیجر دلگداز حیدرآباد دکن فیلخانہ

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۹ بابت ستمبر جلد ۱۱ بابت ۱۹۰۸ء

بہ ایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

واہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن میں چھپا

دلگداز

رسالہ دلگداز کا دفتر لکھنؤ سے پھر حیدرآباد دکن میں منتقل ہو آیا ہے۔

لہذا تمام مراسلات حیدرآباد دکن کے پتہ پر محمد فاروق منیجر دلگداز کے نام سے ہونی چاہئے۔

سالانہ چندہ والیان ملک رؤسا امرائے عظام سے پچیس روپیہ عہ/ اور لوگوں سے اگر مکمل پرچہ یعنی تینوں اجزائے دلگداز مضامین ناول اور تاریخ لیں تو تین روپیہ کلدار ان میں کوئی دو جز لیں تو دو روپیہ کلدار اور کوئی ایک ہی جز لیں تو عہ/ کلدار۔

علاقہ سرکار عالی میں مکمل پرچہ کا سالانہ چندہ للعہ/ سکہ محبوبیہ۔ دو جز لیں تو پونے تین روپیہ (عہ۲/) سکہ محبوبیہ۔ ایک جز لیں تو ڈیڑھ روپیہ (عہ/) سکہ محبوبیہ

نمونہ کے پرچہ کے لیے ۶ کلدار یا ۸ سکہ محبوبیہ بھیجے جاتیں۔

الملتمس

محمد فاروق منیجر دلگداز فیلخانہ حیدرآباد دکن

علم ریاضی اور مسلمان

تاریخ عالم میں مسلمانوں کی ترقی کا دور بھی ایک عجیب زمانہ ہے۔ اس وقت کی تاریخ پڑھو تو معلوم ہوگا۔ اُن دنوں مسلمان ایک طرف تو تمام دنیا میں مقدس مذہب اسلام کی اشاعت کا عزم کئے ہوئے تھے۔ دوسری طرف اُن کے ہر فرد کے دل میں جملہ علوم کے حصول کی بھی لو لگی ہوئی تھی۔ ان خواہشوں کے ساتھ ہی ملک گیری کا شوق اور رضائے الٰہی کے حاصل کرنے کی تمنا بھی انکا دامن پکڑے ہوئے تھی۔ ان چاروں باتوں نے اس زمانے کی تاریخ کو ایسے عظیم الشان کارناموں کا مخزن بنا دیا کہ اب انکی ترقی و ناموری کا اندازہ کرتے وقت خیال کی آنکھ بھی چوندھیا جاتی ہے۔ افسوس کہ یہ وقت جس قدر زیادہ وجلال اور شان وشوکت سے پُر تھا اسی قدر کم اس کو ثبات حاصل ہوا۔ مسلمانوں نے مذہب سکھایا۔ تمدن میں ترقی کی چین سے ہسپانیہ تک تمام معلومہ دنیا کو فتح کیا۔ اُس زمانے کے مروجہ علوم کو حاصل کرنے اور انکو اعلے درجے کی ترقی پر پہونچانے کے علاوہ کئی جدید علوم اور نئے فن ایجاد کئے۔ اور اُن کو معراج کمال پر پہونچایا۔ مگر جب کاہلی۔ عیاشی اور آرام طلبی کے شکار ہوئے تو سب کچھ ایک دم ہاتھ سے جاتا رہا۔ زمانے نے یہ سب ترقی اور تنزل کے رنگ ایک ہزار برس کے اندر ہی اندر دکھلا دئے۔ اگر دنیا کی ابتدا سے اب تک کے وقت کا خیال کیا جائے تو ہماری ترقی کا زمانہ بجلی کی چمک کی مثال معلوم ہوتا ہے۔ ادھر آیا۔ اُدھر چلا گیا۔ اگرچہ دیگر اقوام کی نسبت ہماری ترقی

حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئی مگر ہمارا زوال اس سے بھی زیادہ تیز رفتار کے ساتھ ہوا اپنے بزرگوں کی صدیوں کی کمائی ہم نے سالوں میں نہیں بلکہ مہینوں میں ملیامیٹ کر دی جب ہم تصور میں اپنی قوم کے عروج کا نقشہ کھینچتے ہیں اور پھر اپنی اس تنزل یا انحطاط کو دیکھتے ہیں تو بے اختیار ہماری زبان سے یہ اشعار نکل جاتے ہیں۔ ؎

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط — دامان باغبان و کف گلفروش ہے
یا صبح دم جو دیکھیے آکر تو بزم میں — نے وہ سرور و سوز نہ جوش و خروش ہے
داغ فراق حسرت شب کی جلی ہوئی — اک شمع رہ گئی ہے سو وہ بھی خموش ہے

عروج تو ہمارا کمال پر پہونچا ہی تھا۔ مگر افسوس زوال اس سے بھی زیادہ انتہائی درجہ پر پہونچا۔ وہ قوم جو کبھی اقوام عالم میں ممتاز تھی آج دوسروں کی ہی نظروں میں ذلیل نہیں بلکہ خود اپنی نظر میں بھی خوار ہے۔ وہ نمایاں کام جو کبھی ہمارے ہی بزرگوں نے انجام دیے تھے آج ہمیں انسانی طاقت سے باہر دکھائی دیتے ہیں۔ اور اگر ہم دیگر اقوام کے افراد کو وہی کام کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں تو یہ کہکر خاموش ہو جاتے ہیں کہ "ان پر خدا کا سایہ ہے [illegible] سے اسباب موجود ہیں" وہ جو چاہیں کر سکتے ہیں" ہمارا ان کی تقلید کرنا تو [illegible] کی مثال تھا وہ علوم جن میں ہمارے بزرگوں نے کمال حاصل کیا تھا آج ہمیں ایسے مشکل نظر آتے ہیں کہ ان کے ابتدائی منازل بھی طے نہیں کر سکتے۔ انہیں میں ایک علم ریاضی بھی ہے کہ جس کو ہمارے اسلاف نے اہل ہند و یونان سے حاصل کرنے کے بعد اس قدر وسعت دی تھی کہ اہل یورپ بھی باوجود سیکڑوں برس کی جد و جہد کے اس سے آگے بہت ہی کم ترقی کر سکے ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ جب ہمارے مرد ہی اس علم کے میدان میں جولانیاں نہ دکھاتے تھے بلکہ مستورات بھی اس میں کمال حاصل کیا کرتی تھیں آج یہ حالت ہے کہ اگرچہ پنجاب میں مسٹر فضل محمد خان سابق پروفیسر مدرسۃ العلوم (علیگڈھ) اس علم ریاضی میں خاص امتیاز حاصل کر چکے ہیں یعنی جس سال انھوں نے ریاضی کا ایم اے کا امتحان دیا تو تمام صوبہ میں اول رہے اور سرکاری وظیفہ پر ولایت تحصیل علم کے لئے بھیجے گئے اور صوبجات متحدہ میں ڈاکٹر ضیاء الدین احمد صاحب نے اس علم میں وہ قابلیت پیدا کی جسکا نہ صرف تمام عالم اسلامی بلکہ یورپ تک

قدر کرتا ہے گو ہم بھی ہمارے عوام یہ خیال کرتے ہیں کہ علم ریاضی سے ہم مسلمانوں کی طبیعتوں
کو مناسبت ہی نہیں ہے کاش یہ لوگ خیال ترک کر کے صفحات تاریخ کی سیر کریں اور
دیکھیں کہ رابعہ کی تقریر ان کو [illegible] علم ریاضی کے [illegible] مسائل کو حل کرنے کے لئے
[illegible] تعمیر کس طرح [illegible] تھا [illegible] ہزاروں کوس کا سفر کر کے سیکھنے
[illegible] تھے [illegible] آپ [illegible] ابھی دکھائیں
[illegible] اسلام نے اس علم کی [illegible] وسعت دی تھی [illegible] علم ریاضی کی موجودہ حالت
[illegible] کوشش [illegible] ہے

مسلمانوں نے پہلے تو علمائے یونان کے [illegible] کھنگالا [illegible] جو ہیرے ان میں
جو جو قیمتی گوہر ہاتھ لگے ان کو [illegible] عالیشان مکان میں قرینے سے سجا دیا
چنانچہ دنیا کے مشہور ریاضی دان اقلیدس [illegible] ابلونیوس ایسے کلیس
نیلیوس وغیرہ جو [illegible] ایجاد [illegible] اور زمانہ کے باعث مدتوں سے گوشۂ
گمنامی میں پڑے ہوئے تھے [illegible] ان کے ناموں کو زندہ کرنے کے
لئے کوئی پیدا ہو [illegible] آخر انہیں [illegible] نے انہیں اپنے دربار علم میں بلا کر دنیا کو
ان کے ناموں سے روشناس کیا یعنی ان کی تحقیقات کو عربیت کا جامہ پہنا کر
[illegible] ریاضی کے [illegible] خلیفہ [illegible] الرشید کے حضور میں پیش کیا جس نے
[illegible] خلعت قبولیت عطا فرما کر شاہی [illegible] (کتبخانہ) میں جگہ دی اور [illegible] نے وہ ان
[illegible] شکریہ کے [illegible] بلکہ سچے قیمتی جواہرات سے بھر دیئے
[illegible] مسلمانوں کو علمائے
یونانی [illegible] نے ان کی ان تمام تصانیف کو [illegible] کے متعلق
[illegible] اپنی علمی زبان کا قیمتی جامہ
[illegible] ان کے خوبصورت چہرہ ان کی زیبائش
[illegible] بالا [illegible] انہوں نے [illegible] کے خیالات کی اس خوبی سے
[illegible] تمام مخطوطات کا [illegible] کر دیا اور سچ تو یہ ہے کہ اگر خود
ارشمیدس بھی اس زمانے میں [illegible] ان تمام تصانیف کی شرحیں لکھنا
چاہتا تو ایسی خوبی سے کبھی نہ لکھ سکتا جیسا کہ [illegible] اسلاف نے انکو لکھا ہے۔

اہل اسلام نے یونانیون کے مردہ علوم کے زندہ کرنے مین جو سرگرمیان دکھائین اس سے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ انھون نے صرف اتنے ہی پر قناعت کی بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ جب انھون نے اس ابتدائی فرض سے فراغت پائی تو خود فکر کی گہرے سمندرون مین ریاضی کے متعلق نئے نئے نکات کے قیمتی گوہرون کی تلاش مین غوطے لگائے۔ اور ان کی ان کوششون کو مَن جَدَّ وَجَدَ "یا جوئندہ یابندہ" کے موافق قدرت نے اکثر دفعہ کامیابی کا تاج بھی پہنایا۔

البتانی جو بلا شبہ عرب کا بطلیموس تھا اس نے علم مثلث یا ٹرگنامیٹری (Trigonometry) مین جو تخیل ریاضی کی ایک پھل دار شاخ ہے۔ مندرجۂ ذیل ایجادین کین۔

(۱) بطلیموس اور اس کے پیرو وترون کا استعمال کرتے تھے مگر اس نے اپنی ذہانت سے نصف وترون کا استعمال کیا۔

(۲) کروی مثلثون کی پیمائش کا بنیادی قاعدہ دریافت کیا۔

(۳) جیب اور تمام جیب یعنی سائن (sine) اور کوسائن (cosine) کی اصطلاحین اختراع کین۔

(۴) ماس یعنی ٹینجنٹ (Tangent) کا استعمال شروع کیا اور اس کو آفتابی ربع دائرون کے حساب مین شامل کر کے اس کا نام ظل ممدود رکھا یہی آج کل خط ماس کہلاتا ہے۔

البتانی کے تقریباً ایک صدی بعد ابن یونس کا زمانہ آیا تو ماس کے استعمال کو اور زیادہ عمومیت حاصل ہوئی۔ ابو الوفا نے بھی اس کا استعمال کیا۔ اس حکیم (ابو الوفا) نے علم مثلث کے متعلق بعض اور خطوط بھی ایجاد کیے۔ جن سے اس نے اس علم ہیئت کے نظری مسائل حل کرنے مین کام لیا ہے جو کرہ کی سطح پر منطبق کیے جاتے ہین۔

ان خطوط کو موجودہ زمانے مین ماس۔ ظل تمام۔ خط قاطع وغیرہ کہتے ہین مگر اس نے انہین ظل تفاضل۔ ظل مستقیم یا عمودی اور قطر الظل کے نامون سے موسوم کیا ہے۔ اسی طرح کروی مثلثون کی پیمائش مین جو چھ قاعدے رائج ہین ان مین پانچوان قاعدہ جابر فلکی المتوفی سنہ ۱۱۵۰ء کی ایجاد ہے۔

چشم تصور میں آج سے نو برس پہلے کے وقت کا نقشہ کھینچو۔ جبکہ دنیا میں گیارھوین صدی مسیحی کا دور دورہ تھا اور اس بھارت ورش کے مشہور شہروں اور پاٹ شالوں کی سیر کرو تو انہیں میں تمہیں ایک دھوتی پوش پنڈت چندن کا ٹیکا لگائے بڑے اطمینان سے آسن بچھائے مالا جپتا ہوا نظر پڑے گا جس کے سامنے ودیارتھیوں کی ایک بڑی جماعت تحصیل علم میں مشغول دکھائی دے گی۔ اس مہاپرش کے چہرے پر غور کرو گے تو اس کے اندر تاتاری خون جوش مارتا معلوم ہوگا اور اس کے چہرے سے نور اسلام کی شعاعیں نکل نکل کر ودیارتھیوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک دیں گی۔ یہ کون ہے؟ وہی غریب الوطن ابو ریحان البیرونی جس کا نام عالم ہیئت اور دنیائے ریاضی میں خاص ادب اور عزت سے لیا جاتا ہے یہ وہ شخص ہے کہ جس نے قدیم عربی علم ریاضی کو ہندی علم ہندسہ کی مدد سے مکمل کر دیا کہ علمائے متاخرین تو صدیاں گزرنے پر بھی اس پر بہت ہی کم اضافہ کر سکتے ہیں۔ اس یورپ کو پیدا ہوئے ایک زمانہ گذر گیا۔ اور عرصے سے علم ریاضی پر انکی خاص توجہ مبذول ہے مگر ریاضی کی جو عظیم الشان دیوار ہمارے جوانمرد بیرونی نے کھڑی کی تھی اس پر علمائے فرنگ ابھی تک ایک دو ردّوں سے زیادہ بڑھانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ علم مثلث میں جو مختلف المقدار زاویوں کی جیبوں اور تمام جیبوں یعنی سائن اور کوسائن کی جدولیں ہیں اگرچہ انکی بنیاد تو اہل اسلام نے بہت پہلے سے ڈالدی تھی مگر ان کو جیبہ تکمیل عطا کرنے کا فخر البیرونی کو حاصل ہے۔ علم جبر و مقابلہ یا الجبرہ کی شاندار عمارت جو قلعہ ریاضی کا بڑا مفید اور مضبوط حصہ ہے اس کا بنیادی پتھر بھی ہمارے ہی اسلاف نے رکھا تھا۔ کچھ شک نہیں کہ انہوں نے اس عمارت کے لئے مصالحہ ہند۔ ایران اور یونان سے اکٹھا کیا مگر چونکہ اس سے پہلے اس علم کی کوئی جداگانہ صورت نہ تھی اور اگر کچھ تھی بھی تو بہت ہی ابتدائی حالت میں تھی۔ جیسا کہ کسی عمارت کے بننے سے پہلے اس کی اینٹیں ذرات خاک ہوتی ہیں اسی طرح جبر کے اصول بھی اس زمانے میں بہت ہی ابتدائی حالت میں مختلف دماغوں میں بکھرے پڑے تھے مسلمانوں نے انہیں بڑی محنت سے اکٹھا کیا اور ان سے نتائج اخذ کر کے اس عظیم الشان علم کی تدوین کی بنا ڈالی۔ اور اپنے زمانہ عروج میں ہی اس کو ایسی حالت پر پہونچا دیا کہ جس پر ان کے جانشین دانایان فرنگ بڑی آسانی سے موجودہ شاندار عمارت کھڑی کر سکے۔ اس علم میں سب سے پہلی تصنیف ابو جعفر محمد بن موسے خوارزمی

کی ہے - اور اس مین فارسیون - یونانیون اور ہندیون کے اصول ریاضی کو اکٹھا کر کے ان سے علم جبر و مقابلہ کا استخراج کیا ہے - اس کے بعد ابو کامل شجاع بن اسلم نے اس علم مین کئی کتابین تحریر کین - جو علمی دنیا مین خاص قدر کی نظر سے دیکھی گئین - اس نے جبر و مقابلہ کی چھ تعدیلون مین ایک نہایت عمدہ کتاب لکھی تھی - علماء اندلس (ہسپانیہ) نے اس کی اس قابل قدر تصنیف کی کئی شرحین لکھین جن مین قرشی کی شرح سب سے بہتر ہے - مسلمانون نے اس علم مین جو جو اضافے کئے ان کی فہرست تو بہت طویل ہے مگر یہان بطور مثال مین صرف ایک پیش کئے دیتا ہون - حکیم ارشمیدس کرہ اور عمود کے مسائل کو الجبرے سے حل کرنے مین ناکام رہا اور آخر اس نے یقین کر لیا کہ یہ مسائل اس علم سے حل ہی نہین ہو سکتے مگر جب ابو جعفر خازن نے انھین مسائل کی تحلیل کا ارادہ کیا تو اس نے مخروطی قطعات کے ذریعہ سے اس گورکھ دھندے کو سلجھا لیا - ابو حنیفہ دینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ ہجری ابو داؤد فاید رخانی ابو العباس سرخسی متوفی سنہ ۲۸۶ھ کی تصانیف متعلق علم جبر و مقابلہ دنیائے ریاضی مین خاص وقعت رکھتے ہین - محمد بن مسعودی نے بھی اس علم پر ایک رسالہ لکھا ہے جو نہایت جامع مفید اور تمام مسئلون پر حاوی ہے - نصیر الدین طوسی کی کتاب استقرا - ابن غلوس ماردینی کا نصاب الجبر ابن علی موصلی کا نصاب المفید - ابن اسلم اور ابن معلی کی جامع الاصول اور ابن یاسمین کا ارجوزہ بھی اسی علم کی قیمتی تصانیف ہین -

اقلیدس کو بھی مسلمانون نے بہت کچھ ترقی دی - بہت سے مسائل نئے نکالے اور بہت سی شکلون کے حل زیادہ آسانی سے کئے - بعض مسائل کو متعدد طرح پر ثابت کیا اور سب سے بڑھکر یہ کہ انھون نے اس کے متعلق اسقدر عمدہ اور کثرت سے تصانیف کین کہ عربی علم ادب کی بارگاہ مین ریاضی کا ایک نہایت رفیع الشان قصر تیار ہو گیا چنانچہ حسن بن ہیثم نے جو کتاب اس علم کے متعلق لکھی ہے اسکی نسبت علماء کا خیال ہے کہ یہ ان کتابون سے ہے جنھین فن ہندسہ کی تکمیل کا فخر حاصل ہے -

علم مساحت پر بھی اہل اسلام نے کچھ کم توجہ مبذول نہین کی - قرون مین جبکہ مسلمانون کا ستارۂ اقبال نصف النہار ترقی پر پہنچا

ان کے مقبوضات تمام معلوم کرۂ ارض پر چھائے ہوئے تھے - اس زمانہ مین حکومت کو سب سے زیادہ آمدنی صرف زمین ہی کے لگان سے ہوا کرتی تھی اس کے علاوہ وہ انتظام مملکت کو قائم رکھنے اور دنیا مین تمدن اسلامی کو اشاعت دینے کے لئے نہین لازمی طور پر اس علم کو خاص اہمیت دینی پڑی اس علم مین انھون نے قابل قدر تصانیف ہی نہین کین بلکہ اس کے اصولون اور قاعدون کا انھون نے عملی طور پر استعمال بھی کیا - بلاشک اس بارے مین ان کی کوششین آفرین کے ساتھ یادگاری کا سہرا حاصل کرتے رہینگی. اور اس علم کی ترقی سے ادارات کے نظم و نسق اور تمدن مین ایک قسم کی نئی روح پڑ گئی - آج جو کچھ اس علم کی روز افزون ترقی کے باعث ملک کے نئے نئے سامان دیکھتے ہو - ان سب کے انتظام کا سلیقہ ہمارے لائق حکمرانون نے ہمارے فاضل اسلاف سے ہی سیکھا ہے - سعدی ہند مولانا حالی سچ فرماتے ہین -

کیا جا کے آباد ہر ملک ویران مہیا کئے سب کی راحت کے سامان
خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیابان انہین کر دیا رشک صحن گلستان

بہار اب جو دنیا مین آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہین کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکین یہ راہین مصفا دو طرفہ برابر درختون کا سایا
نشان جابجا میل و فرسخ کے برپا سر رہ کوئین اور سرائین مہیا

انھین کے ہین سب نے یہ چربے اتارے
اسی قافلے کے نشان ہین یہ سارے

علم ہندسہ کی دیگر شاخون کی طرح مسلمانون نے فن ارباع پر بھی خاص توجہ مبذول کی یہ فن ان مین زیادہ تر دلعزیز اس لئے ہو گیا کہ وقت کے حساب کے لئے پہلے پہلے ان کے پاس اس کے سوا کوئی اور ذریعہ نہ تھا - نوین صدی عیسوی مین اس فن کی پیدائش ہوئی اور اس کو مسلمانون نے دودھ کی بجگہ اپنے قیمتی وقت کا خون اپنے سینہ مین ملا کے پلایا - اور بہت سے مسلمان مردان خدا نے اس فن پر سند و کتابین تصنیف کین - محمد البغدادی نے بارھوین صدی عیسوی کے آسمان علم الہندسہ پر ایک چمکدار ستارہ تھا اس علم کے متعلق ایک رسالہ لکھا اور اس مین اس نے

اشکال کو خط مستقیم کے ذریعہ سے ایسے ٹکڑون مین تقسیم کرنے کے تعدیان سے جو اعداد مفروضہ کے ساتھ تناسب رکھتے ہون۔

مناظر و مرایا (optics) ہیئت (Astronomy) اور قواے آلیہ (میکنکس) جو نیم ریاضی علوم ہین ان مین بھی مسلمانون نے بہت جولانیان دکھائی ہین۔ مناظر مین ابو علی الحسن علی بن منصور قوہینی و محقق طوسی کی تحقیقات بڑے پایہ کی مانی جاتی ہے۔ علی بن عیسی نے بھی اس علم کے متعلق کئی کتابین لکھی ہین جن مین سے ایک مین یہ دکھایا گیا ہے کہ لڑائیون اور محاصرون کے وقت دشمن کی فوج کو گولہ بارود کے بغیر صرف آتشی شیشون کے استعمال سے کس طرح جلا کر خاکستر کر سکتے ہین۔ (Astronomy) علم ہیئت کے متعلق جو جو کچھ مسلمانون نے کیا وہ ایسا نہین ہے کہ اس چھوٹے سے مضمون کے احاطہ مین آ سکتے نیز اردو علمی رسالون اور اخبارون مین اس کے متعلق بہت کچھ لکھا بھی جا چکا ہے اس لئے یہان اس کے تکرار کی ضرورت نہین۔ قواے آلیہ میکینکس (mechanics) کی تحقیقات مین جو مسلمانون نے جگر کاویان کین انکا اگر اندازہ کرنا ہو تو مولانا شبلی کی کتاب "میکینکس اور مسلمان" ملاحظہ فرمائیے۔

اہل اسلام کی علم ریاضی کے متعلق ترقیات اور تحقیقات کا جو بیان اوپر بطور مشتے نمونہ از خروارے ہوا ہے۔ وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ وہ لوگ جو یہ خیال کرتے ہین کہ مسلمان ریاضی کی تحصیل اچھی طرح نہین کر سکتے غلطی پر ہین۔ کیونکہ جن لوگون کا اوپر ذکر ہوا ہے وہ موجودہ زمانے کے مسلمانون سے کہین زیادہ "مسلمان" کہلانے کا استحقاق رکھتے تھے۔ وہ ہم سے بہت زیادہ احکام دین کے پابند تھے وہ اسلام کے سچے پیرو نہین بلکہ جان نثار عاشق تھے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر مسلمانون مین یہ خیال کس طرح پھیل گیا کہ "ہم علم ریاضی نہین پڑھ سکتے" وہ کیون عام طور پر اس علم سے متنفر پائے جاتے ہین؟ اور ہمارے جو بھائی امتحانات یونیورسٹی مین فیل ہو جاتے ہین اُن مین کے اکثر صرف ریاضی مین ہی کمزور ہونے کی وجہ سے کیون ناکام رہتے ہین؟ غور کرنے سے ان تمام سوالات کا جواب یہ ملتا ہے کہ در اصل ہم مسلمانون مین استقلال اور جم کر کام کرنے کی عادت نہین رہی

اور یہی وہ کمی ہے جو ہماری علمی ترقیات مین حارج ہے۔ مسلمان بیچے علم ریاضی سے اسی واسطے بھاگتے ہین کہ انہین استقلال کے ساتھ محنت کرنے کی عادت نہین ہوتی۔ مگر منازل علم ریاضی طے کرنے کے وقت وہ خیال کی گاڑی بجائے ذہانت اور تدبیر کے گھوڑے کھینچتے ہین اسکے دو پہیے یہی محنت اور استقلال ہین اور انہین دو پہیون کی عدم موجودگی یا بوسیدگی کی وجہ سے اس علم کی منزلین طے کرتے وقت ہماری ادراک کی گاڑی یا تو چلتی ہی نہین اور اگر چلتی بھی ہے تو رستے مین ہی رک جاتی ہے۔ اور ایسی رکتی ہے کہ آخر بدل ہوکر ہمین اس رستے سے کنارہ کرنا پڑتا ہے اب اگر یہ پوچھا جاے کہ ہم مین محنت اور استقلال کی عادت کیون نہین؟ تو دیگر احباب چاہے اس کا جواب کچھ ہی دین مگر مین تو ضرور یہی کہونگا کہ یہ عمدہ صفات ہم مین سے صرف اس لیے زائل ہوگئین کہ ہم آج کل مقدس اسلام کے احکام کو انکے اصلی معنون مین سمجھنے اور ان پر عمل کرنیکی کوشش نہین کرتے۔ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو ہمین عاقبت سدھارنے کے ساتھ ہی ہمکو اپنی موجودہ زندگی بھی خوشحال اور باعزت بنانے کے ڈھنگ بتاتا ہے۔ وہ تمام صفات جن کی انسان کو علمی اور تمدنی ترقی کے لیے ضرورت ہے ہم مین تب ہی پیدا ہوسکتی ہین جبکہ ہم اسکے پر از حکمت احکام کی تہ دل سے قدر کرین اور ان پر عمل پیرا ہونے کو اپنا فرض اعلی تصور کرین۔ اسلام کی اس تعلیم پر جو ہمارے کانون کی من گھڑت نہین بلکہ خود خداوند تعالی نے ہمکو سید المرسلین کے ذریعے بصورت قران پہونچائی ہے۔ غور کرو اور دیکھو کہ وہ ہمین کسطرح استقلال سے کام کرنے کی طرف مایل کرتی ہے۔ وہ شخص جو ایک دفعہ اسلام کی موافق فطرت تعلیم کو اچھی طرح سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اور اسکو اپنا دستور العمل بنا لیگا۔ مین کہہ سکتا ہون کہ پھر وہ کبھی کسی مشکل مین نہین گھبرا سکتا اس کا ایمان ہوگا کہ نتیجہ ضرور خداوند کریم کے ساتھ ہے۔ مگر چونکہ وہ متصف اور علیم کل ہے اسلیے اپنے قانون کو کبھی نہین بدلتا۔ اسکا قاعدہ ہے کہ وہ ہر کوشش کو بشرطیکہ صدق دل اور نیک نیتی سے ہو ضرور بارور کرے۔ وہ رحیم ہے اور یہ اسکی صفت رحم کے خلاف ہے کہ اس کا بندہ تو کسی ایسی شئے کے حصول کی خواہش کرے جو اسکے حق مین کسی طرح

مضر نہ ہو بلکہ مفید ہو اور وہ اسے ناکام کرکے اسکی محنت کا خون کرے۔ اسلام کبھی اُس ذات برتر وحقیقی کی شان مین ایسی بدگمانی کی اجازت نہین دیتا وہ تو ہمین ایسے خدا کے وجود کا یقین دلاتا ہے جو اپنے بندون کو نیک اور مفید کامون مین مصروف دیکھکر خوش ہوتا ہے اور اگر ہم کسی بھلے کام کے کرنے کا عزم کرتے ہین تو وہ ہمیشہ ہماری مدد کرتا ہے جو شخص صحیح معنون مین مسلمان تھا خدا کے مندرجہ بالا قانون پر یقین رکھیگا اور اسے اپنے ہر مفید کام مین خدا کی امداد پر پورا پورا بھروسہ ہوگا اسکے دل مین وہ ناکامی کا خیال کبھی دخل نہ پا سکے گا جو بڑے بڑے مستقل مزاجون کو کم ہمت اور بزدل بنا دیتا ہے اور پچھتر فیصدی ناکامیون کا باعث ہوتا ہے خدا پر بھروسہ رکھنے کا عقیدہ ہم سے صرف اس مضر اور پریشان خیال کا استیصال نہ کرے گا۔ بلکہ اسکے ساتھ ہی وہ ہمارے دل مین ایک اطمینان وہ خیال یہ بھی پیدا کرے گا کہ اگر ہم اپنے ضمیر یا قوت تمیز اور عقل سے کام لیکر طلب مقصود کی راہین طے کرینگی تو کامیابی ضرور ہمارے شامل حال ہوگی۔ مقصود تک پہونچنے کے لئے خواہ کیسی ہی کڑی منزل درپیش ہو۔ اگر ہم ایک دفعہ اسکے طے کرنے کا ارادہ ٹھان کر اپنا قدم بڑھا دینگے تو زہرہ جبین بت کامرانی ہمارے ہر نقش پا کو چومنے کے لیے تیار ہوگی۔ کسی اچھے کام کے شروع کرتے وقت حالات کی ظاہری صورت کیسی ہی ڈراونی معلوم ہو مگر جب ہم اسے ایک دفعہ شروع کر دینگے تو سارا بھیانک نظارہ آہستہ آہستہ پردۂ رحمت بنتا چلا جائیگا۔

یہ نتیجہ ہے استغنا اور انجام کی بالآخر حسب مراد ہونے کا یقین ایک ایسی اکسیر ہے جو آناً فاناً ہمارے سست اعضا کو چست اور ذرا ذرا سی ناکامیون سے ٹوٹ جانے والے ارادونکو مستقل اور مستحکم بنا دے گی۔ پھر جب ہم لیس للانسان الا ما سعی پر غور کرینگے اور اس کے معانی کو اپنے روزانہ مشاہدہ کے مطابق پائینگے تو ہمارے دلون مین ایک ایسی روح پیدا ہو جائے گی جو ہمین اپنے [illegible] کے لیے محنت کرنے پر مجبور کردے گی۔ بلکہ اگر مین یہ کہون تو شاید زیادہ درست ہو کہ اس سے ہمارے جسم مین ایک ایسی برقی رو پیدا ہو جائیگی جو ہمیشہ کے لیے ہماری کاروباری مشین کو چالو کر دے گی اور ہمارے ہر فرد کو قومی ترقی کے

کے کارخانے میں پوری تیزی سے کام کرنے والا پرزہ بنا دیگی۔ غرضکہ اگر ہم سب سے پہلے اپنے مذہبی احکام کی غرض وغایت کو سمجھنے کی کوشش کریں اور سمجھنے کے بعد فوراً ان کو اپنا دستورالعمل بنالیں تو پھر کچھ شک نہیں کہ تھوڑی ہی مدت میں ہم میں وہ تمام صفات حمیدہ پیدا ہو جائینگی جو ہمارے اسلاف میں موجود تھیں اور جب یہ ہوگا تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم بھی اپنے بزرگوں کے سے نمایاں کام کرنے لگینگے۔ اور تھوڑے ہی زمانہ میں ہم میں سے بہت سے ابن [illegible] اور البیرونی نظر آنے لگینگے۔ جو سیاسیات و ریاضی میں فرنگی نیوٹنوں کو پچھاڑنے لگینگے۔ نہ صرف یہ بلکہ پھر تو ہم چند علوم مروجہ میں اعلیٰ درجہ کی قابلیتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکینگے اور ہماری قوم جلد ہی زندگی کے ہر شعبہ میں دنیا کی دوسری قوموں سے بڑھ کر ترقی دکھائی دیگی۔

اے خداوند کریم! ہم مسلمانوں کو توفیق عطا کر کہ ہم تیرے بتائے ہوئے پاک احکام پر عمل پیرا ہوں اور اس طرح ایک دن پھر اب سے پہلے کی طرح ان عنایات کے مستحق ثابت کریں جو آج سے ایک ہزار برس پہلے ہم پر مبذول تھیں۔

راقم

خاکسار افسر شاہ پوری

مدرسۃ العلوم مسلمانان علیگڈھ

۲۵ جنوری ۱۹۰۸ء

خیال یار

کتنا باوضع ہے خیال اُسکا بیکسی میں بھی آئے جاتا ہے

بیشک آئے جاتا ہے اور کسی وقت ساتھ نہیں چھوڑتا۔ اس سے زیادہ پابند وضع دنیا میں شاید اور کوئی ہوگا۔ سچ کہدیں ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ اس سے بڑھکر باوفا و باوضع کوئی اور چیز بھی اس عالم میں پیدا کی گئی ہے۔ ہم چاہے جس حالت میں ہوں اور چاہے جو کیفیت ہم پر طاری ہو لیکن ممکن نہیں کہ خیال یار اُسوقت ہمارے پاس نہ ہو اور ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تسلیاں نہ دے رہا ہو۔

یہ خیال یار کی کرشمہ سازی نہیں تو اور کیا ہے کہ ہم درد فرقت سے بیچین ہیں اور کسی پہلو کسی کروٹ قرار نہیں آتا مگر یہ ہی وہ مسیحا نفس ہے کہ فوراً ہمارے پاس

آنا اور اپنا تسلی آمیز ہاتھ ہمارے سینہ پر رکھ کر درد کھو دیتا ہے۔ یادِ جانان کی اس سے زیادہ معجز نمائی اور کیا ہوگی کہ ہم شبِ فرقت مین کسی وعدہ فراموش نازآفرین کا انتظار کرتے کرتے تھک گئے ہین اور اس کے آنے سے بالکل مایوس ہین تو یہ دورا ہوگیا ہے اور ہمارے تغافل شعار مہ جبین کی پرتنویر تصویر مشتاق آنکھون کے سامنے لا کے کھڑی کر دی ہے۔

ہمارے ستم کیش دلربا اور جفاجو کافر ماجرا پر روسیاہ رقیب کو ہر طرح کا اختیار حاصل ہے اور اس کی ذات سے کبھی یہ امید نہین کی جا سکتی کہ ہمارے پری جمال محبوب کو ہم سے اطمینان سے ہم آغوش و ہم صحبت ہوتے کا کوئی خوش گوار موقع دیگا۔ لیکن خیالی دنیا مین آکے وہ بھی مجبور و بے بس ہو جاتا ہے اور اس سے یہ ہرگز نہین ہوسکتا کہ ہماری معشوقۂ حور تمثال کو عالم خیال مین نہ آنے دے۔ اور ہمین دیدارِ یار سے محروم رکھے۔ خیالِ دلدار کی اس سے بڑھ کے کرم گستری و مہربانی اور کیا سمجھی جا سکتی ہے۔

آہ آغوش حقیقی تو کہان ہمکو نصیب ہان تصور مین تجھے کھینچ لیا کرتے ہین

واقعی وہ وقت بڑا ہی پُر لطف و مسرت انگیز ہوتا ہے جب ہم خیالِ یار سے ہم کنار ہوتے ہین۔ پیارا ناز آفرین چہرہ نظر کے سامنے ہوتا ہے اور ہم بڑی بے تکلفی کے ساتھ رخسارِ یار کے بوسے لیا کرتے ہین اُس وقت نہ رقیب کا سا دشمن ہوتا ہے نہ حضرت شیخ کا سا ناصح۔ نہ محتسب ہوتا ہے نہ محل صحبت اور نہ رعبِ حسن ہم پر اپنا مرعوب کرنے والا اثر ڈالتا ہے جس کی عالی پایہ بارگاہ مین اس وقت جتنی اور جیسی جی چاہے گستاخیان کرین سب جائز ہے کوئی پوچھنے والا نہین انہین لطفون مین محو ہو کے اور دنیا و مافیہا کو فراموش کر کے ایک فطرت شناس اردو کا شاعر کہہ اُٹھتا ہے کہ ؎

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کہ رات دن بیٹھے رہین تصورِ جانان کیے ہوئے

رقیب کا اندیشہ بھی صرف ایک دنیوی جھگڑا ہے۔ اصل روک ٹوک مذہب اور دین کی ہے جس سے پروانۂ اقتدارات لے کے شیخ و محتسب آتے اور ہم پر مسلط ہوتے ہین مگر عالمِ خیال مین سچ پوچھیے تو ان بزرگون کا بھی بند نہین چلتا اس لیے

نہین کہ ہمارے دل تک یہ رسائی نہین پاتے بلکہ اس لیے کہ جو گناہ خیال کے حد تک ہو اور ارکان و جوارح تک نہ پہونچا ہو معاف ہے اور اس کے متعلق ہم سے باز پرس نہ کی جائے گی۔ حضرت مسیح کی شریعت نے بیشک حد اعتدال سے گذر کے ہمارے دلون پر پہرے بٹھا دیے تھے۔ مگر اسلام کی برکتون نے ہمین عالم خیال مین آزادیان دی ہین۔ جس کے جلوۂ عیش مین ہم ہر حسین ناز آفرین کو اسطرح چپکے سے بلاتے ہین کہ کسی کو کانون کان خبر نہین ہوتی اور پھر جو چاہتے ہین کرتے ہین۔ کسی کی مجال نہین کہ اعتراض کرے۔

ہان صوفیۂ صافیہ نے صفائے نفس کی ضرورت سے عالم خیال مین ہماری روک تھام کی کوشش کی ہے۔ مگر انہون نے خود حسن پرستی اور کسی کی پیاری صورت کو نردبان خدا پرستی قرار دے دیا ہے لہذا اس دربار سے بھی ہمین پروانہ آزادی مل گیا۔ اب بھلا کس کی مجال ہے کہ کسی خیالی دلچسپی یا خیالی پیکر جانان پر دست درازی کرنے سے ہمین روک سکے۔ برشتہ دل عاشقون کی آرزوئین چاہے عالم خارج مین پوری ہوتی ہون یا نہ ہوتی ہون لیکن اس مین ذرا شک نہین کہ عالم خیال مین آکر یہ ایسی ایسی بیباکانہ گستاخیان کر جاتے ہین کہ مہ وش نازنین گھبرا اُٹھتے ہین اور بے اختیاری و بے بسی کے عالم مین اُن کی زبان سے نکل جاتا ہے "آنکھ بھر کر ہمین دیکھے تو بس اندھا ہو جائے"۔

یہ وہ عالم ہے کہ اس مین دل جلے شیدائون کی کوئی آرزو ایسی نہین جو پوری نہ ہو سکے اور کوئی ارمان ایسا نہین جو نکلنے سے باقی رہ جائے۔

سچ یہ ہے کہ اگر خیال یار ہماری دلدہی و تسلی نہ کرے اور ہمارے پہلو مین ٹہوکے دے دیکے نہ گدگدائے تو ہماری زندگی وبال جان ہو جائے اور فراق کی ناقابل برداشت گھڑیان ہم سے کاٹے نہ کٹین۔ یہ تو یہ ہمین تو صاف نظر آ رہا ہے کہ اگر خیال یار ہمارا مونس و غمگسار نہو تو عرصۂ دنیا ہمارے لیے تنگ ہو جائے اور ہم گھڑی بھر بھی نہ جی سکین۔

عاشق جس امید پر فراق کی نہ کٹنے والی راتین کاٹ لیا کرتے ہین وہ امید خیال یار کی بدولت ہی کاٹ لے جایا کرتے ہین اور نہین درد فرقت مین اگر کسی ہمدرد

سے سکون ہوتا ہے تو اسی خیال یار سے جو شربت دیدار کا گلاس پیش کرکے ان کی تمام کلفتیں دور کر دیتا اور گزری ہوئی تمام تکلیفیں دل سے مثل حرف غلط مٹا دیتا ہے کسی کی ناز آفرین تصویر پیش نظر ہوتے ہی وہ کچھ ایسے بے خبر و مدہوش ہو جاتے ہیں کہ پھر انہیں کسی رنج و الم کا احساس ہی نہیں باقی رہتا بس یہ ہوتے ہیں اور ان کی پریشان و درماندہ طرح طرح کے ارمان ہوتے ہیں اور قسم قسم کی آرزوئیں پھر جوش تمنا سے دریا میں تلاطم پیدا ہوتا ہے اور کبھی رنج پیشہ سے اشارات اور شکوہ کرنے کو خیال بار بار اُن کے دل میں آن کر ہوکے دینے لگتا ہے جس سے وہ مجبور ہو کر اس ایک غریب پرور [illegible] سراپا بنا ہوا نظر کے سامنے کھڑا ہے تصویر سے تکتے ہیں اور گھورتے گھورتے کچھ ایسے متوالے و خود فراموش ہو جاتے ہیں کہ وہ [illegible] ان میں وہ وہ ادا، کرشمے، انداز اور شوخیاں کر بیٹھتے ہیں جو انہیں کبھی میسر نہیں ہوتی تھیں [illegible] غیر مترقبہ مستعدی سے متاثر ہو کے اور اس قدر غیر معمولی کامیابی کے نشہ میں مسرت سے مخمور ہو کر یہ کچھ ایسے محو سراپا حیرت بن جاتے ہیں کہ ان کا ان تصویر کا ان پر دھوکا ہونے لگتا ہے اور کبھی اپنی یہ محویت و عالم حیرت دور نہیں ہونے پاتا کہ وہ سراپا ناز تصویر جس سے ان کی زندگی ہے اور جس پر یہ مرتے ہیں آنکھوں کے سامنے سے ان کی یہ غفلت و بے پروائی دیکھ کر غائب ہو جاتی ہے اور جب یہ کچھ آہٹ پا کر چونکتے ہیں تو نظر فریب چہرے کو کسی طرف نہیں پاتے یہ حالت دیکھتے ہی اُن کا سرور و عالم محویت سب کافور ہو جاتا ہے اور یہ ایک دلدوز آہ کھینچ کر بے اختیاری کے لہجہ میں کہنے لگتے ہیں۔

یہ کس نے عین مزے میں جگا دیا ہم کو
ابھی تھے خواب میں اُن کو گلے لگائے ہوئے

راقم
سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبرآبادی

مفتاح القرآن

بنارس کی آئی سی نرارس اینڈ کو نے قرآن مجید کے تمام الفاظ کی ایک فہرست شائع کی ہے۔ جو دو حصون مین منقسم ہے پہلے حصہ مین کل الفاظ قرآن لغوی ترتیب سے مرتب کر کے ہر ایک کے سامنے بتا دیا ہے کہ وہ کون کون سی سورتون مین ہے اور اس سورت کے کس کس رکوع اور کس کس آیت مین واقع ہے۔ سورۃ کا نام بھی لکھ دیا ہے۔ اور شمار بھی بتایا ہے۔ سورتون رکوعون اور آیتون کا شمار بتایا ہے۔ اور اس تکمیل کے ساتھ کہ اگر کوئی لفظ قرآن پاک مین چار پانچ سو جگہ آیا ہے تو ان سب مقامات کا حوالہ دیا ہے۔ اور انگریزی حرفون مین اس لفظ کا تلفظ بھی بتا دیا ہے۔ دوسرا حصہ قرآن مجید کی فرہنگ ہے جس مین تمام الفاظ کو اوسی لغوی ترتیب سے مرتب کر کے انگریزی اور اردو مین معنی بتا دیے ہین۔ ایسی کوششین اس سے پیشتر بھی کی جا چکی ہین۔ مگر یہ سب سے زیادہ مکمل ہے۔ ہمارے علم مین اس تکمیل کے ساتھ الفاظ قرآنی کے حوالے بتلانے کی پہلی کوشش جرمنی مین کی گئی تھی اور اُس کے بعد یہ دوسری کوشش ہندوستان مین کی گئی ہے۔ لیکن یہ آخری کوشش پہلی سے بڑھی ہوئی ہے جسکی مدد سے ہم باسانی قرآن مجید کی ہر آیت کا پتہ لگا لے سکتے ہین۔ اس سے نفع اوٹھانے والے زیادہ تر مسلمان ہی ہو سکتے ہین مگر افسوس کہ مذکورہ دونون کوششین روشن خیال عیسائیون کے ہاتھ سے عمل مین آئین۔

اچھا ہوتا اگر الفاظ کے ساتھ مضامین کا بھی اشارہ کر دیا جاتا تاکہ ہر لفظ کو جس مضمون کی آیت مین تلاش کرنا ہوتا تلاش کر لیا جاتا اور ہر جگہ دیکھنے کی زحمت سے لوگ بچ جاتے۔ اس قسم کی ایک فہرست مولوی نظام الدین حسن صاحب وکیل ہائیکورٹ لکھنؤ نے کی ہے اور اُن کی کتاب زیر طبع ہے امید ہے کہ وہ کتاب ان دونون مذکورہ کتابون سے زیادہ مکمل ہو۔ مگر جب تک وہ نہین ہے ہم مفتاح القرآن کو ایک تائید غیبی باور کرتے ہین۔ اور نرارس اینڈ کو کے شکرگزار ہین۔

یہ کتاب نہایت عمدہ چکنے ولایتی کاغذ کے بڑے بڑے اخباری ورقون پر بہت واضح اور روشن ٹائپ مین چھپی ہے اور مجلد ملتی ہے جسکی دفتی پر انگریزی سنہرے

حرفون مین نام لکھا ہوا ہے۔ قیمت کمل دونون حصون کی بیس روپیہ کلدار ہے لیکن اگر دونون حصے الگ الگ لیے جائین تو پہلے حصے کی قیمت سولہ روپیہ کلدار اور دوسرے حصے کی آٹھ روپیہ کلدار ہے۔ یورپ والون نے اس کتاب کی بے انتہا قدر کی اور بیسیون جلدین ہفتہ وار جاری ہین۔ اگر مسلمانون کی طرف سے اس کی قدردانی مین کوتاہی ہو تو یقیناً بڑی ناشکری ہوگی۔ جن حضرات کو منگوانا ہو تو لزارس اینڈ کو بنارس، کو لکھ کے ویلیو پے ایبل طلب فرمالین۔

زبان دہلی

اس نام کا ایک نہایت عمدہ اور قیمتی رسالہ جنوری ۱۹۰۸ء سے نکل رہا ہے۔ جس کا مرکز دہلی ہے۔ اور چونکہ زبان اردو کا پہلا منبع و مرکز دہلی کا قلعہ معلی تھا۔ لہذا قلعہ کا خوبصورت اور شاندار پھاٹک لوح پر بنایا گیا ہے۔ اس کے اڈیٹر حضرت مایل دہلوی ہین۔ جن کا مذاق سنجیدہ اور پاکیزہ ہے۔ کیونکہ یہ رسالہ جب سے نکلنا شروع ہوا ہے اُس وقت سے آج تک کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے۔ چھپائی لکھائی کاغذ سب چیزین اعلی درجہ کی ہین ہر پرچہ مین دو ایک تصویرین بھی اعلی درجہ کی مشاہیر ملک کی شایع ہوا کرتی ہین۔ مضامین بھی مشہور روزگار انشا پردازون کے ہوتے ہین خلاصہ یہ کہ سوا اس کے کہ ملک کی قدردانی اس کی پشت پناہی کرے اور کسی بات کی کمی نہین۔ حجم بھی ۴۸ سے ۶۴ صفحون تک رہتا ہے جو کم نہین بلکہ اس کی قیمت ڈھائی (عگا ۸ر) روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک کے دیکھتے بہت زیادہ ہے۔ ہم حضرت مایل کو اُن کی کامیابی پر مبارک باد دیتے ہین۔ اور امید رکھتے ہین کہ وہ اپنی بیش بہا کوشش مین ضرور کامیاب ہون گے۔

مین تھی۔ صرف وہی لوگ نہین جو اُن کے سامنے صف آرا ہوئے تھے بلکہ وہ بھی جو سلطنت مین کوئی عہدہ اور اثر رکھتے تھے اور اُن کی امانت مین کوتاہی اور اُن کی غلطیون سے چشم پوشی کرتے تھے اُنھین دشمن دین و ایمان نظر آتے تھے۔ لیکن اصلیت یہ تھی کہ یہ رزیڈنسی کے زور دینے اور اکثر ہندو طرفداران اودھ کے دربار شاہی پر حاوی ہونے کا نتیجہ تھا۔ آغا علی صاحب اس بارے مین کیا کر سکتے تھے۔ اس بارۂ خاص مین اُن کی اصلی پالیسی کا پتہ اس سے لگ سکتا ہے کہ باوجودیکہ وہ بارہا پہلے دوسرے معرکہ آرائیون کے موقعون پر خود افسر فوج بن کے جایا کرتے تھے مگر اس بارۂ خاص مین اُنھون نے حتی الامکان آپ کو علیحدہ رکھا۔ اور ان مجاہدین کے مقابلہ پر نہین گئے

بارھوان باب

انتزاع سلطنت

سلطنت اودھ کی زندگی کا جام لبریز تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا مولوی امیر علی کی شہادت کے ساتھ ہی چھلک گیا۔ نومبر ۱۸۵۵ء مین یہ واقعہ پیش آیا تھا بمقابلہ سلطنت اوائل نومبر ۱۸۵۵ء مین مولوی امیر علی اور ان کے ساتھی شہید ہوئے تھے اور اس کے کچھ کم تین ماہ بعد یعنی ۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء کو نئے رزیڈنٹ جنرل اُٹرم صاحب داخل لکھنؤ ہوئے۔ اور آنے کے تیسرے دن ایوان شاہی مین آکے اُنھون نے یہ حکم سنا دیا کہ نواب گورنر جنرل بہادر نے معہ صاحبان کورٹ آف ڈائرکٹرس و جناب سکرٹری آف اسٹیٹ یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ملک اودھ آئندہ کے لئے مقبوضات برٹش انڈیا مین شامل کر لیا جائے۔ اور شاہ اودھ کو اس کے معاوضہ مین بارہ لاکھ روپیہ سالانہ مصارف ذات کے لئے اور تین لاکھ روپیہ سالانہ خدم و حشم کے لئے دئیے جایا کرین تاکہ بادشاہ اودھ سلطنت کے جھگڑون سے سبکدوش ہو کے اطمینان و فارغ البالی کے ساتھ عیش و تنعم کی زندگی بسر کرین۔ اس کی خبر جیسے ہی مشہور ہوئی محلات اور شہر مین کہرام پڑ گیا۔ اور عوام نے مشہور کیا کہ جس روز مولوی امیر علی کی شہادت ہوئی ہے اُسی روز گورنر جنرل نے انتزاع سلطنت کا حکم دیا تھا۔

بادشاہ سے جب کوئی تدبیر نہ بن پڑی تو آمادہ ہو گئے کہ انگلستان جا کے ملکۂ معظمہ

وکٹوریہ کے دربار میں فریاد کریں ۔ چنانچہ اسی ارادہ سے ۔ شعر

رخصت ای اہل وطن ہم تو سفر کرتی ہین
در و دیوار پہ حسرت سی نظر کرتی ہین

پڑھتے ہوئے کلکتہ روانہ ہوئے ۔ وہان پہونچ کے خود تو سرکار کی عطا ہوئی ایک کوٹھی مین ٹھہر گئے ۔ اور اپنے بھائی مرزا اسکندر حشمت اپنے ولی عہد اور اپنی والدہ جناب عالیہ کو انگلستان روانہ کر دیا۔

بادشاہ کے جاتے ہی لکھنؤ مین انگریزی انتظام جاری ہوگیا۔ شاہی توپین گروائی گئین ۔ فوج برطرف کر دی گئی۔ عمارات شاہی پہ سرکار انگریزی نے قبضہ کر لیا۔ ہاتھی گھوڑے اونٹ اور دیگر جانور نیلام کر ڈالے گئے۔ اور کوڑیون کے مول فروخت ہوئے۔

لکھنؤ مین جس وقت یہ انقلاب ہوا ہے آغا علی صاحب نصف سے زیادہ قلمرو اودھ کے حاکم تھے اور پرتاب گڈھ مین ڈیرا تھا۔ انتزاع سلطنت کی خبر سنتے ہی پرتاب گڈھ سے روانہ ہو کے حسن پور مین آئے ۔ جو وہان سے ایک منزل تھا ۔ یہان بھی انگریزی ہو جانے کی خبر عوام مین مشہور ہو چکی تھی فوج والون کو جیسے ہی یہ معلوم ہوا تو باوجودیکہ سب کی تنخواہ بیباق تھی آ کے آغا علی صاحب کو گھیر لیا اور کہا " تنخواہ دلوایئے " اُس زمانہ کا یہ معمول تھا کہ فوج والے جب اپنے افسر سے سرکش ہوتے تو تنخواہ ہی کے نام سے روپیہ طلب کرتے عام اس سے کہ واجب الادا ہو یا نہ ہو۔ غرض آغا علی صاحب فوج کے نرغہ مین گھرے ہوئے تھے ۔ اور بے آب و دانہ پڑے تھے کہ خبر آئی اہل فوج نے نظامت اور چکلہ داری اور تحصیل کے خزانون کو لوٹ لیا۔ سلطان پور قریب تھا اور وہان انگریزی فوج کی چھاؤنی تھی۔ جس کے افسر اعلی مسٹر ٹامس نامی ایک نیک نفس یورپین تھے ۔ جب اسی طرح بے آب و دانہ تین دن گزر گئے اور مخلصی کی کوئی صورت نہ نظر آئی تو آغا علی صاحب نے مسٹر ٹامس کو اپنے پاس بلا بھیجا۔ اُن سے تنہائی مین مشورہ کیا۔ اور چونکہ محاصرہ کرنے والون کی تنخواہ بھی مسٹر ٹامس کے ذریعہ سے ادا کی جاتی تھی۔ اس لئے اُن سے پوچھا کہ کیا فوج کی کچھ تنخواہ باقی ہے ؟ اُنھون نے کہا " ایک حبہ بھی نہین باقی۔ اور بالفرض اگر باقی بھی ہے تو ان لوگون سے کوڑی کوڑی وصول کر لے سکتے ہین جنھون نے اب ملک پر قبضہ کیا ہے ۔ سرکار انگریزی ایسی ناانصاف نہین کہ اُن کی چڑھی ہوئی تنخواہ دینے مین تامل کرے "۔ تب ناظم صاحب نے اُن سے کہا

"تو اب میری مخلصی کی کون صورت ہے؟" وہ بولے "خرابی یہ ہے کہ میرے ہمراہ
اس وقت صرف چار پانچ پلٹنین ہین۔ اور بلوہ کرنے والون کی تعداد بیس پچیس ہزار
آدمیون کے قریب ہے۔ اگر مقابلہ کیا تو بڑا کشت و خون ہوگا۔ لیکن خیر مین ایک تدبیر
کرتا ہون۔ آپ ایک انگریزی چٹھی اپنے یہان کی مہر کر کے کسی شتر سوار کو دیجیے اور
کہیے کہ رات کو جا کے مسٹر فرجالہ مین رہے جو یہان سے دس کوس ہے اور صبح کو پہر
رات رہے یہ کہتا ہوا واپس آئے کہ لکھنؤ مین انگریزون نے پھر بادشاہ کو تخت پر
بٹھا دیا۔ اور پھر شاہی دور دورہ قائم ہے" آغائی صاحب نے اس مشورہ پر عمل کیا۔
فوراً سارے علاقہ مین مشہور ہو گیا کہ پھر بادشاہی ہو گئی۔ فوج والے جو آغائی صاحب کو
گھیرے ہوئے تھے یہ خبر سنتے ہی ہراسان ہو ہو کے چل کھڑے ہوئے۔ اور ان کے
بڑے بڑے افسر کیدان وغیرہ آغائی صاحب کے پاس حاضر ہو کے عذر خواہ ہوئے۔
کہ ہمارا اس مین کچھ قصور نہ تھا۔ آغائی صاحب نے کہا "مین جانتا ہون۔ مین سب کو
پہچانتا ہون" اس کے بعد فرمایا "اب میرا ارادہ ہے کہ خیمون مین جا کے مقام کرون۔
کیونکہ مجھے ملک مین بہت پھرتے خیمون مین زندگی بسر کرنے کی عادت ہو گئی ہے"
سب نے کہا "ہمین اس مین کیا عذر ہے۔ آپ کا جہان جی چاہے تشریف لے جائین"
آغائی صاحب ان لوگون کی اجازت پاتے ہی کرمس پر جا کے اپنے خیمہ مین فروکش ہوئے
اور رات ہوتے ہی انگریزی افسرون کو بلا کے کہا "اس وقت تو مکر چل گیا۔ لیکن صبح
کو اس خبر کی تردید ہو گی تو کیا ہوگا؟" یورپین افسران فوج نے اسی وقت ہاتھی منگوائے
آغائی صاحب اور ان کے تینون بھائیون کو ان پر سوار کرا دیا۔ اور خود بھی ہاتھیون پر
سوار ہو کے سلطان پور کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اپنی دو کمپنیون اور دو توپون کو داؤد پور
مین متعین کر کے حکم دیا کہ ہندوستانی فوج اگر تمہارے مقابلہ پر آئے تو ایک ایک فیر
کر کے پیچھے ہٹ آنا۔ باقی یورپین اور باقی ماندہ فوج ان کے پیچھے کھڑی کر دی اور قطعی
حکم دے دیا کہ جس وقت ہندوستانی فوج بڑھے اور اگلی کمپنیان فیر کرنے کے بعد تم
سے آ ملین تو تم پوری طرح مقابلہ کرنا۔
فوج کے متعلق یہ انتظام کر کے آغائی صاحب ان کے بھائی اور یورپین افسرون
نے یہ کیا کہ مشعلچیون وغیرہ کو تو سڑک پر سے روانہ کیا اور خود نالہ اور جنگل اور جھاڑیون مین

گھٹتے ہوئے آگے روانہ ہوئے۔ اُن کی روانگی کے بعد جیسے ہی معلوم ہوا کہ دوبارہ بادشاہی ہوجانے کی خبر غلط تھی تو فوج والے پھر آغائی صاحب کے تعاقب مین چلے دائو د پو۔ دائی کمپنیان فیر کر کے پیچھے ہٹین اور انگریزی فوج سے مقابلہ ہوا۔ اس مقابلہ مین ایک گولہ محمد زمان خان رسالدار کے گھوڑے کے لگا۔ اور تمام باغی فوج بھاگ کھڑی ہوئی۔ ناظم صاحب بحفاظت چھائونی مین پہونچ گئے۔ اور یوروپین افسرون کی حفاظت مین رہنے لگے۔

تیسرے دن گولڈن صاحب جو سلطان پور کے کمشنر مقرر ہوئے تھے پہونچے۔ اور بلوہ کا حال سنا تو ہندوستانی فوج کے افسران کو اپنے سامنے بلوایا اور کمید ان رسالدار جو سامنے آیا اُس کی خوب مرمت کی۔ اور حکم دیا کہ ابھی رخت یہان سے نکل جاؤ۔ اس کے بعد بخشی نے حسابات پیش کئے تو کل تنخواہ بیباق تھی۔ خلاصہ یہ کہ سرکش فوج والے ایک ایک کر کے سب چل دئے۔ ناظم صاحب چھاونی ہی مین مقیم رہے۔ اور علاقہ کا انگریزی انتظام ہونے لگا۔

اس واقعہ کے دو ہفتہ بعد آغائی صاحب حسب الطلب گورنمنٹ برطانیہ لکھنؤ مین آئے۔ اور حساب فہمی کے لئے اُن سے "اڑھائی لاکھ" روپیہ کی ضمانت طلب ہوئی۔ ضمانت داخل کر دی گئی۔ اور جب حساب فہمی شروع ہوئی تو بجائے اس کے کہ آغائی صاحب کے ذمہ کوئی سرکاری رقم باقی نکلے خود اُن کا تین لاکھ بیالیس ہزار روپیہ سرکار کے ذمہ واجب الادا نکلا۔ اس لئے کہ وہ چار پانچ مہینے پہلے ہی سرکار شاہی مین ایک برس چار مہینہ کا حساب داخل کر کے سند بیباقی حاصل کر چکے تھے۔ فقط ساڑھے چار مہینے جو اُس کے بعد گزرے اُن کا حساب باقی تھا اُس کے سمجھنے کے لئے سرکار انگریزی کی طرف سے لالہ بیجناتھ نام ایک شخص مقرر ہوئے۔ کروندیا واقع سلطان پور مین آغائی صاحب نے ایک پر فضا بنگلہ بنوایا تھا اسی مین جا کے اُنھون نے قیام کیا اور وہین حساب فہمی ہونے لگی۔ اس کی تنقیح و تدقیق اور کامل حساب فہمی کے بعد جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہین آغائی صاحب کے تین لاکھ بیالیس ہزار روپیہ سلطنت پر فاضل ثابت ہوئے۔ گولڈن صاحب کمشنر سلطان پور نے اس کی بابت ایک تحریر لکھ دی جس مین صریح الفاظ مین وعدہ کیا تھا کہ پندرہ روز کے بعد یہ رقم جو سرکار

سے کے ذمہ واجب الادا ہے دلادی جائے گی۔ لیکن اس تحریر کے آٹھویں دن غدر ہوگیا۔ اور زرمذکورہ کی وصولیابی کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔

تیرھوان باب

۱۸۵۷ء کا غدر

ہندوستان کی حکومت برطانیہ کی تاریخ مین غدر ایک بڑا اہم واقعہ ہے جس نے ثابت کر دیا کہ ہندوستان کو اس آسانی سے قبضہ نہ کر لینا چاہیے تھا جس طرح کہ انگریزون نے اسے اپنے قبضہ مین کیا۔ اس کی ابتدا تو ایک معمولی قسم کی فوجی ناراضی سے ہوئی۔ مگر اس کے ساتھ ہی قومون کی تمام دبی ہوئی ناگواریون اور ناراضیون کا جوش اُبھر پڑا۔ اور انگریزون کے حق مین ایک نہایت کبریٰ بپا ہوگئی۔

سلطان پور مین اُس کا آغاز یون ہوا کہ بنارس کی ایک باغی فوج قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم کرتی ہوئی یہان آپہونچی۔ جس صبح کو صبح قیامت کا سمان نظر آنے والا تھا۔ اُس کی رات ہی کو اتفاقاً آغا علی صاحب کو خبر ہوگئی۔ جہاندیدہ اور ہوشیار آدمی تھے۔ زمانہ دیکھے ہوئے تھے۔ سنتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور راتون رات گومتی سے پار ہو کے ایک بنئیے کے مکان مین چھپ رہے۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی اُس فوج نے تمام انگریزون کو قتل کیا۔ بنگلے پھونک دئیے۔ اور لوٹ مار کرتی ہوئی ناظم صاحب کے بنگلہ پر پہونچی۔ اور پوچھا۔ آغا علی صاحب کہان ہین؟ ان کے پرانے ملازم پنڈت ہرپرشاد اور بادل خدمتگار نے جو بنگلہ مین موجود تھے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ اس پر برکات احمد رسالدار نے بگڑ کے کہا "وہ جاتے کہان ہین؟ جہان جائین گے پکڑے جائین گے۔ اور ہم اُن سے چار لاکھ روپیہ وصول کر ہین گے۔" شام تک بلوائیون کا نرغہ رہا۔ اور ہر طرف لوٹ مار ہوتی رہی۔ خود سلطان پور کی فوج نے ان بنارس کے باغیون کو بلایا تھا۔ دونون نے ساتھ مل کے قتل و غارت مین کوئی دقیقہ نہین اُٹھا رکھا۔ اور انہین سلطان پور والون کی رہنمائی سے وہ آغا علی صاحب کے گھر پر آئے ہوئے تھے۔ اور کچھ زور نہ چلا تو پنڈت ہرپرشاد کو پکڑ لے گئے۔ اور انہین سیکڑون گالیان دیتے تھے۔ جب یون ڈرانے دھمکانے سے کام نہ چلا تو پنڈت جی

سے کہا "تم اگر نوکری کرو تو ہم تمھین سو روپیہ ماہوار تنخواہ دین گے"۔ مگر وہ بھلا کب ایسے فقرون مین آنے والے تھے۔ یہی کہا کہ "مجھے خبر نہین آغائی صاحب کہان ہین۔ اور نہ اُن کے روپیہ کے متعلق مجھے کچھ اطلاع ہے"۔

اب ان لوگون کو صرف آغائی صاحب کا پتہ لگانے کی فکر تھی۔ رات کو عاشق علی ہو رہے مگر صبح کو تجویز تھی کہ جہان سے بنے گا اُن کا پتہ لگایا جائے گا۔ آغائی صاحب کو جب ان لوگون کے ارادے کی خبر ہوئی تو اُسی وقت رات کو سوار ہو کے خود تو مسافرخانے کا رخ کیا اور تینون بھائیون کو کردا کے راستہ سے ردولی بھیج دیا۔ جب مسافرخانے پہونچے ہین تو پچیس تیس آدمی ان کے ہمراہ تھے۔ یہان پہونچ کے آرام نہین لینے پائے تھے کہ ہرکارے نے خبر دی فوج آپ کی تلاش مین چلی آ رہی ہے۔ فوراً اُٹھ کے آگے کی راہ لی۔ اور دریا پار ہو کے رسولی مین راجہ باقر علیخان کے وہان پہونچے۔ یہان لوگ ہزار روکتے رہے مگر ایک نہ سنی اور بھاگ کے دیوگاؤن پہونچے۔ لوگون نے یہان بھی اطمینان دلا کے روکنا چاہا مگر اُنھون نے یہان بھی قیام نہ کیا۔ آگے کی طرف بڑھ ہی رہے تھے کہ مخبر نے خبر دی فوج بڑھتی چلی آتی ہے۔ فوراً لپک کے ستھن مین ہو رہے۔ یہان اُسی شب کو میر بندہ حسین کی بیٹی کی شادی اُن کے بھتیجے میر راحت حسین کے ساتھ ہونے والی تھی۔ خسر اور داماد دونون آغائی صاحب کے وقت کے ماتحتون مین تھے۔ خصوصاً دولھا [illegible] کے تحصیلدار تھے۔ ان لوگون کے اصرار سے آغائی صاحب شرکت عقد کے لئے فروکش ہو گئے۔ مگر رات گزرنے نہین پائی تھی کہ ہرکارے نے آ کے عرض کیا کہ "ماتی بڑھتے چلے آتے ہین"۔ یہ وحشت ناک خبر سنتے ہی یہان سے بھی روانہ ہو کے ردولی مین ہو رہے۔ فوج والے جب ستھن مین پہونچے اور سنا کہ آغائی صاحب ابھی یہان موجود تھے اُن لوگون کی آمد سن کے چلے گئے تو اُنھون نے میر بندہ حسین کو پکڑ کے تین ہزار روپیہ نقد اُن سے وصول کر لئے۔ اور اُن کا ایک ہاتھی بھی چھین لیا۔ ناظم صاحب کا ایک ہاتھی پیچھے رہ گیا تھا اُس کو بھی ان لوگون نے پکڑ لیا۔

اس مقام سے یہ لوگ سلطان پور پلٹ گئے۔ اور کہتے گئے کہ یہان سے

لکھنؤ تک جہان آغائی صاحب ملیں گے ہم اُن کو باز لیں گے۔ لیکن آغائی صاحب کی کسی سے گرد بھی نہ پائی۔ ردولی سے آغائی صاحب فیض آباد گئے۔ اور جب باغی فیض آباد پہونچے تو آغائی صاحب مبارکپور جا چکے تھے۔ خلاصہ یہ کہ سارے زمانۂ غدر میں یونہیں جان چھپاتے اور دفع الوقتی کرتے گزری یہان تک کہ سرکار انگلیشیہ کا تسلط ہونے لگا اور آغائی صاحب کو ایک جگہ قرار پکڑنے اور دم لینے کی مہلت ملی۔ مگر اس نازک زمانہ میں انھیں اپنی جان بچانے کا موقع صرف اس وجہ سے ملا کہ اپنے آدمیون کو ہمیشہ خوش رکھا تھا۔ بے وفائی کا خیال کسی کے دل میں بھی نہ گزرا۔ اور سب آخر تک جان نثاری کرنے پر تیار رہے۔ ہر ملازم اور وابستۂ دامن اپنی جان کو خطرے میں ڈال کے دوڑتا ہوا آتا تھا۔ اور خبر کر دیتا تھا کہ باغی آرہے ہیں جلدی بھاگیے۔

بہر تقدیر باغیون اور بلوائیون کی دست بُرد سے اُنھیں اپنی حکمت عملی تجربہ کاری اور ہوشیاری کی بدولت نجات مل گئی۔ اور ہر مقام پر اُن کے وفادار و جان نثار ملازمون اور ہرکارون نے ایسی صحیح خبرین دین اور اُن کا پتہ باغیون سے اس طرح مخفی رکھا کہ کوئی بال بیکا نہ کر سکا۔ مگر اب سرکار کا عمل ہو جانے اور باغیون کے مغلوب و مقہور ہونے کے ایک دوسری مصیبت اُن کے سر پر آپڑی۔ وہ یہ ہے کہ بعض حکام انگریزی نے اُن کا نام باغیون اور انگریزون کے دشمنون کی فہرست میں درج کر دیا۔ اور اُن پر بدگمانی کی گئی۔ یہ ایسا نازک زمانہ تھا کہ ایکطرف تو مارشل لا جاری تھا۔ دوسری طرف انگریزون کے دل میں اپنے صدہا ہزارہا عزیزون اور دوستون کے قتل ہونے کے باعث ہندوستانیون کی طرف سے اس قدر غصہ بھرا ہوا تھا کہ ادنی بدگمانی پر جان کے درپے ہو جاتے تھے۔ اور کوئی عذر مشکل سنا جاتا تھا۔ شہادت اور گواہی کا فراہم کرنا نہایت ہی دشوار تھا۔ اس لئے کہ ہر ایک کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اور جو تھا کسی کونے میں دبکا بیٹھا تھا۔ ایسے نازک زمانہ میں حکام وقت کا بدگمان ہو جانا قضائے مُبرم کا سر پر آجانا تھا۔ مگر آغائی صاحب نے نہایت تحمل و بردباری اور صبر و سکون سے کام لیا۔ ہمیں اس امر کا پتہ بالکل نہیں لگ سکا کہ اس موقع پر آغائی صاحب نے کیا تدابیر اختیار کیں۔

کئی یورپین افسرون کو اپنے موافق بنایا مگر ان کے خطوط کے غیر مرتب ذخیرے مین ہمین ایک خط ملا جس مین دستخط پڑھے جا سکے ورنہ سنہ معلوم ہو سکتا ہے۔ ہان ۱۸ جولائی کی تاریخ ضرور ہے۔ سلطانپور کے کسی حاکم کا لکھا ہوا اور مسٹر کیمبل جوڈیشل کمشنر لکھنؤ کے نام بھیجا ہوا ہے جن کے اجلاس سے اس قسم کے مقدمات کا آخری تصفیہ ہوتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہین۔

ڈیر کیمبل۔ مین آغائی صاحب اور ان کی استدعا کے موافق یہ نوشتہ دیتا ہون اب مین نے ان سے کہہ دیا ہے کہ ان کو لکھنؤ واپس جانے کی کامل آزادی حاصل ہے۔ مین نے ان کا اظہار لیا اور امید کرتا ہون کہ وہ قاتلون کی سراغ رسانی مین مدد دین گے۔

اس سے اتنا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سلطانپور کا حاکم جو ان کے چال چلن کا سچا اندازہ کر سکتا تھا وہ ان کے موافق تھا اور اسی کے اطمینان ظاہر کرنے پر آغائی صاحب کو برائت حاصل ہوئی۔ چنانچہ مسٹر کیمبل صاحب جوڈیشل کمشنر بہادر نے ۱۸ اکتوبر ۱۸۵۸ع کو اپنی چٹھی نمبری ۲۲۷ کے ذریعہ سے مسٹر فورسائتھ سکرٹری چیف کمشنر بہادر ملک اودہ کو یہ مژدہ لکھ بھیجا کہ "اشخاص مندرجہ حاشیہ (جن مین پہلے ہی آغائی صاحب کا نام ہے۔) کے چال چلن کی کیفیت صدور احکام کے لیے روانہ کرتے وقت مین یہ بیان کرنے کی استدعا کرتا ہون کہ چونکہ یہ اشخاص فی الحقیقت باغیون کی کوششون مین فعلی شرکت سے علیحدہ رہے اور باور کیا گیا ہے کہ ان کو سخت نقصان پہونچا لہذا مین ان کو جرمانہ اور کمتری پنیشن سے بری کرتا ہون باستثنائے معمولی محصول گھر دارہ ٹکس کے۔ امید ہے کہ صاحب چیف کمشنر بہادر بھی میری اس رائے سے اتفاق فرمائین گے۔"

اس کا جواب فورسائتھ کی طرف سے چٹھی نمبر ۱۱۲۶ مورخہ ۲۴ اکتوبر ۱۸۵۸ع کی صورت مین یہ گیا۔ "جناب من۔ مجکو ہدایت ہوئی ہے کہ آپ کی چٹھی نمبری ۲۲۷ مورخہ ۱۸ ماہ حال کی رسید دون اور اس کے جواب مین آپ کو اطلاع دون کہ جو صورت بیان کی گئی ہے اس مین چیف کمشنر بہادر آپ کی تجویز کے موافق منظور فرماتے ہین کہ آغائی صاحب (وغیرہ) جرمانہ یا کمتری پنشن سے بری کیے جائین۔

سلسلۂ مشاہیر اسلام

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر ادام اللہ فیوضہ نے کوشش شروع کی ہے کہ جن مشاہیر قوم کے نام ہمارے بچوں تک کو یاد ہوا کرتے ہیں انکی سوانح عمری مرتب کر کے ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا جائے کہ ہر ایک کے حالات میں ایک مستقل رسالہ موجود ہو جو تحقیق و تنقید کے ساتھ مدون کیا گیا ہو۔ تیمناً و تبرکاً پہلے مشائخ صوفیہ کی طرف توجہ کی گئی ہے چنانچہ مندرجہ ذیل دو بزرگوں کی سیرتیں تیار ہو چکی ہیں

جنید بغدادی

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۱)

حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری۔ تعلیمات۔ سفر اور دیگر حالات و کمالات۔ یہ رسالہ بتاتا ہے کہ اسلام نے قرون اولیٰ میں کیسے کیسے حکمائے متالہین اور کس پایہ کے اولیاء اللہ پیدا کئے ہیں۔ جن حضرات کو سلسلہ مشائخ صوفیہ میں بیعت ہو اسے ضرور ملاحظہ فرمائیں خوبی عبارت کے علاوہ مضامین عمدہ چھپائی اور لکھائی بھی واضح اور روشن ہے۔ قیمت ۔ عہ

ابوبکر شبلی رح

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۲)

حضرت شیخ ابوبکر دلف بن جحدر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری۔ تعلیمات۔ سفر اور جملہ حالات و کمالات۔ آپ کا تصوف۔ اور آپکے روحانی فیوض و برکات حضرت شبلی بڑے جوش و خروش اور جذب و کمال کے ولی اللہ گذرے ہیں آپ ہی ہیں جنھوں نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کر دیا۔ اور ان کی یہانتک اشاعت کی کہ آج ساری دنیا پر شیوخ باطنی کی حکومت ہے آپکے حالات سے بھی لوگ بہت کم واقف ہیں قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

المشتہر محمد فاروق منیجر دلگداز

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے جملہ تصانیف

تاریخ

۱	جنید بغدادیؒ	صہ/
۲	ابوبکر شبلیؒ	عہ/
۳	حروب صلیبیہ	۵
۴	تاریخ سندھ	عہ/
۵	خواجہ معین الدین چشتیؒ	۶/
۶	ملائی سوانح عمری	۸/
۷	لارڈ بیکن	۱۲/
۸	افسانۂ قیس	۳/
۹	تاریخ بغداد	۶/
۱۰	ملکہ زنوبیہ	۳/
۱۱	الحکم ثانیہ (جو فلسفۂ اخلاق میں ہے)	۴/

جلدہائے دلگداز

۱۲	جلد ۱۸۸۹ء	عہ/
۱۳	۱۸۹۰ء	عہ/
۱۴	۱۸۹۳ء	عہ/
۱۵	۱۹۰۰ء	عہ/
۱۶	۱۹۰۲ء	عہ/
۱۷	۱۹۰۵ء	عہ/
۱۸	۱۹۰۶ء	عہ/

ناول

۱۹	یوسف و نجمہ کامل	عہ/
۲۰	ایام عرب ہر دو جلد	عہ/
۲۱	فردوس بریں	عہ/
۲۲	شوقین ملکہ	عہ/
۲۳	ملک العزیز ورجنا	عہ/
۲۴	حسن انجلینا	عہ/
۲۵	شہید وفا	عہ/
۲۶	دلگیش نندی	۳/
۲۷	بدر النسا کی مصیبت	۶/
۲۸	آغا صادق کی شادی	۱۰/
۲۹	میوۂ تلخ	۸/

سنہ ۱۹۰۹ء کے شروع میں ہمارے دو ایک جدید ناول تیار ہونگے وہ اس میں اضافہ کر دئے جائینگے اور اس وقت تک ان میں سے بعض کتابیں شاید نہ باقی رہیں۔

محمد فاروق مہتمم دلگداز حیدرآباد دکن فیلخانہ

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱ بابت اکتوبر　　جلد ۱۱ بابت سنہ ۱۹۰۸ء

بہ ایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

واہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن میں چھپا

دلگداز

رسالۂ دلگداز کا دفتر لکھنؤ سے پھر حیدرآباد دکن میں منتقل ہو آیا ہے۔ لہذا جملہ مراسلت حیدرآباد دکن کے پتہ پر محمد فاروق منیجر دلگداز کے نام سے ہونی چاہئے۔

سالانہ چندہ والیان ملک رؤسا و امراے عظام سے پچیس روپیہ عام لوگوں سے اگر مکمل پرچہ یعنی تینوں اجزاے دلگداز مضامین ناول اور تاریخ لیں تو تین روپیہ کلدار اور اگر کوئی دو جز لیں تو دو روپیہ کلدار اور کوئی ایک ہی جز لیں تو عہ کلدار۔

علاقہ سرکار عالی میں مکمل پرچہ کا سالانہ چندہ للعہ سکۂ محبوبیہ۔ دو جز لیں تو پونے تین روپیہ (۲؎) سکۂ محبوبیہ۔ ایک جز لیں تو ڈیڑھ روپیہ (عہ) سکۂ محبوبیہ۔ نمونہ کے پرچہ کے لیے ۸ کلدار یا ۹ سکۂ محبوبیہ بھیجے جائیں۔

الملتمس

محمد فاروق منیجر دلگداز فیلخانہ حیدرآباد دکن

موسیٰ ندی! موسیٰ ندی!!

موسیٰ ندی! موسیٰ ندی!! تو نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا نام اختیار کیا ہے۔ اور تیری پڑوسن عیسیٰ ندی نے جو حیدرآباد سے دو ہی ڈھائی میل پر تجھ سے آگے ہم آغوش ہو گئی ہے حضرت عیسیٰ کا نام۔ حیدرآباد نے تم دونوں کے پڑوس میں جیسی جیسی ترقیاں دکھائیں۔ اور اعلیٰحضرت سریر آرائے دکن کے دار السلطنت میں جیسی شان و شوکت نمودار ہوئی اُس سے ہم کو یقین آ گیا تھا کہ تم دونوں سے ید بیضا کا معجزہ بھی نمایاں ہو رہا ہے اور احیاے موتے کا بھی۔

ہم تیری سطح پر آفتاب کی کرنوں کو کسی کی پُر افشان پیشانی کی طرح چمکتے دیکھتے تو اُسے ید بیضا تصور کر لیتے۔ اور ہر مرتبہ جب ہم اپنے تاجدار گردون مدار کی فیاضی سے کسی کو نہال ہوتے دیکھتے تو اُسے احیاے موتے کا معجزہ سمجھتے۔

مگر موسیٰ ندی! موسیٰ ندی!! ہمیں تیری معجز نمائی کے اِس پہلو کا خیال ہی نہ تھا۔ کہ تو ید بیضا کے بجائے حضرت موسیٰ کا عصا بھی بن سکتی ہے۔ عصاے موسیٰ کی شان دکھاتی تھی تو کاش یہ شانِ رحمت دکھائی ہوتی کہ "فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا" (جاری ہوئے اُس سے بارہ چشمے) تجھ سے دس بارہ ندیاں جدا جدا جاری ہو جاتیں اُن سے سرکار عالی کا ملک پہلے سے زیادہ آباد ہوتا۔ اور رعایا کی مرفہ الحالی ترقی کرتی۔ لیکن موسیٰ ندی! تجھ سے تو عجب شان قہاری ظاہر

ہوتی تو ایک آنًا فانًا بن عصائے موسیٰ سے وہ عظیم الشان اژدہا بن گئی جو دم بھر میں مصر کی ہزارہا خلقت کو نگل گیا تھا۔ جس نے ایک چشم زدن میں مصر کی سرزمین صاف کر دی تھی۔ افسوس اے موسیٰ ندی! ہمیں تجھ سے ایسی امید نہ تھی۔

عصائے موسیٰ کا ایک معجزہ یہ بھی تھا کہ سمندر میں راستے ہو گئے۔ پانی جہاں تھا دیوار کی طرح وہیں ٹھہر گیا۔ ہمارے زمانے کے آتش پاروں کی طرح اُس میں جھریاں بن گئیں۔ اور بنی اسرائیل کے بارہ سبط بارہ راستوں سے ایک کو دیکھتے بھالتے اطمینان و فارغ البالی سے پار چلے گئے۔ اور ایک معجزہ یہ تھا کہ فرعون کے لشکر نے جیسے ہی اُس دریا کی راستہ میں قدم رکھا پانی جوش و خروش کے ساتھ ابل پڑا۔ سمندر قہاری کی شان سے اُبلنے لگا۔ قیامت کا تلاطم نمودار ہوا۔ اور دم بھر میں اُس لشکر کا پتہ نہ تھا کہ کیا ہوا اور کہاں گیا۔ زمین کھا گئی یا آسمان کھا گیا۔

بیشک ہم گنہگار ہیں۔ سر سے پاؤں تک معاصی میں ڈوبے ہوئے ہیں ہمارا بال بال گناہوں سے گندھا ہوا ہے۔ مگر موسیٰ ندی! ہم سب خدا پرست ہیں۔ ہمارے مشرک بھی درحقیقت موحد ہیں۔ ہمارے کفار بھی اُس ذات وحدہٗ لاشریک کے منکر نہیں۔ پھر ہمارے ساتھ تجھے ایسا سلوک نہ کرنا چاہیے تھا۔ ہم پر یہ جوش غضب ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہمارے ظل اللہ ایدہٗ کہ سچے خدا پرست اور خدا کے برحق دین کے حامی و مربی ہیں۔ ہمارے مدار المہام تصوف کے رنگ میں رنگے ہوئے اور دریائے وحدت و معرفت میں غرق ہیں۔ ایسے نیک لوگوں اور ایسی خدا پرست آبادی کے ساتھ وہ سلوک جو کبھی فرعون اور اُس کے لشکر کے ساتھ کیا گیا تھا! موسیٰ ندی! انصاف یہ ہے کہ تیرا یہ جوش بے محل اور تیرا یہ غیظ و غضب بے موقع تھا۔ ہم سیہ کار سہی مگر اتنے بدتر بھی نہ تھے کہ تو ہمارے حق میں عصائے موسیٰ کی شان قہاری دکھانے کے لئے خلقت کو نگل جانے والا اژدہا بن جائے۔

موسیٰ ندی! موسیٰ ندی! تیرے اس سیلاب کو کوئی طوفان نوح سے تشبیہ دیتا ہے اور کوئی سیل عرم بتاتا ہے۔ ہو۔ مگر ان دونوں تاریخی واقعات کی ہولناک

[illegible] ندامت کے پردے میں چھپ گئے۔ اور ان کے جگر [illegible] شرمندہ [illegible] آتشین لاوے کا [illegible] معلوم ہوتا ہے [illegible] اچھالیہ [illegible] آتشین [illegible] [illegible] ڈبو دیا۔

مگر پومپیائی کے غریق شہر آج دو ہزار برس کے بعد نکل [illegible] اُنھیں اپنے دامن کے نیچے محفوظ رکھا جنھیں آج کل کی زندہ [illegible] اس عبرت ناک سیلاب کی یادگار سمجھ کے دیکھتی ہے۔ ان کی حالت دیکھنے کے لیے لوگ دور دور سے سفر کر کے آتے ہیں۔ مگر موسی ندی! تو تو بتا [illegible] کہ وہ کہاں گئی؟ اور اُنھیں کہاں رکھا ہے؟ [illegible] اور لطف صحبت اُٹھانے کے لئے نہیں تو ان کی حسرت ناک [illegible] دیکھنے ہی کے لئے ہم ان کا نظارہ کر سکیں۔ اُنھیں کہیں امانت رکھا ہے یا سمندر کے قعر میں پھینک آئی؟ موسی ندی! موسی ندی! یہ مُردے نہیں یہ ہماری امانتیں ہیں جنھیں ہم تجھ سے لیں گے آج نہیں تو کل قیامت [illegible] لیں گے۔ ایک دن ضرور آنے والا ہے جب اے اژدہا صفت ندی [illegible] یہ لذیذ لقمے اُگلنے پڑیں گے۔ اور تجھے اپنے اس ظلم و ستم کا یقیناً [illegible] ہوگا

آہ تیرا غیظ و غضب! تیرا جوش و خروش [illegible] تیری [illegible] ایک صورت [illegible] تیری [illegible] جبین! تیری وہ بدحواس کر دینے والی [illegible] لوگو! [illegible] ایک دم بھر میں کیا ہو گئی! [illegible] اور کیا نکلی! وہ دیکھو لوگ بدحواس بھاگے جاتے ہیں۔ کسی کو اپنے پرائے [illegible] ہوش نہیں۔ پردے کی بیٹھنے والیاں ننگے [illegible] گھروں سے نکل پڑی

ہین - مائین بچون کو بھول آئی ہین - بیٹے باپون کو نہین یاد رہے ہین بہن بھائی سے چھوٹ گئی ہے - اور شوہر جورو کو چھوڑ آیا ہے - یہ کہان بھاگے جاتے ہین؟ اور اس قدر بدحواس کیون ہین؟ اس لیے کہ موسی ندی ایک بھوکے اژدہے کی طرح پیچھے دوڑی آتی ہے - وہ سڑکون پر سانپون کی طرح لہرا لہرا کے دوڑ رہی ہے کہ کوئی ملے تو اُسے ہڑپ کر جائے - گلی کوچون مین رینگ رہی ہے کہ کوئی انسانی شکار ہاتھ آئے تو اُسے ہضم کر لے - گھرون مین گھستی ہے کہ کوئی تھکا ماندہ رہ گیا ہو تو اُسے اپنا لوالہ بنا لے - اپنی قہار بھوک سے وہ بیتاب ہے - چار دن رات زندہ مخلوق کو ڈھونڈھتی پھرتی ہے - ہزارون بندگان خدا کو نگل گئی اور پیٹ نہین بھرتا - اُس کی قیامت خیز چال مکانون کو گراتی اور عالیشان عمارتون کو ڈھاتی جاتی ہے - جدھر جاتی ہے ستھراؤ ہو جاتا ہے اور جہان تک پہونچتی ہے بالکل صفایا نظر آتا ہے - وہ غریب اپس ماندے جو نہ بھاگ سکے ہین اور نہ اس ظالم ندی کے ہتھے چڑھ سکے ہین جن مکانون مین اُنھون نے پناہ لی تھی اُنھین مین دب دب کے اور خود اپنی بنائی ہوئی عمارتون کے نیچے پس پس کے جان دے رہے ہین -

مگر یہ تصویر بھی اُن مقامات کی ہے جہان لوگ تیرے حملے سے پہلے چونک اُٹھے ہین - اُنھین تھوڑا بہت بھاگنے کا موقع مل گیا ہے - اور اپنے عزیزون کو ڈوبتے اور مکانون مین دبتے اور بیکسی سے جان دیتے دیکھتے ہوئے گرتے پڑتے بھاگے ہین لیکن اُن جگہون کی خونی تصویر دیکھی بھی نہین جا سکتی جہان تو نے اپنا جوش دکھانے سے پہلے ہی لوگون کو اپنے آغوش مرگ مین گھیر لیا ہے - وہان کا عالم! عالم مرگ! عالم تباہی! عالم بےکسی وبےبسی! نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ بیان ہو سکتا ہے - جنھین خبر ہو گئی ہے کہ موت سر پر آ پہونچی حسرت و یاس سے بھاگے ہین - مگر ہر طرف سے راستہ بند ہے - جدھر جاتے ہین تیری لہرین موت کے فرشتون کی طرح راستہ روکے کھڑی پہرہ دے رہی ہین کہ کوئی نکلنے نہ پائے - جب سب راستے بند دیکھے تو خدا کے گھر کی طرف چلے - مسجدون مین خلقت بھری ہوئی ہے مگر تو نے اُس حرم ربانی مین بھی قدم رکھا - اور ساعت

وسعت تیرا تلاطم بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہان تک کہ تیرا پانی اُبھتے اُبلتے چھتون سے جا لگا۔ اور وہ سب پناہ گزین خدا ہی کے گھر مین سے خدا کے پاس سدھار گئے۔ یہ بھی وہ لوگ تھے جنھون نے کچھ ہاتھ پاؤن مارے۔ بہت تھے تو ایسے ہین جنھین خبر بھی نہ ہونے پائی۔ اور اُن کا بستر عیش ہی بستر مرگ بن گیا۔ آہ کیتنے دو لھا دلھن ہین جو شب زفاف ہی مین ہم آغوشی سے آغوش لحد مین چلے گئے۔ اور او موسی ندی اُن کے چاندی کے پلنگ ہی کو تختۂ تابوت بنا کے تو اپنے دوش پر اُٹھا لے گئی اور اُن کی روحون کے ساتھ اُن کے جسمون کو بھی عالم فنا مین پہونچا آئی۔

موسی ندی اب تجھے کسی پر تو ترس آیا ہوتا اگر کوئی تو تیرے دست ستم سے بچا ہوتا۔ عباد کو مسجدون مین۔ برہمنون کو دیر مین۔ طلبا کو مدرسون مین۔ صوفیون کو خانقاہون مین۔ غرض کسی کو کہین نہ چھوڑا۔ جو جہان تھے وہین رہے اور تو اُن کے سرون پر جا پہونچی۔ بی بیان شوہرون کے سامنے۔ بیٹے بیٹیان ماں باپون کے سامنے۔ بہن بھائی بہن بھائیون کے سامنے۔ دوست دوستون کے سامنے ڈوب ڈوب کے مر رہے ہین اور کسی کو بچانے کی جرأت نہین ہوتی۔ وہ مرتے وقت چاہتے ہین کہ آخری وصیت کے دو کلمے اپنے عزیزون اور دوستون کے کانون تک پہونچا دین مگر نہ وہ اپنے جان کے خوف سے سُنا چاہتے ہین اور نہ تو اپنے غیظ و غضب کے شور سے سننے دیتی ہے۔ معصوم بچہ ماں کے آغوش سے نکل کے تیرے بے رحم آغوش مین چلا گیا ہے اور بیچاری ماں بے بسی سے کلیجہ تھام کے رہ گئی ہے۔ مہجبین معشوقہ کو تیری ظالم موجون نے عاشق کے گلے سے چھڑا کے اپنے گلے لگا لیا ہے اور وہ حسرت سے دیکھ کے رہ گیا ہے۔ ایسے ایسے جگرخراش منظرون کو دیکھنا اور ترس نہ آنا۔ اے موسی ندی تیرا ہی کام ہے۔

او موسی ندی! تو اتنی سنگدل۔ اتنی ظالم۔ اتنی ستم کیش۔ اللہ اتنی بے رحم ہے کہ تجھے نہ معصوم بچون کی معصومی پر ترس آیا؟ اور نہ مہ وش دلرباؤن کی نازنینی پر۔

یہ سب ہنگامہ اور یہ سارا شور محشر چند گھنٹوں میں ہو گیا۔ موسی ندی اپنا جلال و غضب دکھا کے چلی گئی۔ عالم پر خموشی اور موت کا سناٹا طاری ہے۔ نہ سڑکوں کا پتہ ہے نہ گلیوں کا۔ نہ آبادی کا نشان ہے نہ عالیشان عمارتوں کا۔ جدھر نظر جاتی ہے پتھروں کا ڈھیر ہے۔ اور حسرتوں کا انبار۔ ایک عالم ہو ہے اور چند ساعت پہلے کی رونق و عظمت کے آثار۔ امرأ القیس کہاں ہے؟ بلاؤ اور کہو کہ اپنا قصیدۂ معلقہ یہاں کھڑے ہو کے سنائے۔ اس لئے کہ جو سامان حسرت یہاں نظر آئے گا اُس جگہ ممکن نہ تھا جہاں عنیزہ چند روز کے لئے بس کے چلی گئی تھی۔ گولڈ اسمتھ کہاں ہے؟ اُس سے کہو کہ ..... حسرت ..... میں آ کے اپنی پُرسوز و گداز نظم "ڈزرٹیڈ ولیج" سنائے یہاں زیادہ اثر ہوگا۔ کیونکہ جس اُجڑی بستی کا سماں اُس نے دکھایا ہے ہمارے تباہی زدہ گھروں سے زیادہ تباہ نہیں ہو سکتی۔ اور آخر میں حکیم مُعزّی سے کہدو کہ اپنے اچھوتے عربی نما فارسی قصیدے کے چند تمہیدی اشعار یمن کی دھن میں گا کے ہماری حسرت نصیبی کی داد دے۔

اے ساربان منزل مکن جز بر دیار یار من — تا یک زمان زاری کنم بر ربع و اطلال و دمن

ربع از دلم پر خون کنم اطلال را جیحون کنم — خاک دمن گلگون کنم از آب چشم خویشتن

از روئے یار خرگہی ایوان ہمی بینم تہی — وز قدّ آن سرو سہی خالی ہمی بینم چمن

آنجا کہ بود آن دلستان با دوستان در بوستان — شد بوم و دد را مکان شد گرگ و کرگس را وطن

برجائے جام و رطل می گوران نہادستند پے — برجائے چنگ و نائے و نے آواز زاغ است و زغن

آہ! آہ! ایک جہاز بھی ڈوبتا ہے تو اُس میں ڈوبنے والے پہلے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور جب قسمت پر زور نہیں چلتا تو اپنے نالہ و شیون کی آواز آسمان تک پہونچا دیتے ہیں۔ مگر ہمارے غریقانِ رحمت ہمارے بے زبان مظلوم کس بہادری۔ کس خموشی۔ اور کس بے بسی سے ڈوبے ہیں۔ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہوئی اور وہ چل بسے۔ قافلے کے قافلے عدم کو چلے گئے اور جرس کی آواز کسی نے نہ سنی۔

سچ یہ ہے کہ یہ بھی حضرت رب العزت کے جلال کا ایک نمونہ تھا

قیامت آگئی تھی۔ خاموش، منہدم کھنڈرون سے آواز آرہی تھی کہ لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ؟ اور عالم ہو مین سناٹا اپنی پرہیبت آواز مین جواب دے رہا تھا کہ لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَہَّارِ۔

ہمارا حیدرآباد دین تصوف کا بڑا دور ہے۔ امرا و ارکان دولت تک صمدیت و وحدت کے رنگ مین ڈوبے ہوئے ہین۔ حضور یمین السلطنت مہاراجہ مدار المہام بہادر دام اقبالہٗ اس سرمدی مذہب کے دلدادہ۔ اور معرفت کے دریا ہین۔ لہذا خدا کو بھی منظور ہوا کہ نفی، اثبات کا جلوہ دکھادے۔ یہ حرف "لا" کا جوش تھا جس نے ایک عالم کو غرق کر دیا ۔۔۔ اس کے بعد اثبات ہے۔ بلکہ منتظمان ریاست کبھی اُجڑے کھنڈرون پر ڈیرے ڈالے پڑے ہین۔ اور اعلیٰ حضرت سکندر حشمت کی فیاضی بھوکون کو کھانا اور ننگون کو کپڑا دیتے ہین فراخ حوصلگی کے جوہر دکھا رہی ہے۔

ضِد

اخلاق والے کہتے ہین کہ ضِد بُری چیز ہے۔ بچون کو بچپن ہی سے تعلیم دی جاتی ہے کہ ضِد نہ کرنا ورنہ لوگون کو تم سے نفرت ہو جائے گی۔ بے شک کسی حد تک یا کسی محل پر ضِد بُری بھی ہے مگر ہم تو اُسے بُرا نہین کہہ سکتے۔ یہ تو اس بلا کی چیز ہے کہ اس کی تکلیف مین بھی ایک مزہ ہے۔ اور ہم تو کسی کی ضِد ہی کے مارے ہوئے ہین۔ جس کے ہاتھون صدمون پر صدمے اور تکلیفون پر تکلیفین اُٹھا لیتے ہین مگر یہ نہین کہہ سکتے کہ ضِد بُری چیز ہے۔ ایک دفعہ نا کر دی تو قیامت آجائے۔ دنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے مگر زبان سے ہان نہین نکلتی۔ کبھی کسی کی پُر آرزو التجا پر کہہ دیا تھا کہ "نہ آئین گے" اب آپ چاہین مرین یا جئین۔ اُنھین پروا نہین۔ جب کہا تو یہی کہا کہ "نہ آئین گے"۔ گو یہ ضِد ہے۔ گو ہٹ ہے۔ گو اس سے صدہا دل خون ہو گئے۔ گو اس نے لاکھون آرزوئین خاک مین ملا دین۔ مگر کوئی کہہ سکتا ہے کہ "بُری ہے"۔ ہرگز نہین۔ جس طرح دل پُر ارمان یار کی مشق

ستم کا دلدادہ ہے اُسی طرح وہ جیسے اس دلربا ضد سے صدمہ پہونچتا ہے وہ بے لارشی جانا ین کے مزے لے لے کے بار بار کہتا ہے کہ پھر اُسی طرح ایک بار نہین کہہ دو ع قربان نگاہِ تو شوم باز نگا ہے۔

مگر اب محفل عشاق سے نکل کے فلسفیانہ تدقیق و تحقیق کی دنیا مین آؤ تو یہان بھی تمھین یہی ضد جسے اخلاق والے برا بتاتے ہین وہ دیتی نظر آئے گی۔ ایک بڑا معقولہ ہے کہ "اِنّما الاشیاء تُعرفُ باضدادہا" (سب چیزین اپنی ضدون سے پہچانی جاتی ہین) یعنی اُن کی مخالف چیزون کے مقابلہ سے اُن کی اصلیت و حالت معلوم ہوتی ہے غور سے دیکھو تو نظر آئے گا کہ یہ کس قدر سچا اور کس قدر وسیع و عام اصول ہے۔ ایسا اصول کہ شاید عالم بالا سے عالم اسفل تک کوئی مقام نہین جہان اپنا جلوہ نہ دکھا رہا ہو یہ سامنے کی باتین تو ہمیشہ سنی جاتی ہین کہ گرمی سے سردی اور خشکی سے تری معلوم ہوتی ہے۔ فوق کو تحت سے داہنے کو بائین سے۔ اور آگے کو پیچھے سے لوگ صرف باہمی ضد اور مخالفت کی بنیاد پر امتیاز کر سکتے ہین اسی طرح گورے سے کالے اور نور سے ظلمت کی کیفیت کھلتی ہے۔ مگر غور کرنے والے انھین اضداد کی حالت معائنہ کر کے بہت دور تک پہونچ گئے ہین۔

زرتشت نے اپنے مذہب کی ابتدائی بنیاد ہی اس اصول پر قائم کر دی۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا عربی معقولہ ہی ایک فرشتہ بن کی اُس کے سامنے آ گیا۔ یا خود یہی اصول ایک وحی ربانی کی شان سے اُس کے سینے مین چمک اُٹھا۔ اور اُس نے نور و ظلمت کی باہمی ضد پر مذہب کی عالیشان عمارت بنا کے کھڑی کر دی۔ اس خیال نے اُسے یہان تک اپنا مطیع بنایا کہ اُس نے اپنے خدا بھی دو کر دیے جو ایک دوسرے کے دشمن ہین۔ اور جنھون نے بازیگاہ قدرت کے اکھاڑے کو اپنی لڑائی اور ہر کہ آرائی کا دنگل بنا رکھا ہے۔ یہ کہ دن اُس کے عقیدے مین مظہر یزدان ہے جو نور محض ہے اور رات مظہر اہرمن ہے جو ظلمت صرف ہے۔

دن کو یزدان کا اہرمن پر غلبہ ہوتا ہے اور رات کو اہرمن کا یزدان پر۔ قیامت کو یزدان اہرمن پر غالب آئے گا۔ نور ظلمت کو شکست دے گا۔ اور اُس وقت یزدان اہرمن کو قتل کر کے پیروان اہرمن یعنی کافرون اور منکران یزدان کو سزا دے گا۔ لہذا اس انجام سے بچنے کے لئے انسان کو یزدان کی پرستش اور اُس کے راضی رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مگر یہ ثنویت (دو خدا ماننا) دینداری کی خالص روحانیت اور حق پرستی کی توحید مین کچھ ابھی نہین معلوم ہوتی۔ دیگر ادیان و ملل نے بھی اگرچہ شیطان کو مرکز و مصدر شر بلکہ شر محض قرار دے دیا ہے۔ اور اُن سب کے نزدیک عالم بالا مین بھی دوزخ و جنت ایک دوسرے کی ضد مین موجود ہین۔ مگر اُن دونون کی مخالفت کا کوئی اثر خالق حقیقی اور اُس وحدہ لا شریک کی ذات بے ہمتا پر نہین پڑتا۔ شیطان بھی اگرچہ اُس محفل علوی اور بزم لاہوتی کا نکالا ہوا ہے اور کہہ رہا ہے ع "گو وان نہین پہ وان کے نکالے ہوئے تو ہین" اور جنت و دوزخ گو اُسی سروشستان مین ہین لیکن در اصل دنیا والون اور اسی ظلمت کدے کے لوگون سے تعلق رکھتے ہین اور یہین والون کے لئے ہین۔ خدا کی خدائی مین کوئی نہین شریک۔ خلاصہ یہ کہ موحدون نے اگرچہ اہرمن سا برابر کا خدا نہین مانا مگر شیطان کو خدا ہی کا ایک مخلوق تسلیم کر کے کسی گناہگار بندے کی طرح اول درجہ کا متفنی و بدکار اور بدکاریون کا داعی و حامی تسلیم کر لیا۔ اور وہ احدیت کی شان ضرور قائم رہی۔

اصل یہ ہے کہ کائنات کا یہ سارا کارخانہ فقط ضدّم ضدّا سے چل رہا ہے۔ یہ عناصر جن سے ہماری اور ساری دنیا والون کی تخلیق ہوئی ہے باہم ایک دوسرے کے دشمن ہین۔ مگر اسی دشمنی کے ساتھ اُن مین اتنا تمدن بھی آگیا ہے کہ کبھی ملتے ہین اور کبھی لڑ پڑتے ہین۔ کبھی ساتھ بیٹھتے ہین اور کبھی ہٹ جاتی ہے۔ یا تو ایسا اُنس نظر آتا ہے کہ بے ساتھ بیٹھے چین نہین آتا۔ اور یا ایسی وحشت و نفرت کہ ایک دوسرے کی صورت سے بیزار۔

اور جب اُنھین مین جو مخلوقات کا خمیر ہین باہم ایسی ضد واقع ہوئی ہے تو اُن چیزون مین کیون نہ ہونے لگی تھی جو اُن سے بنی ہین۔ یہ اسی کا طفیل ہے کہ مخلوقات ارضی پر جب نظر ڈالوگے تو نظر آئے گا کہ ایک دوسرے کو کھائے جاتا ہے۔ موالید ثلاثہ ہی کو دیکھو۔ جمادات نباتات اور حیوانات کے باہمی تعلقات کیسے ہین؟ یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک کے فنا ہونے پر دوسرے کی زندگی ہے۔ اور گویا اُن مین سے ہر ایک اسی کوشش مین لگا ہوا ہے کہ دوسرے کو فنا کر دے۔ نباتات کا تغذیہ جمادات سے ہے۔ اور حیوانات کا تغذیہ نباتات سے۔ نباتات سارے جمادات کو اپنی طرف جذب کیے لیتے ہین۔ اور حیوانات سارے نباتات کو ختم کیے ڈالتے ہین۔

ان کی اس ضد سے درگذر کے اب ذرا حیوانات کی اندرونی حالت کو معاینہ کرو۔ اُن کے باہمی تعلقات سب سے زیادہ نمونۂ عداوت ہین۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ذی الارواح چاہتے ہین کہ اپنی نوع کے سوا اور کسی نوع کو باقی ہی نہ رہنے دین۔ کہا جاتا ہے کہ چوپاؤن مین درندے اور طیور مین شکاری چڑیان اپنے شکار کی تلاش مین رہتی ہین۔ لیکن تامل سے دیکھو تو ہر حیوان درندہ ہے۔ اور دوسرے ذی روح کا دشمن۔

حیوانات مین سے انسان اپنے آپ کو بہت بڑا مہذب و شایستہ تصور کرتا ہے مگر اُس نے اس بارۂ خاص مین سب کے کان کاٹ لیے۔ اس تہذیب کے ساتھ خدا کی خدائی پر ایسا دست تصرف دراز کیا کہ درندون کی وحشت اور شکاری چڑیون کی بے رحمی سب پیچھے پڑ گئین۔

خلاصہ یہ کہ ضد مخلوق کے خمیر مین ہے۔ اور بغیر باہمی ضد کے کسی کا کام نہین چل سکتا۔ ضد نہ ہو تو ہم زندگی بسر کر سکتے ہین۔ نہ برے بھلے مین امتیاز کر سکتے ہین۔ اور نہ قدرت کا یہ کارخانہ چل سکتا ہے۔

دولت۔ حسن۔ آواز

کیا ہو سکے مقابلہ مژگان یار کا؟
دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا

دنیا میں تین بڑے چلتے ہوئے جادو ہیں۔ دولت حسن اور آواز اب دیکھنا یہ ہے کہ ان تینوں میں سے زیادہ چلتا ہوا جادو کونسا ہے؟ سب سے پہلے دولت کو لیجئے اور اس کی تعریف سنئے۔ ایک زمانہ شناس شاعر کہتا ہے اور خوب کہتا ہے۔

اے زر تو خدا نۂ ولیکن بخدا ۔۔ ستار عیوب و قاضی الحاجاتی

دولت کی اس سے زیادہ جامع تعریف اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ عالیشان محل یہ سر بفلک عمارتیں۔ یہ مرصع قصر و ایوان۔ اور یہ نت نئے تکلفات دولت کے کرشمے ہیں۔ اگلوں نے مانا ہو یا نہ مانا۔ مگر اب تو اس کے ماننے میں کسی کو تامل نہیں کہ "دولت عزت ہے" اور یاروں کو تو اب عشق بازی بھی دولت ہی کا کھیل نظر آتی ہے۔ یہ تھا دولت کا طلسم جس سے سارا جہان گھرا ہوا ہے۔ اور یہ ہے دولت کا سحر جو کل عالم پر چلا ہوا ہے۔ دولت کی تعریف تو تم سن چکے اب حسن کی معجز نمائی و سحر طرازی ملاحظہ ہو۔ اس کے کرشمے ماشاء اللہ اُن کا کہنا ہی کیا کہ جس کسی کو ان کرشموں کا چسکا پڑ جائے مرنے کے بعد بھی نہیں جاتا۔ ہائے ؎

قاتل کو زیر قبر بھی دیتے رہے دعا ۔۔ مر جا کے بھی نہ جائے یہ سودا ہی اور ہے

ادھر کوئی پیارا پیارا حسین چہرہ نظر کے سامنے ہوا آنکھوں سے دل دوز تیر چلے اور ہم کلیجہ تھام کر رہ گئے۔ سچ ہے ؎

جس کو تاکا اُسے بے موت ہی مارا ظالم ۔۔ چوکتا ہی نہیں واللہ نشانہ تیرا

کسی ناز آفرین کی دلربایانہ خرام ناز کا تماشہ دیکھتے ہی دل ہے کہ پسا جاتا ہے اور پامال ہونے ہی کو معراج خیال کرتا ہے۔ کسی ملائک فریب نازنین نے ابھی ہماری طرف نگاہ بھر کر بھی نہیں دیکھا ہے اور صرف دزدیدہ نظر بازی

ہی ہو رہی ہے کہ بے ساختہ ع نگاہیں بول اُٹھیں وہ سے لیا وُں۔ کوئی کا فرما جرا ہمیں دیکھکر ہنسا اور یہاں دل پہ بجلی گر پڑی۔ کوئی ستم آشنا گالی دے بیٹھا اور ہم نے دل نذر کر دیا۔ کسی خورشید جبین نے ایک غلط انداز نظر ہم پر ڈالی اور دل بے قابو ہو گیا۔ زمین اور آپ مر مٹے۔ پھر کسی نے پیاری پیاری اُلفت بھری نگاہوں سے ہمیں زندہ کرنا چاہا اور ہم زندہ ہو گئے۔ دنیا میں جتنے فتنے اٹھتے ہیں سب حسینوں کی آنکھ کی بدولت اور جتنی قیامتیں برپا ہوتی ہیں انہیں کے خرام ناز کے طفیل۔ حسن کی یہ کرشمہ سازی جو آپ نے ملاحظہ فرمائی اُس وقت کی ہے جب خوش قسمتی سے دولت دیدار میسر ہو اور پیارا ناز آفرین چہرہ نظر کے سامنے ہو لیکن حسن میں یہ اعجاز بھی ہے کہ غائبانہ طور پر بھی اپنا وہی اثر کرتا ہے جو رونمائی کی حالت میں۔ ہاں ؎

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد بسا کین دولت از گفتار خیزد

یہ وہ ہے کہ پاک طینت و صاف باطن صوفیوں اور اہل اللہ بزرگوں نے انہیں کی پیاری نازنین صورت کو مظہر قدرت جان کے جوش و خروش کے ساتھ کہہ دیا ؎ جی چاہتا ہے قدرت صانع پہ ہوں نثار ✣ تجھکو بٹھا کے سامنے یاد خدا کریں۔ القصہ یہ ہیں حسن کی جادو اثری و معجز نمائی کے نمونے جن پر آپ ابھی ایک غلط انداز نظر ڈال چکے اور دین و ایمان کھو چکے ہیں۔ اب آواز اپنی زبان حال سے عرض کرتی ہے ؎

نالۂ بلبل شیدا تو سُنا ہنس ہنس کر اب جگر تھام کے بیٹھو مری باری آئی

آواز بھی در اصل ایسا زبردست و موثر جادو ہے کہ سخت سے سخت اور پتھر سے پتھر دل کو بھی اپنی دلگدازی و سحر نمائی سے نرم کر لیتا اور موم کر کے پگھلا دیتا ہے۔

کسی کی دلربا شیریں آواز سُنی اور دل بے چین ہو گیا۔ کہیں سے کسی کی پاٹدار اور سُریلی آواز کانوں میں آئی اور بے اختیار اُسی طرف ہمارے قدم اُٹھنے لگے۔

اسی آواز کا دوسرا اثر دیکھیے۔ کسی آفت رسیدہ اور غم دیدہ کی درد بھری آواز کو سنا اور دل تڑپ گیا۔ کسی ہجران نصیب عاشق کے کراہنے اور دلدوز آہین بھرنے کی صدا آئی اور بے ساختہ آنسو نکل پڑے۔

کسی شوخ ستمگر کے منہ سے "نہین" نکلی اور ہم مرگئے۔ اور کسی کے نرم و نازک جان بخش لبوان سے "ہان" کا دلنوش کن روح پرور لفظ سنا اور جی اُٹھے۔ جان باختہ عاشقون کا مارنا جلانا پری تمثال معشوقون کی سحر صفت آواز کا ایک معمولی کرشمہ اور ادنیٰ معجزہ ہے۔

اس مین شک نہین کہ تفتیدہ جگر عاشقون کے پاس صرف یہی ایک آلہ دیا ہے جس سے یہ بڑے سے بڑے سخت دل اور نامہربان دلبرون کو آخر کار رام ہی کرکے چھوڑتے ہین۔ اور اگر اس کا انہین سہارا نہ ہو اور یہ امید اُن کے دل مین باقی نہ رہے کہ ہماری آہ دلسوز کبھی تو کسی سے پتھر دل مین ناسور کرکے ہماری جگہ نکالے گی تو بمشکل اُن کی حیات کا یقین کیا جاسکتا ہے۔ اُن کے دل مین یہ خیال بوثوق جاگزین ہوتا ہے کہ ؎

کبھی تو کھینچ لائے گی اُنہین گور غریبان تک
کہ مدت سے ہماری خاک دامنگیر ہوتی ہے

دولت!! حسن!! اور آواز!!! تینون کے حسن صورت کے کرشمون کو تو آپ خوب دیکھ چکے اب اُن کے حسن سیرت پر بھی ایک سرسری نگاہ ڈال جانا چاہیے تاکہ موازنہ بہمہ وجوہ مکمل و قابل تسلیم ہو۔

دولت کی سیرت یہ ہے کہ کسی جگہ مستقل قیام نہین۔ ادھر آئی اُدھر گئی۔ نت نئے رنگ بدلتی ہی رہتی ہے۔ بس کسی کے تلوّن کی طرح اس کی غیر مستقل مزاجی کا زمانہ شاکی اور اس کی بے وفائی کا ایک دلچسپ قصہ مشہور ہے کہ ایک مرتبہ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس بہلول دیوانہ گیا خلیفہ کو متفکر و پریشان دیکھا۔ سبب تفکر پوچھا۔ جواب ملا کہ "دنیا اور دولت کی بے وفائی و سرد مہری کا خیال ہے" بہلول نے کہا "تم کو اس کی کچھ فکر نہ کرنی چاہیے اس لیے کہ اگر دولت وجہان کو ثبات و قیام ہوتا تو یہ بادشاہی تم تک نہ پہونچتی" سچ یہ ہے کہ دیوانہ نے بڑی ہی

پتہ کی بات کہی اور خوب کہی۔ ایک فطرت شناس اور زمانہ کا ستایا ہوا ہندی شاعر کہتا ہے اور کس قدر سچ کہتا ہے ؎

یہ عشرت و عیش و کامرانی کب تک　　عشرت بھی ہوئی تو نوجوانی کب تک
یہ بھی ہوا گر تو قیام دولت ہے محال　　دولت بھی ہوئی تو زندگانی کب تک

ہمارے مخدوم کرم فرما اور جادو نگار ادیب و سحر طراز مولینا شرر نے اپریل سنہ ۱۹۰۸ء کے دلگداز میں "دولت" پر جو قابل قدر و بیش قیمت مضمون لکھا ہے اُس میں ایک جگہ دولت کی بُرائی کرتے ہوئے یہ غضب کے چُبھتے ہوئے فقرے لکھے ہیں جن کو ہم بھی اپنے قول کی تائید کی شہادت میں فخریہ نقل کرتے ہیں:-

"روپیہ اگرچہ اُجلا اور روشن ہے اور ظاہر میں کسی حسین کا گورا چہرہ نظر آتا ہے مگر اُس میں ایک ایسی سیاہی بھی ہے کہ اگر دیر تک ہاتھ میں رکھو تو ہاتھ کالے ہو جاتے ہیں یہی کالک اگر احتیاط نہ کی گئی تو ہاتھوں سے بڑھ کے مُنھ میں لگ جاتی ہے اور دولت مندوں کی صورت ایسی بنا دیتی ہے کہ سوا غرض والوں کے کسی کو بھلی نہیں معلوم ہوتی۔ سچ یہ ہے کہ اس سے بہتر اور نمایاں کرشمہ دولت کی دو رُخی حالت کا نہیں نظر آسکتا۔

اگر اہل عالم کی غرضیں دولت والوں سے نہ اٹکی ہوتیں تو شاید ان سے بُرا کوئی نہ ہوتا اور کسی گروہ کی اتنی مذمّت نہ کی جاتی جتنی کہ دولت مندوں کی۔ مگر دولت ایسا جادو ہے کہ اپنے مالکوں ہی کو خراب اور بد صورت نہیں بناتا بلکہ گرد و پیش کے تمام لوگوں بھی جھوٹا۔ خوشامدی ذلیل اور سفلہ بنا دیتا ہے"

حُسن کی سیرت کی یہ حالت ہے کہ حباب سے زیادہ زندگی لے کے دنیا میں نہیں آیا۔ پوری طرح ابھی پلک جھپکی بھی نہ تھی کہ رُخ زیبائے یار میں وہ کشش اور جذب مقناطیسی ہی باقی نہ رہا جس پر ہم سو جان سے فدا تھے اور جس کی ایک ایک ادا پر سو سو بار اپنا دل قربان کئے دیتے تھے آواز کی سیرت بھی دولت اور حسن کی سیرت سے بالکل ملتی جلتی ہوئی

ہے ۔ یہ بھی پاور ہوا اور قطعی بے ثبات وفانی کسی نے سر پہ کہلا دیا اور گئی گذری ہوئی۔ کسی نے سینہ ور دے دیا اور بس غارت گئی۔ غرض ع

دنیا ہیچ است و کار دنیا ہمہ ہیچ!

بقدر ناظرین دلگداز! آپ ان تینون سحرون کی صورت اور سیرت بخوبی دیکھ چکے اب حاکمہ اور موازنہ کا ٹھیک وقت ہے۔ ہماری رائے مین سیرت کے لحاظ اور اخلاقی نظر سے یہ تینون یا دو ون مین جگہ دیئے کے لائق نہین ہین اور ان کی بے ثباتی وبے وفائی ہم سے تاکید کرتی ہے کہ کبھی بھول کر بھی ان کی طرف رخ نہ کرین۔ اور جہان تک ممکن ہو اپنی محبت کا پاک دامن ان سے بچائے رہین۔ تاہم اس مین شک نہین کہ حسن کو اورون پر ترجیح ہے۔

دولت بے شک جادو ہے مگر اندھا جادو اور حسن کے آگے محض بے حقیقت اور ناچیز۔ حسن بجائے خود ایک دولت ہے اور ایسی دولت کہ دنیاوی دولت وخزانہ اور مال ومتاع اس کے آگے کمتر و ہیچ ہے۔ حسن مین یہ مقناطیسی کشش موجود ہے کہ دنیا کا بیش قیمت خزانہ۔ گران بہا دولت اور انمول سرمایہ اگر چاہے تو دم بھر مین اپنے گرد کھینچ سکتا ہے۔ حسین دونون جہان کو اپنی رونمائی مین مانگے تو بھی صاحب ذوق کہہ اٹھے گا کہ

”نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز“

اب رہا حسن اور آواز کی جادوگری وسحر سازی کا موازنہ۔ یہ ذرا مشکل اور بظاہر ٹیڑھی کھیر معلوم ہوتا ہے۔ مگر غور کرو اور دل مین سوچو تو کچھ ایسا مشکل واہم بھی نہین۔ آواز کو دولت پر ضرور ترجیح دی جا سکتی ہے لیکن حسن پر نہین۔ کبھی نہین۔ حشر تک نہین۔ اس مین شک نہین کہ آواز بڑا موثر جادو ہے۔ لیکن ہم دو تین وجہون سے حسن کو آواز پر ترجیح دیتے ہین اور سمجھتے ہین کہ حق بجانب ہین۔

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ آواز کی تاثیر اور سحر نمائی کے ہم اسی وقت تک

قائل ہین جب تک کہ وہ ہمین اپنا دلنواز نغمہ سنائے جائے اور جس وقت تک ہمارے کانون مین اپنا دلکش صُور پھونکتی رہے لیکن جہان اِس کی یہ صورت قائم نہ رہی وہان اِس کی دلکشی و سحر سازی بھی تشریف لے گئی۔ برخلاف اس کے حسن مین یہ معجز نمائی موجود ہے کہ ظاہر و باطن دور و نزدیک قربت مین فرقت مین۔ اور موجودگی مین یا غائبانہ طور پر اپنے جلوہ کا یکسان پر تو ہم پر ڈال دیتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ حسن کے پاس متاع دل وجان لوٹنے کے لئے جتنے اسلحہ موجود ہین اور جیسے حربے ہمین زخمی کرنے کے اُس کے پاس ہین اُن کے عُشر عشیر بھی آواز کے پاس نہین۔ خلاصہ یہ کہ حسینون کی ہر ادا ایک حربہ ہو

ان کی ہر اک بات مین اک بات ہے چال ہے۔ نقرہ ہے۔ دم ہے۔ گھات ہے

آپ ہی انصاف فرمایئے کہ آواز کے پاس بھی یہ ہوش رُبا اسلحہ موجود ہین اور یہ دل چھین لینے والی باتین اور دلکش ادائین اُسے بھی آتی ہین؟ غالبًا آپ کے پاس یہی جواب ہوگا "نہین" بس پھر کیا ہے" وہ مارا"

اصل یہ ہے کہ ازل ہی سے کاتبِ تقدیر نے حسن مین چار چاند لگا دئے ہین۔ ورنہ ؎

نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر ا کیون تیری چاند سی جبین بنتی

انہین حور وش حسینون اور مہ جمال دلرباؤن کی وجہ سے کہا گیا ہے ؎

بزم دنیا تھی قابلِ جنت خوب بنتی اگر یہین بنتی

شاید دنیا مین کوئی اہل دل تلاش کرنے سے بھی ایسا نہ نکلے گا جو ہمارے اس بے لگاؤ فیصلہ پر خوش اور رضا مند نہ ہو لیکن ممکن ہے کہ بعض بلے جس طبیعتین اس قطعی و قابل تسلیم فیصلہ پر ناک بھون چڑھائین اور کوئی اعتراض کرین اس لئے اُن کی تسلی و دلجوئی کے لئے ہم صاف کہے دیتے ہین ؎

اِن شوخ حسینون پہ جو مائل نہین ہوتا کچھ اور بلا ہوتی ہے وہ دل نہین ہوتا

اگر اس پر بھی اُن کی تسکین نہ ہو تو پھر ہمارا اور اُن کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا اور ضرور ہوگا ؎ دکھاوین گے اے معترض روزِ حشر ہا کہ ساری خدائی کدھر ہو گئی

راقم سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبرآبادی

چال چلن کی جو کیفیت آپ کے خط کے ساتھ وصول ہوئی تھی واپس کی جاتی ہے۔
بس یہی آخری فرمان تھا جس کی بنیاد پر آغائی صاحب بری کئے گئے۔ اور اُن کو اس آفت سے نجات حاصل ہوئی۔ اس کے بعد اُن کو اور بھی بہت سے یورپین افسروں نے بےگناہی کے سرٹیفکٹ عطا کئے جن میں انگریز حکام نے اپنی عادت کے خلاف آغائی صاحب کی شان میں عمدہ الفاظ بڑی فیاضی سے استعمال کئے ہیں۔

آغائی صاحب نے سرشتہ کے الزامات سے برأت حاصل کرنے کے بعد گورنمنٹ انگریزی پر اپنی وفاداریوں اور انتظامی قابلیتوں کو روز بروز زیادہ ثابت کرکے وہ اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا جو سچ یہ ہے کہ اہل لکھنؤ میں سے کسی کو نہیں نصیب تھا۔ ہمیں معلوم نہیں کہ ان کی وہ رقم جو گورنمنٹ کے ذمہ واجب الادا تھی غدر کے بعد اُن کو وصول ہوئی یا نہیں برٹش گورنمنٹ کی خوش معاملگی اور پابندی عہد سے ہمیں امید نہیں یقین ہے کہ پورے تین لاکھ بیالیس ہزار کی رقم وصول ہو گئی ہوگی۔ اور یہی سرمایہ ہوگا جس کی مدد سے وہ ایک فارغ البال اور مرفہ الحال امیر کی شان سے لکھنؤ کے ایسے شہر میں زندگی بسر کر سکے جہاں انتزاع سلطنت کے بعد تمام امراء و اعیان سلطنت کی حالت روز بروز روبہ تنزل ہوتی جاتی تھی۔

چودھواں باب

آغائی صاحب بعد غدر

غدر کے بعد جب ملک میں سکون ہوا اور اہل ملک کو چین سے بیٹھنا نصیب ہوا تو لکھنؤ کی حالت دیگر تمام شہروں سے زیادہ ابتر اور افسوس ناک تھی۔ شاہزادوں، مرشدزادوں، امیروں، شاعروں، پرانے مذاق کے باکمالوں، اور اگلی صحبتوں میں چمکنے اور رسوخ حاصل کرنے والوں کی ایک جماعت کثیر بیکار بٹھا دی گئی تھی جن میں بہت سے صاحب دولت و ثروت بھی تھے۔ وثیقہ داروں اور پنشن پانے والوں کا ایک بہت بڑا گروہ تھا جن کو بے زحمت و خرخشہ اور بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے معقول ماہواریں مل رہی تھیں۔ مگر ان سب کی یہ حالت تھی کہ انگریزوں کی صورت سے وحشت

اور بھاگ گئے تھے۔ ان سب کے مذاق میں سلامت روی و اطمینان کی زندگی یہ تھی کہ دروازہ بند کر کے گھر میں بیٹھیں تو مرہی کے باہر نکلیں۔ اور جب ان لوگوں کی طرف سے ایسی رکاوٹ تھی تو انگریزوں کے دل میں بدگمانی کا اور بڑھنا اور اُن کی حالت سے بالکل بے خبر اور بے پروا ہو جانا بالکل لازمی امر تھا۔

اس پر طرّہ یہ ہوا کہ اکثر یورپین حکام کی یہ رائے قرار پا گئی کہ غدر کے بانی اور اصلی محرک مسلمان تھے۔ اس خیال کے پیدا ہونے کے قوی اسباب یہ تھے کہ

(۱) انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی۔ اور اس انقلاب سے اصلی نقصان مسلمانوں ہی کو پہونچا تھا۔ لہذا بالکل فطری بات تھی کہ انگریزوں کا تسلط ہو جانا سب سے زیادہ مسلمانوں ہی کو ناگوار ہوا ہو۔

(۲) جس وقت غدر کی آگ بھڑک اٹھی تو اکثر مسلمان فقرا اور علمائے اُٹھ کے جہاد کا غل مچانا شروع کر دیا۔ اور بہت سے مسلمان علمانے جہاد کے فتوے دئے۔

(۳) غدر کے بعد جب ہندوؤں نے دیکھا کہ ہمارے سر سے یہ الزام دور ہوا جاتا ہے تو خود بھی کوشش کرنے لگے کہ خود بری ہو کے سارا الزام مسلمانوں ہی کے سر ڈال دیں۔ اور انگریزی زبان کی تعلیم میں وہ مسلمانوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے تھے لہذا رہی اپنی آواز — انگریزوں کے کانوں تک پہونچا سکتے تھے۔

الغرض غدر کا سارا الزام مسلمانوں کے سر تھوپ دیا گیا جو اُن دنوں دیگر اقوام ہند کے مقابل میں بے زبان تھے۔ اور اس کا خیال بھی نہ کیا جاتا تھا کہ غدر کی ابتدا کلکتہ میں خاص ہندوؤں سے ہوئی۔ اور اُس کے پھیلانے والے خود انگریزی فوج کے سپاہی تھے جن میں مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی بلکہ نہ تھی۔ خود مسلمانوں میں نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی۔ قومی خیرخواہی اور قومی ہمدردی کا لفظ ہم نے انگریزوں سے سیکھا ہے اُن دنوں مسلمان جانتے ہی نہ تھے کہ قومی خیرخواہی کیا چیز ہے اُس کی کس قدر ضرورت ہے اُس کی کیا کیا برکتیں ہیں۔ اور وہ کیونکر عمل میں لائی جاتی ہے۔

مگر خدا کو ایسا ہی کرنا تھا کہ معززین دہلی میں سے سید احمد خان بہادر اس کار خیر کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کے اس امر کے ساعی ہوئے کہ یہ بیچ میں کی غلط فہمیاں دور ہوں۔ باہمی وحشت نفرت دفع ہو۔

انگریزون کے دل سے یہ خیال نکلے کہ مسلمان ہی غدر کے محرک اور قتل وخون کے بانی تھے۔ اور مسلمانون کے دل مین نئی مہذب سلطنت کے ساتھ وفاداری کرنے کا جوش پیدا ہو۔ چنانچہ اُنھون نے پہلے کتاب "اسباب بغاوت ہند" لکھ کے شایع کی۔ اور اس کے چند روز بعد ایک ایسے کالج کی بنیاد ڈالدی جو اس طوفان مین مسلمانون کے لئے کشتی بن گیا۔ اور آج تک مسلمانون کی قومی پالسی کا مرکز بنا ہوا ہے۔ سر سید کی کوششین زیادہ وسیع اور عام تھین۔ اور سارے ہندوستان کے مسلمانون کے لئے تھین۔ مگر یہی کوشش لکھنؤ کے مسلمانون اور خاصتہً یہان کے شاہزادون نوابون اور امیرزادون کے لئے آغا علی صاحب نے شروع کی۔

انتزاع سلطنت کے بعد لکھنؤ کے لوگون مین اگرچہ اگلے مذاق کی مہذب وضعداری کا سلیقہ سارے ہندوستان کے لوگون سے زیادہ تھا مگر انگریزون کے دربار مین چمکنے کی وہ بالکل صلاحیت نہین رکھتے تھے۔ زمانے کا رنگ بدلتے دیکھا تو سب کے سب دروازہ بند کر کے گھر مین بیٹھ رہے۔ انجام پر نظر ڈالنے کی اُن مین قابلیت نہ تھی۔ اور موجودہ حالت مین امن و امان کا بہترین طریقہ انھین یہ نظر آیا کہ بغیر اس کے کہ حکام وقت سے ملین یا اُن کے رضامند کرنے کی فکر کرین سب سے الگ ہو کے ایک گوشۂ عافیت مین بیٹھ رہین۔ ان لوگون کے اس طرز عمل نے سرکار انگریزی کو ان کی طرف سے اور بدظن کر دیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ لکھنؤ والے اور خاصتہً مسلمانان لکھنؤ سرکاری ملازمت سے علحدہ رکھے گئے۔ اور کل اہل شہر کے ذرایع آمدنی و معیشت مفقود ہو گئے۔ پُرانے زمانے اور عہد شاہی کا جو کچھ ذخیرہ تھا اُسی کو سب نے صرف کرنا شروع کر دیا۔ صرف وثیقہ اور وظیفہ اور پنشن پانے والون کو ظاہری اسباب ایک گونہ اطمینان تھا جس نے انھین بے پروا کر کے اور زیادہ ناعاقبت اندیشی کے اشغال مین منہمک کر دیا۔ اور شہر کی یہ حالت ہو گئی کہ بظاہر تو ہر ایک اپنی جگہ پر خوش تھا۔ اور ہر ایک کی زبان حال سے یہ شعر ادا ہو رہا تھا:۔

اب تو آرام سے گذرتی ہے — عاقبت کی خبر خدا جانے

مگر در اصل سب عباہی کے گڑھے کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔

اگر سلطنت کی طرف سے ان کے حرکات وسکنات کی تھوڑی بہت نگرانی کی جاتی تو بھی شاید کچھ ہو سکتے۔ مگر مہذب حکام انگریزی نے کبھی ان کی حالت کو نظر اُٹھا کے بھی نہ دیکھا۔ اور سارے شہر مین وہی پُر انے مشغلہ پہلے سے بھی زیادہ جوش وخروش سے جاری ہوگئے۔ بھانڈ خانے آباد تھے۔ اور بیڑون کی پالیان خوب گرم تھین مرغ بڑے جوش وخروش سے لڑائے جاتے تھے۔ کبوتر بازی اور پتنگ بازی مین اُنھون نے خاص ناموری پیدا کی۔ اس کے علاوہ عیاشی کو بھی شہر مین روز افزون ترقی ہونے لگی۔

غرض ان امور مین لکھنؤ نے ایسا نام پیدا کیا کہ یہ اور اس قسم کے تمام شوق آج تک لکھنؤ کے لئے خاص سمجھے جاتے ہین۔

انجام پر نظر ڈالنے والا کوئی نہ تھا۔ اور کسی کو سُوجھائی نہ دیتا تھا کہ ان سب باتون کا نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ اکیلے ایک آغائی صاحب تھے جن کی سب سے پہلے اس انجام پر نظر پڑی۔ اور اُنھین مناسب معلوم ہوا کہ انگریزون سے جو تھوڑا بہت ربط ضبط تھا اُس کو ترقی دین۔ یورپین حکام مین رسوخ اور وقعت حاصل کر کے اُن کی مزاجون مین درخور پیدا کرین۔ شہزادون اور امیرزادون کو حکام سے ملائین۔ اور کوشش کرین کہ یہ باہمی غلط فہمیان دور ہون۔ چنانچہ اس کام کے لئے وہ مستعدی سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور حکام سے مل کے ایسا رسوخ حاصل کر لیا کہ اکثر انگریز حاکمون کو اُن سے دلی اُنس ہو گیا تھا۔ اور یہان سے واپس جانے کے بعد انگلستان تک مین اُن کا دم بھرتے رہے۔ اور اُنھین اپنے خطوط مین جیسے الفاظ اور جیسی باتین لکھا کرتے تھے اُنھین دیکھ کے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ آغائی صاحب کا سا شخص جو انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتا تھا۔ انگریزی معاشرت ومذاق سے نا آشنائے محض تھا اُس نے کیا جادو کر دیا کہ بڑے بڑے جلیل القدر حکام جو کسی سے سیدھی طرح بات بھی نہین کرتے اُس کا دم بھر رہے ہین۔ اور اپنے عزیزون سے زیادہ اُس کا پاس ولحاظ کرتے ہین۔

الغرض آغائی صاحب نے جن پر انگلش قوم کے اوصاف اور برٹش سلطنت

کی تہذیب وعظمت اور حسن انتظام کی خوبیان پہلے ہی سے ثابت ہو چکی تھین۔ ان برتاؤن اور اس میل جول کے بعد گورنمنٹ کی نسبت اپنے وفادارانہ برتاؤ کو اور زیادہ ثابت کر دیا۔ اُنھون نے صرف اُن شکوک وشبہات ہی کو دور نہین کر دیا جو بعض دشمنون کی اغوا سے اُن کی جانب منسوب کر دیے گئے تھے۔ بلکہ حکام انگریزی کے دلون مین جگہ پیدا کر لی۔ اور اُن کو باور کرا دیا کہ اس نئے مقبوضہ ملک پر حکومت کرنے مین جو مدد اس دیرینہ سال شخص سے ملے گی جس کا نام آغائی ہے اور کسی سے نہین مل سکتی۔ جن انگریزون سے اُن سے آمد ورفت تھی اور جن سے ربط وضبط پیدا ہو گیا تھا وہ اُن کی جامعیت کا اندازہ اور اُن کی سچی خیرخواہی کا تجربہ کر کے اس بات کے معترف ہو گئے تھے کہ اُن کی قابلیت اور اُن کے آزادانہ خیالات ایسے ہین کہ سرکار کو اُن کی قدر کرنی چاہیے۔ اور باضابطہ طور پر سرکاری تحریرات مین بھی اُنھون نے اپنی رائون کو آغائی صاحب کی نسبت ظاہر کر دیا۔ چنانچہ گورنمنٹ کی نظر مین اُن کا شمار لکھنؤ کے نہایت ہی خیرخواہ امیرون مین ہونے لگا۔ اور جب کوئی اہم مسئلہ پیش آتا تو اُن کی گران بہا رائے طلب کی جاتی۔ اور اُس سے فائدہ اُٹھایا جاتا۔ اور گو اب حکومت کی باگ اُن کے ہاتھ مین نہ تھی عہد شاہی کے بہ نسبت اس نئے انگریزی دور مین اُن کی پہلے سے بھی زیادہ عزت اور پاسداری ہونے لگی۔

سلطنت کی طرف سے یون اطمینان حاصل کر کے چونکہ خدا نے تھوڑی ہی بہت دولت بسر کرنے کو دے دی تھی اُنھون نے ملازمت اور حکومت کا شوق دل سے نکال ڈالا اگر وہ حکام کے پاس جا کے کسی اعلیٰ عہدے کے خواستگار ہوتے تو یقیناً اُنھین بہت ہی معزز خدمت دی جاتی۔ اور تقرر کے بعد فوری ترقیان ہوتین لیکن اُنھون نے بالکل ادھر توجہ نہ کی۔ اور ارادہ کر لیا کہ لکھنؤ مین شہر کے ایک معزز امیر کی آزادانہ زندگی بسر کرین۔ ویسی آزادانہ زندگی نہین جیسی کہ شہر کے نواب زادے اور شاہزادے بسر کر رہے تھے جس کا نتیجہ تباہی وادبار کے سوا کچھ نہ تھا۔ بلکہ ایسی زندگی جو نہایت ہی بابرکت تھی۔ جس مین گورنمنٹ کی خیرخواہی ورعایا کی خدمت گذاری۔ اور اگلے امرا کو دستبرد زمانہ سے بچانا۔ غرض ہر طرح کے مفید

اور نتیجہ بخش نتائج مضمر تھے۔

شہر کے ایک نہایت ہی نمایاں مقام کو جو ہندوستانی آبادی میں اور انگریزوں کی آمد و رفت کے قابل تھا اپنی سکونت کے لیے منتخب کیا۔ اور ایک بڑے امیر کی تمام عمارتیں جو ایک ہی سلسلہ میں تھیں خرید لیں۔ پھر اپنے مذاق کے موافق ان عمارتوں میں ترمیم و اضافہ کر کے اُنھیں اپنے رہنے کے قابل بنایا۔ اُنھیں میں ایک نیا امام باڑہ تعمیر کیا۔ پھر اُس کے گرد و پیش کی اور زمینیں خرید کے اِن عمارتوں کو ترقی دی۔ چنانچہ نئے چوک میں سڑک وکٹوریہ گنج کے کنارے کنارے شرقی لائن میں اُن کے عالیشان مکانات کا سلسلہ دور تک چلا گیا ہے۔ یہاں اگرچہ یورپین حکام کا بہت ہی کم گزر ہوتا ہے مگر خاص اس مکان کو یہ شہرت حاصل ہے کہ اس میں صدہا معزز یورپین آ کے آغائی صاحب کی مہمان نوازی کا لطف اُٹھا چکے ہیں۔ اپنے مکانات کے نیچے لب سڑک بہت سی دکانیں تعمیر کرائیں جو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ بن گئیں۔ پھر مجرے وغیرہ میں باغ خرید کے اُن میں ایسی خوبصورت کوٹھیاں بنوائیں جو شہر میں آج سب سے بہتر ہیں اور بطور نزہت گاہوں کا کام دے سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سی جائداد غیر منقولہ خریدی۔ اطراف و جوانب کے تعلقداروں اور زمینداروں میں سے جو کوئی تباہی کے درجہ کو پہونچا اُسے روپیہ قرض دے کے تباہی سے بچایا۔ اور اُس کی جائدادیں اپنی کفالت میں لے لیں۔

تھوڑے دنوں کے بعد گورمنٹ برطانیہ نے اُن کے عہد شاہی کے خطاب "مرزا بہادر" کو جو خاص اُن کے لیے بحال کر دیا۔ اور اجازت دی کہ یہ خطاب اُن کی اولاد میں نسلاً بعد نسل جاری و بحال رکھا جائے۔ حکام کے دل میں اُن کی اس قدر عزت تھی اور اُن کا کچھ ایسا پاس خاطر تھا کہ ایک مرتبہ اُنھیں بیماری کا عذر کرتے سنا تو ہمیشہ کے لیے حاضری عدالت سے مستثنیٰ کر دیا۔ یہ ایک ایسی عزت ہے جو انگریزوں کے سراپا انصاف دور میں بہت کم کسی کو دی جاتی ہے۔

انگریزوں سے ان سے اب اس قدر تعلقات تھے کہ اُن کا ارادہ ہو گیا تھا کہ اُس مہذب و شائستہ قوم کے اخلاق و عادات اور اُن کی سچی خوبیوں اور ترقیوں کا اندازہ کرنے کے لیے ایک مرتبہ یورپ کا سفر کریں۔ اور خاص انگلستان کی سیر کر کے اور انگریزوں کی خانگی معاشرت ملاحظہ کر کے اپنے معزز یورپین دوستوں کی مہمانی کا لطف اُٹھائیں۔ چنانچہ غالباً سنہ ۷۶ء کے قریب کسی سال

۲۸ مئی کو بھیجے۔ مسٹر برنس صاحب نے جو یہان کمشنر رہ چکے تھے انھین اڈنبرا سے ایک خط بھیجا جس مین لکھتے ہین کہ۔ یہ سن کر مجھکو اور زیادہ خوشی ہوئی کہ آپ سفر ولایت کے قابل ہین۔ اور آپ نے اس سفر کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ کیا ہی خوب ہوتا اور مجھے کیسی خوشی حاصل ہوتی کہ مین آپ کو اپنے مکان مین اپنا مہمان بناتا اور پھر ہم آپ بیٹھ کے بغیر اس فکر کے کہ کچہری کے کام کا حرج ہو رہا ہے خوب باتین کرتے۔ اور ان معاملات مین بحث کرنے کا لطف حاصل کرتے جن مین ہم سے آپ سے لکھنؤ مین باتین ہوا کرتی تھین۔ میرے نزدیک بوجہ نہ آپ زبان انگریزی سے ناواقف ہین سفر ولایت سے مانع نہین ہو سکتی۔ بشرطیکہ آپ کی صحت آپ کو اپنے سفر کا متحمل ہونے دے۔ ممکن ہے کہ آپ محمد عباس (اپنے صاحبزادے) کو بطور مترجم اپنے ہمراہ لیتے آئین۔ محمد عباس کا ولایت آنا ان کی خوشی اور بہتری کا باعث ہوگا۔

اس کے علاوہ بعض اور تحریرون سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کئی مرتبہ ولایت جانے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ مگر کچھ ایسے اتفاقات پیش آئے کہ اس کی نوبت نہین آئی۔ اگر یہ سفر کر لیا ہوتا تو یقیناً آغائی صاحب کوئی اور ہی چیز ہوتے۔ اور اُن کی توجہ سے مسلمانان لکھنؤ کی حالت بدرجہا زیادہ سدھر جاتی۔ مگر خدا ہی کو لکھنؤ والون کا سنبھلنا منظور نہ تھا۔ اور آغائی صاحب لکھنؤ سے قدم باہر نہین نکال سکے۔ غالباً بیماری اور ناسازی طبع کے سوا اور کوئی سبب نہ ہوگا۔

سول سروس کمیشن کے سامنے اظہار دینے کے لئے وہ الہ آباد بلائے گئے تھے مگر اُنھون نے ۲۳ دسمبر ۱۸۸۶ء کو اپنی ایک چٹھی کے ذریعہ سے گورنمنٹ کو اطلاع دی کہ سوء مزاج کے باعث وہ سفر سے معذور ہین۔ لیکن اُن کی رائے حکام مین اس قدر باوقعت تسلیم کی گئی تھی کہ اس بارے مین اُن کی رائے تحریراً طلب کی گئی۔ اور اُنھون نے کمیشن کے چند سوالات کے جواب لکھ کے بھیج دیے۔ اور باقی کی نسبت بیماری کا عذر کر دیا۔ جو جوابات اُنھون نے دیے تھے اُن کی ایک نقل اُن کے کاغذات مین مل گئی۔ جو ذیل مین درج کی جاتی ہے۔

بجواب سوال (۱) مین موجودہ طریقہ قانونی سول سروس کو اس صوبہ کے مناسب حال سمجھتا ہون۔ اودھ کے کل خاندانی معزز آدمی جو شاہی سے بڑے بڑے

عہدوں پر ممتاز تھے اس کو پسند کرتے ہیں۔

جواب سوال (۹) میری رائے میں الفاظ "باشندۂ ہندوستان" کی تعریف مندرجہ دفعہ ۶ کافی ہے۔

جواب سوال (۱۰-۱۸) معاہدہ قانونی سویلینوں کے بمقابلہ غیر معاہدہ سویلینوں کی کی تنخواہ اور ترقی سے رشتہ کسی قدر بہت وقتی ہے

جواب سوال (۱۹) نامزدگی کا طریق تو بہت اچھا ہے۔

جواب سوال (۲۰) ہان اس طریقہ سے معقول اور مطلوب قسم کے لوگ مل سکتے ہیں۔

جواب سوال (۲۱) نہیں، خاندانی کا بھی لحاظ رکھنا چاہئے۔

جواب سوال (۲۲) اگر یہ طریق ورنہ امتحان لیاقت کی جانچ حکام ضلع اور کمشنر اور خود صاحب لفٹننٹ گورنر بہادر کر سکتے ہیں۔

جواب سوال (۲۳) اگر قرعہ بھی دیا جاوے (یعنی نامزدگی کے بعد خاص طور کی تعلیم) تو میری رائے میں انگلستان کو جانا لازمی نہ کیا جاوے گا

جواب سوال (۲۶) امتحان مقابلہ جو انگلستان میں ہوتا ہے اس میں بلحاظ لیاقت لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔

جواب سوال (۴۲) میری رائے میں اسائی اخراجات خورد و نوش و سواری جہاز کی کی جانی چاہئے۔ مگر جاری جاوے اور وظیفہ مناسب دیا جاوے۔

جواب سوال (۴۵) جہان تک میں جانتا ہون اس صوبہ کا کوئی آدمی اب تک انگلستان نہیں گیا۔

جواب سوال (۵۵) علاوہ جوابات مذکورۂ بالا کے مذہبی موانع بھی ہیں اور ان میں عظیم امر یہ ہے کہ کچھ میسر نہیں آسکتا۔

جواب سوال (۵۹) عرصہ تک اس صوبہ سے کسی کے جانے کی امید نہیں ہوسکتی۔

جواب سوال (۶۰) ۲۳ و ۲۴ برس سے عمر کم نہ ہونی چاہئے۔

ان جوابات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آغائی صاحب کی پالیسی ایڈمنسٹریشن کے بارے میں کیا تھی وہ اسامات عزت اور خاندانی شرافت کا زیادہ لحاظ کرتے تھے۔ اور ان کی رائے میں ضرور تھا کہ اعلیٰ عہدے ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں دئے جائیں

سلسلۂ مشاہیر اسلام

مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر ادام اللہ فیوضہ نے کوشش شروع کی ہے کہ جن مشاہیر کے نام ہمارے بچوں تک کو یاد ہو گئے ہیں اُن کی سوانح عمریاں مرتب کر کے ایک ایسا سلسلہ قائم کر دیا جائے کہ ہر ایک بزرگ کے حالات میں ایک مستقل رسالہ موجود ہو چنانچہ اس سلسلہ کا آغاز [illegible] کیا گیا ہے [illegible] پہلے مشایخ صوفیہ کرام [illegible]

جنید بغدادی

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۱)

حضرت شیخ ابو القاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری۔ تعلیمات۔ سفر اور دیگر حالات و کمالات۔ یہ رسالہ بتاتا ہے کہ اسلام نے قرون اولیٰ میں کیسے کیسے حکما و مشاہیر اور کس پایہ کے اولیاء اللہ پیدا کئے ہیں۔ جن حضرات کو سلسلۂ مشایخ صوفیہ سے عقیدت ہو اُن سے استدعا ہے کہ ملاحظہ فرمائیں عربی عبارت کے علاوہ مضامین عمدہ چھپائی اور لکھائی بھی واضح اور روشن ہے۔ قیمت عہ

ابو بکر شبلی رح

(سلسلۂ مشاہیر اسلام نمبر ۲)

حضرت شیخ ابو بکر دلف بن محمد شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری۔ تعلیمات۔ سفر اور جملہ حالات و کمالات۔ آپ کا تصوف۔ اور آپ کے روحانی فیوض و برکات حضرت شبلی جیسے جوش و خروش اور جذب و کمال کے ولی اللہ گذرے ہیں آپ ہی ہیں جنہوں نے معرفت کے رموز باطنی کو طشت از بام کر دیا۔ اور اُن کی یہاں تک اشاعت کی کہ آج ساری دنیا پر شیوخ باطنی کی حکومت ہے۔ آپ کے حالات سے بھی لوگ بہت کم واقف ہیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ (عہ)

المشتہر محمد فاروق منیجر دلگداز

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کے عام تصانیف

تاریخ

۱	جنید بغدادیؒ	۵؍
۲	ابوبکر شبلیؒ	۵؍
۳	حروب صلیبیہ	۵
۴	تاریخ سندھ	عہ؍
۵	خواجہ معین الدین چشتیؒ	۶؍
۶	اسلامی سوانح عمری	۸؍
۷	لارڈ بیکن	۱۲؍
۸	افسانۂ قیس	۴؍
۹	تاریخ بغداد	۲؍
۱۰	ملکہ زنوبیہ	۳؍
۱۱	الحکم رناعیہ (جو فلسفۂ اخلاق میں ہے)	۴؍

جلدہائے دلگداز

۱۲	جلد ۱۸۹۹ء	سعہ؍
۱۳	؍ ۱۸۹۰ء	عہ؍
۱۴	؍ ۱۸۹۳ء	عہ؍
۱۵	؍ ۱۹۰۰ء	عہ؍
۱۶	؍ ۱۹۰۴ء	عہ؍
۱۷	؍ ۱۹۰۵ء	عہ؍
۱۸	؍ ۱۹۰۶ء	عہ؍

ناول

۱۹	یوسف و نجمہ کامل	۱۲؍
۲۰	ایام عرب ہر دو جلد	۱؍
۲۱	فردوس بریں	۱۲؍
۲۲	شوقین ملکہ	۱۲؍
۲۳	ملک العزیز ورجنا	۱۲؍
۲۴	حسن انجلینا	۱۲؍
۲۵	شہید وفا	۴؍
۲۶	درگیش نندنی	۸؍
۲۷	بدر النساء کی مصیبت	۶؍
۲۸	آغا صادق کی شادی	۱۰؍
۲۹	میوۂ تلخ	۸؍

۱۹۰۵ء کے شروع میں ہمارے دو ایک جدید ناول تیار ہو جائیں گے وہ اس میں اضافہ کر دیے جائیں گے اور اس وقت تک ان میں سے بعض کتابیں شاید نہ باقی رہیں۔

[illegible]

محمد فاروق مینیجر دلگداز حیدرآباد دکن فیلخانہ

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۱ بابت نومبر   جلد ۱۱ بابت ۱۹۰۸ء

ایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

باہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدر آباد دکن میں چھپا

ابن القراقر شلمغانی

ملل و نحل کی کتابون مین اگرچہ ایسے بہت سے فرقے بتائے گئے ہین جو اسلام کے اندر پیدا ہوے مگر پھر بھی بعض ایسے لوگون کا ذکر رہ گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ایک طرف مسئلۂ امامت اور دوسری طرف فلسفۂ یونان کی کتابون کے ترجمے ہونے اور غیر مسائل کلامیہ مین بحث ہونے کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ اسلام کی ابتدائی دو صدیون کے بعد سے کئی صدیون تک یہ حالت رہی کہ ہر سال دو ایک نئے بانی مذہب ضرور پیدا ہو جاتے جو اسلامی پبلک کے لیے ایک فتنہ بن جاتے۔ حسن بن صباح عبید اللہ بن تومرت المہدی المغربی اور اسی طرح کے اور بہت سے لوگ ان فتنون کی یادگار تھے۔

انھین لوگون مین ایک ابوجعفر محمد بن علی شلمغانی المعروف بہ ابن القراقر تھا جس کے حالات سے ہم اپنے ناظرین کو آگاہ کرنا چاہتے ہین۔ ایک خاص شہرت کے ساتھ سنہ ۳۲۲ھ سے چند سال پہلے خاص ارض عراق اور سواد بغداد مین یکایک یہ شخص نمودار ہوا۔ اور لوگون مین مشہور ہوا کہ مدعی ربوبیت ہے۔ اور خدائی کا دعوی کرتا ہے۔ بغداد کی عقلمند دنیا مین کسی تعلیم یافتہ انسان کی نسبت ایک ایسے اتہام کا لگایا جانا کسی طرح قرین قیاس نہین تصور کیا جا سکتا تھا۔ مگر اسی سنہ ۳۲۲ھ مین چند روز پہلے ایک شخص دعواے نبوت کر کے اپنے بہت سے ایمان لانے والون کے ساتھ قتل ہو چکا تھا۔ لوگون کو دور کی سوجھی کہ پیغمبر صاحب

کے معجزات تو دیکھ لیے اب جناب رب الارباب صاحب کا حال سنیے۔ ساتھ ہی مشہور ہوا کہ بہت سے لوگ اس کے مذہب میں داخل ہو گئے جن میں بعض نامی گرامی اور صاحب اثر امرا بھی ہیں۔

اس سے پیشتر مقتدر باللہ کے عہد اور وزیر خاقانی کے دور میں بھی اس شخص کی گرفتاری کا حکم جاری ہو چکا تھا۔ مگر وہ بغداد سے روپوش ہو کے خاموشی کے ساتھ موصل چلا گیا۔ اور خلافت کی جانب سے بھی اس کا فتنہ دیکھ کے زیادہ تاک دوڑ نہیں کی گئی۔ لیکن اب جو بغداد میں آ کے اس نے سر اٹھایا۔ اور اس کے ساتھ ہی شہرت ہوئی کہ مقتدر باللہ کا سابق وزیر اعظم حسن بن قاسم اس کا معتقد ہو گیا اور بسطام کے دونوں بیٹے ابو جعفر اور ابو علی جو امرائے بغداد میں تھے وہ بھی اس پر ایمان لے آئے ہیں تو خلیفہ الراضی باللہ نے جو اسی سال خلافت عباسیہ کی مسند پر رونق افروز ہوا تھا اس کی گرفتاری کا تاکیدی حکم جاری کر دیا۔ ابن مقلہ (راضی کے) وزیر اعظم خلافت نے اس سلسلے میں ذرا بیدار مغزی سے توجہ کی تو شلمغانی "پروردگار عالم" پکڑ لیے گئے۔ گرفتاری کے ساتھ ہی وہ قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ اور اس کے گھر کی تلاشی لی گئی تو معتقدین و مومنین کے رقعات و خطوط برآمد ہوئے جن میں لکھنے والوں نے شلمغانی کو ایسے القاب سے یاد کیا تھا جو سوا خدا کے انسان کی نسبت نہیں استعمال کیے جا سکتے۔ وہ خطوط شلمغانی کے سامنے پیش کیے گئے تو اس نے کہا "ہاں یہ خطوط انھیں لوگوں کے لکھے ہوئے ہیں جن کے نام ان میں درج ہیں" لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے کہا "میں مسلمان ہوں۔ نہ میں نے خدائی کا دعویٰ کیا۔ اور نہ کوئی مذہب نکالا۔ اور ان لوگوں نے اگر میری نسبت ایسے الفاظ استعمال کیے تو یہ ان کی غلطی ہے۔ جس کا الزام مجھ کو نہیں دیا جا سکتا۔"

انھیں خطوط کی بنیاد پر اس کے دو معتقد بھی گرفتار کیے گئے جو بغداد کے معززین میں سے تھے۔ ایک ابن ابی عون۔ اور دوسرا ابن عبدوس۔ اب یہ دونوں شخص اور خود شلمغانی الراضی باللہ کے دربار میں پیش ہوئے۔ خلیفہ نے دونوں مریدوں کو حکم دیا کہ "اگر تم اس شخص (شلمغانی) سے اپنی برأت ظاهر کرتے ہو تو

دونوں زور سے اُس کے منھ پر تھپڑ مارو۔ پہلے تو اس حکم کی تعمیل میں اُن دونوں کو عذر ہوا۔ مگر جب مجبور کیے گئے تو بیرا و تہرا راضی ہو گئے۔ ابن عبدوس نے ہاتھ بڑھا کے اُس کے تھپڑ مار دیا۔ مگر ابن ابی عون نے جیسے ہی ہاتھ بڑھایا اُس کا ہاتھ کانپ گیا۔ اور ساتھ ہی دلی عقیدت کا جوش ہوا تو بڑھ کے شلمغانی کی داڑھی کو بوسہ دیا۔ اور بے اختیار اُس کی زبان سے یہ کلمات نکلے کہ "الٰہی! و سیدی! و رازقی!" (اے میرے خدا! میرے سردار! اے میرے رازق)

اب کیا تھا؟ راضی باللہ کو ایک حجت ہاتھ آگئی۔ بولا "تم تو کہتے تھے کہ مجھے دعوائے الوہیت نہیں؟ اور یہ کیا ہوا؟" شلمغانی نے جواب دیا "ابن ابی عون کے قول کا میں جوابدہ نہیں۔ خدا علیم ہے کہ میں نے کبھی ان سے نہیں کہا کہ مجھے خدا کہا کرو۔ یا میں خدا ہوں۔" اس پر ابن عبدوس جس نے تھپڑ مارا تھا بولا "ہاں یہ الوہیت کے مدعی نہیں۔ ان کا تو یہ دعویٰ ہے کہ یہ امام منتظر کے باب۵ ہیں۔ اور ابن روح کی جگہ میں (جس نے پہلے پہل باب ہونے کا دعویٰ کیا تھا) اور میرا یہ خیال تھا کہ یہ تقیۃً ایسا کہتے ہیں۔"

اس کے بعد ابن الفرات شلمغانی کے اصول دین کا پتہ لگانے کی کوشش کی گئی تو عجیب عجیب عقیدے اور انوکھے مسائل ثابت ہوئے۔ مذہب کی بنیاد صرف دو مسئلوں پر رکھی گئی تھی۔ ایک امامت اور دوسرا تناسخ و حلول۔ الوہیت کی شان یہ تھی کہ خود ابن شلمغانی ہی وہ الٰہیت ہے جو حق کو ثابت کرتا ہے۔ وہی ہے جس کی جانب الفاظ اوّل۔ قدیم۔ ظاہر۔ باطن اور رازق سے پوری طرح جا ہے جن معنوں میں ہو اشارہ کیا جاتا ہے۔ ذات باری تعالیٰ کی نسبت یہ اعتقاد تھا کہ وہ اللہ جل شانہ ہر چیز میں اُس کے ظرف و تحمل کے موافق حلول کرتا ہے۔ اور جب کسی پیکر ناسوتی میں حلول کرتا ہے تو اُس سے ایسی

---

۵ اس سے صاف ظاہر ہے کہ باب کا لفظ ایران کے آخری بانی مذہب مرزا علی محمد باب نے پہلے پہل نہیں استعمال کیا بلکہ اُس سے پیشتر بھی یہ لفظ کئی دفعہ کام میں لایا جا چکا ہے۔ شیعیوں میں بھی اس لفظ کا چرچا رہا ہے۔ ہمارے یہاں لوگوں کا عام خیال ہے کہ بابی فرقہ کے بانی علی محمد باب سے پہلے کسی نے باب ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ مگر یہ اُن کی ناواقفیت ہے۔

قدرت اور ایسے معجزات ظاہر ہوتے ہیں جو اُس کے خدا ہونے کی دلیل ہوتے ہیں دوسرا مسئلہ آپ کا یہ تھا کہ اس نے سر پیدا کیے گئے۔ ضد اس لئے ظاہر کی تا کہ جس کی ضد ہے وہ ثابت ہو جائے۔ لہذا ضد ہی حق کی دلیل ہے۔ اور دلیل حق خود حق سے افضل ہے اس لئے پیغمبر کے ساتھ جو پیغمبر موافق و معاون ہوتے ہیں بمقابلہ اُن کے اس پیغمبر کی ضد اس سے زیادہ قریب ہوتی ہے۔

اسی کا مظہر یہ ہے کہ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو جس طرح وہ خود آدم میں حلول کر کے نمایاں ہوا اسی طرح آدم سے ابلیس یعنی اُن کی ضد میں بھی حلول کر کے خود ہی نمودار ہوا۔ غرض دونوں پیکروں میں خود وہی تھا گو بظاہر دونوں ایک دوسرے کے خلاف نظر آتے تھے۔ پھر جب آدم غائب ہو گئے تو وہ لاہوت (خدا) متفرق و منتشر ہو کے پانچ ناسوتیوں میں جدا جدا ظاہر ہوا۔ اور اسی طرح ابلیس بھی پانچ ابلیسوں میں ظاہر ہوا۔ اس کے بعد لاہوتیت ادریس کے پیکر میں جمع ہو گئی۔ یعنی مکمل خدا نے ادریس میں حلول کیا۔ اور اسی طرح وہ ضد بھی پانچوں ابلیسوں میں سے سمٹ کے ادریس کی ضد یعنی اُن کے مخالف و معاند ابلیس میں مجتمع ہو گئی۔ ادریس اور اُن کے معاند ابلیس کے بعد پھر الوہیت دونوں ضدوں کی حیثیت سے ناسوتیوں اور ابلیسوں میں منتشر ہوئی۔ اور چند روز بعد نوح اور اُن کے معاصر ابلیس میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہوئی تو چند روز بعد ہود اور اُن کے ضد ابلیس میں جمع ہوئی۔ اس کے بعد منتشر ہو کے صالح اور اُن کے ابلیس یعنی عاقر ناقہ میں جمع ہوئی۔ بعد ازاں چند روز منتشر رہ کے ابراہیم اور اُن کے ابلیس (نمرود) میں جمع ہوئی۔ پھر منتشر ہو کے ہارون اور اُن کے معاصر ابلیس (فرعون) میں جمع ہوئی۔ اب کی جو منتشر ہوئی تو اُس نے سلیمان اور اُن کے ابلیس کے پیکروں کو حلول ہونے کے لئے منتخب کیا۔ اس کے بعد منتشر ہو کے عیسیٰ اور اُن کے ابلیس میں مجتمعاً ظاہر ہوئی۔ عیسیٰ کے بعد وہ حواریین میں تقسیم ہو گئی۔ اور چند روز گزر کے جناب علی مرتضیٰ اور اُن کے معاصر ابلیس میں نمودار ہوئی۔ اور اب وہی الوہیت خود شلمغانی اور اُس کے معاصر ابلیس میں نمایاں ہے۔

شلمغانی کا دعویٰ تھا کہ خدا اپنے آپ کو ہر چیز میں پیکر اور ہر معنی میں ظاہر کرتا ہے۔ اور ہر دل میں جو خیالات گزرا کرتے ہیں ان پر یہ حالت طاری ہے کہ گویا آنکھوں کے سامنے ہیں یہ ہی ندا ہے۔ خدا اور علم ہر معنی کا نام ہے اور لوگ جس کسی کے محتاج ہوں وہی اس کا الہ (خدا) ہے۔ چنانچہ اس لحاظ سے ہر شخص خدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ جس سے کسی کو نفع پہونچے وہ اس کا رب ہے۔ ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ میں فلاں شخص کا رب ہوں۔ وہ میرا رب ہے فلاں فلاں کا رب ہے۔ اور فلاں میرے رب کا رب ہے۔ یہاں تک کہ ربوبیت کا سلسلہ ابن ابی العزاقر شلمغانی تک پہونچ جاتا۔ اور وہ دعویٰ کرتا کہ میں رب الارباب ہوں۔ کیونکہ اس کے زمانے میں اس سے بڑی اور کوئی ربوبیت نہ تھی۔

حضرت علیؑ کی محبت کا غلو اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ شلمغانی کی تحقیق سے دنیا میں صرف دو خائن گزرے تھے۔ ایک موسیٰ اور دوسرے محمدؐ (معاذ اللہ من ذالک) کیونکہ اس کے اعتقاد میں ہارون نے موسیٰ کو اور علی نے محمدؐ کو رسول بنا کے بھیجا۔ اور دونوں نے رسالت میں خیانت کی۔ اس کے ساتھ زیادہ عجیب یہ بات تھی کہ شلمغانی کے نزدیک جناب امام حسنؑ اور جناب امام حسینؑ حضرت علی کے فرزند نہ تھے۔ کیونکہ اس کے اعتقاد کی رو سے جس پیکر میں ربوبیت مجتمع ہو کے نمودار ہوتی ہے اس کا نہ کوئی باپ ہوتا ہے اور نہ کوئی بیٹا۔ وہ تو خدا ہے۔ اور خدا کی شان ہے "لم یلد ولم یولد"

یہ تو عقائد تھے اب ذرا ابن شلمغانی کی شریعت کا بانکپن بھی ملاحظہ ہو۔ اعتقاد تھا کہ علی نے محمدؐ کو رسول بنا کے کبراء قریش اور جبابرۂ عرب کے پاس بھیجا جنھیں محمدؐ نے یہ حکم دیا کہ رکوع و سجود کریں۔ نماز پڑھیں۔ (غالباً یہی خیانت ہوگی) علی نے یہ دیکھ کے اجازت دے دی کہ جتنے دنوں تک اصحاب کہف سوتے رہے تھے۔ (۳۵۰ سال) اُتنے زمانے تک محمدؐ کی شریعت ہی پر عمل کیا جائے۔ لیکن اس مدت کے گزرتے ہی وہ احکام سابقہ منسوخ ہوں گے اور شریعت بدل کے نئی ہو جائے گی۔ مگر افسوس کہ اس مدت کے پورے ہونے کو ۲۸ سال باقی تھے کہ دربار بغداد نے وہ الوہیت ہی منتشر کر دی جو مسلمانان

شلمغانی صاحب کے پیکر ناسوت مین سے عجیب عجیب آوازین سنو ا رہی تھی) مگر جس قدر مسائل شریعت شلمغانی نے بتائے وہ یہ تھے کہ نماز و روزہ کو بالکل چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ تکلیف محمد نے عربوان کو اُن دلون دی تھی ۔ مگر اب جو تکلیف اِس زمانہ کے مناسب حال ہے یہ ہے کہ لوگون کو اپنی عورتون کو ہر شخص کے لیے حلال کر دینے کی تکلیف دی جائے تا کہ لوگون کو اپنی عورتون سے ہم بستر ہوتے دیکھین اور غصہ نہ آئے۔ چنانچہ عورتین مطلقاً ہر شخص کے لئے حلال طیّب ہین۔ انسان اپنے ذوی الارحام اور محرمات ابدیہ تک کے ساتھ چاہے تو مقاربت کر سکتا ہے۔ کوئی مضائقہ نہین۔ باپ اپنے بیٹے تک کی عورت سے تعلق پیدا کر سکتا ہے۔ بلکہ دین حق والون (شریعت شلمغانی کے پیرون) کو چاہیے کہ ہر شخص جو دوسرے سے افضل ہو اپنے سے کم درجہ والون کی عورتون سے جبرًا بھی مقاربت کرے۔ تا کہ اُن مین نور کو پہونچا دے۔ اور جو کوئی اس سے انکار کرے گا اُس کا جنم بہ پابندی قواعد تناسخ آئندہ والے بعد کے دور مین عورت کے پیکر مین ہو گا۔ غرض کہ شہوت پرستی کے رواج دینے مین شلمغانی نے مزدک کے بھی کان کاٹ لئے تھے۔

شلمغانی کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق جنت دوزخ کوئی چیز نہ تھے۔ صرف اُن کے مذہب حقہ کے ماننے اور اُس کی معرفت کا نام جنت تھا اور اُس کے مذہب سے انکار کرنے اور اُس کے اصول سے جاہل رہنے کا نام دوزخ۔ ملائکہ سے اُن کے اعتقاد مین ہر وہ شخص مراد تھا جو عارف حق اور اپنے نفس کا مالک ہو۔

اگرچہ حضرت علیؑ خود بھی ابن ابی طالبؓ تھے مگر چونکہ اکثر طالبیون (اولادِ ابی طالب) نے امامت کے دعوے کیے تھے اس لیے اُن کے نزدیک تمام طالبیون اور عباسیون کا قتل کرنا موجب ثواب اُخروی تھا۔ خلاصہ یہ کہ دین اسلام اور خلافت عباسیہ دونون کے استیصال کا پورا پورا سامان کیا گیا تھا۔ اور جب تحقیق و تفتیش کے بعد یہ مسائل اور عقائد لوگون کو معلوم ہوئے ہون گے اور دربار خلافت مین فقہا و علما کے سامنے پیش ہوئے ہون گے تو واقعی بڑا لطف

آیا ہو گا۔

ان لوگوں کے مقدمہ کی تحقیقات خاص الراضی باللہ کے دربار میں ہوا کرتی تھی جس میں صحبت شاہی میں رہنے والوں قاضیوں اور مصنفین کے علاوہ سرداران فوج بھی شریک ہوتے تھے۔ آخر فقہا نے فتوے دے دیا کہ ایسے بے دین شخص کو قتل کرنا سلطنت کے لئے واجب ہے۔ چنانچہ ابن القراقر شلمغانی اور اُس کے مرید ابن ابی عون جس نے سر دربار تہدید سے مجبور ہو کر شلمغانی کی ڈاڑھی کا بوسہ لے کے اُسے اپنا خدا اور اپنا رازق بتایا تھا دونوں ۳۲۲ھ کے ذی القعدہ میں بمقام بغداد قتل کئے گئے۔ اور جب ان بدبختوں کی زندگی کا خاتمہ ہو چکا تو دونوں کی لاشیں دار کے حوالے کی گئیں۔ اُن کے متبع بجائے اس کے کہ ۴۸ سال گزرنے کے بعد اس دن کا جلوہ دیکھیں جس دن شریعت محمدی کو مٹانے والوں کی تضحیک کی جائے گی اور شریعت مرتضوی جاری ہو جانے والی تھی بھاگ بھاگ کے منہ چھپانے لگے۔

شلمغانی کا عزیز حسن بن قاسم رقہ میں تھا۔ راضی باللہ نے آدمی بھیج کے اُسے بھی قتل کرا دیا۔ اور اُس کا سر عبرت روزگار ہونے کے لئے بغداد میں لایا گیا۔

مانا کہ مذہب یا مذہب میں اندرونی بدعتیں پیدا کرنے والے بہت سے گزرے ہیں مگر ابن القراقر شلمغانی کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقط پولیٹیکل انتشار پسند اور خیال کا فلسفی ہی نہ تھا بلکہ اول درجہ کا شہوت پرست بدمعاش بھی تھا جس کی سب سے بڑی آرزو یہ تھی کہ دنیا شہوت پرستی اور زناکاری کا گھر بن جائے۔

وہ!

"ہم اور" "تم" کی داستان ہم ناظرین دلگداز کو سنا چکے ہیں۔ اب "وہ" کی باری ہے۔ لوگ کہتے ہیں اور نحویین بھی جو زبان کے نکات و رموز کے شناسا ہیں دعویٰ کر رہے ہیں کہ تین پرسن (اشخاص) ہیں۔ ہم تم اور وہ۔ لیکن غور سے دیکھو تو "ہم" اور "تم" سب مٹ جانے والے ہیں۔ ایک باقی رہنے والا "وہ" ہے

لہذا "وہ" ہی اصل ہے۔ اور جو کچھ ہے "وہ" ہی ہے۔

اہل تصوف جوش وحدت میں کہہ اُٹھے تھے "ہم" یا "میں"۔ منصور کی صدائے "انا الحق" آج تک عارفین کے کانوں میں گونج رہی ہے۔ "ہم" میں اگر طریقت تھی تو "وہ" میں شریعت ہے۔ "ہم" وحدت وجود تھی۔ اور "وہ" وحدت شہود۔ سچ یہ ہے کہ جوش محبت سے بیتاب ہو کے اگر کسی نے "ہم" کا غل مچا دیا تو یہ اُس کی بیتابی کا تقاضا تھا۔ ورنہ اصل میں یہ ایک بڑی بھاری غلطی تھی۔ کیونکہ جس کو وفور محبت سے ہم نے "ہم" یا "تم" کہہ دیا وہ اصل میں نہ "ہم" ہی تھا اور نہ "تم" ہی۔ بلکہ وہ "وہ" تھا۔ اور جہاں تک تحقیق و غور سے کام لیجئے وہ ہی وہ ہے۔

ہم سے اُس سے نسبت ہی کیا؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ ہم خاک اور "وہ" پاک۔ ہم ظلمت اور "وہ" نور۔ ہم زمین پر اور "وہ" آسمان پر۔ ہم یہاں اور "وہ" وہاں۔ بھلا کوئی بھی نسبت ہے؟

عالم میں حقیقت اسی "وہ" نے ہلچل ڈال رکھی ہے۔ جب تک "ہم" "تم" اور "وہ" کی تفریق نہ تھی۔ یہ تشخصات نہیں قائم ہوئے تھے۔ اور اپنے پرائے کا امتیاز نہ تھا۔ اُس وقت تک عجب خموشی سکون و سکوت اور اطمینان و فارغ البالی کا عالم تھا۔ نہ ما و شما کا جھگڑا تھا۔ نہ انانیت کے دعوے تھے۔ اور نہ یہ روز روز کی تُو تُو میں میں۔ وصال بحت اور تجرد محض کا سماں تھا۔ اور سچ یہ ہے کہ اُسی وقت تک کچھ لطف بھی تھا۔ اگرچہ "وہ" ہی "وہ" تھا مگر ایسا "وہ" کہ ما و شما کے نہ ہونے سے اُسے وہ بھی نہ کہہ سکتے تھے۔ اختیار تھا کہ چاہیں اُسے "وہ" کہیں چاہیں "ہم" کہیں۔ اور چاہیں "تم" کہیں۔ نہ یہ تھا کہ "ہم" کہہ دینے پر سر کاٹا جاتا ہو۔ اور نہ ایسا تھا کہ "وہ" کہہ دینے سے کسی کے نزدیک کافر قرار پاتے ہوں۔

مگر آہ! اُس غیر ہشیار "ہم" اور "وہ" اور "تم" کو اُس خموشی و بیکاری میں چین نہ آیا۔ تجرد کی سنسان بستی میں بھلا نہ بیٹھا گیا۔ طلسم خانۂ ہستی کے قفل میں "کن" کی کنجی پھری۔ بازیگر قدرت کا پٹارہ کھلا۔ ساتھ ہی "ہم" "تم" کی صورتیں نکل کے نیچے آ گریں اور "وہ" اپنے عرش کے اوپر اسی شان سے اور اتنی بلندی پر نمودار ہوا کہ سب ما و شما کی نظریں اوپر اٹھ گئیں۔ مگر وہاں دیکھا تو بُعد کا دھندلکا تھا۔

اور یہ "وہ" سے تو چہرے پر نقاب پڑی ہوئی تھی - یہاں تک کہ [illegible] آتش نور کی شعاعیں نکل گئے [illegible] اپنی حرارت [illegible] - [illegible] سے [illegible] کے [illegible] ہوتی تھیں -

[illegible] اور [illegible] اور [illegible] والاول [illegible] عشاق [illegible]

[illegible] اس لیے [illegible] کی [illegible] اور [illegible] کا [illegible] "وہ" [illegible] کہ "وہ" کے سوا کسی چیز [illegible] باقی [illegible] اگر [illegible] شکوۂ فراق ہے تو "وہ" کا - دل میں [illegible] تو "وہ" - آنکھوں کے سامنے [illegible] تو "وہ" [illegible] تو "وہ" [illegible] تو [illegible] کا جلوہ [illegible] - اور جو کچھ ہے "وہ" ہی "وہ" ہے - ہم "وہ" کے لئے ہیں - اور "وہ" ہمارے لئے -

ہم پر "وہ" کی محبت اس قدر طاری ہے کہ سوا "وہ" کے ہمیں کچھ نظر ہی نہیں آتا - [illegible] "وہ" کی آمد ہے - [illegible] پھولوں میں "وہ" کی بو آرہی ہے [illegible] ستارہ تاباں کا جلوہ دکھا رہا ہے - نرگس "وہ" کی چشم نشان ہے - سنبل "وہ" کی کاکل پیچاں ہے - غرض جدھر دیکھو "وہ" کا جلوہ نظر آرہا ہے -

اس [illegible] "وہ" اے پیارے "وہ" دلدار "وہ" ناز آفرین "وہ" ہمیں بس تو ہی چاہیے اور کچھ نہیں - تیرے سوا ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں - ایک "وہ" مل جائے تو پھر ہمیں کسی کی پروا نہیں - مدعا یہ کہ "وہ" ہو "ہم" نہ ہوں - بلکہ ہم بھی نہ ہوں اور صرف "وہ" ہی "وہ" رہ جائے -

---

مائل کی آرزو

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مائل کی [illegible] خدا [illegible]

عاشق [illegible]

شاعر [illegible]

[illegible] قیس [illegible]

اس عالم میں جتنی امیدیں، تمنائیں [illegible]

[illegible] واقعات زمانہ [illegible]

تمنا اس [illegible]

وہ آرزو [illegible] ایک [illegible]

[illegible]

[illegible] کہتے ہیں وہ اشعار کہہ چکے [illegible] آرزو [illegible]
[illegible] لوٹ [illegible]

[illegible] عاشق
[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] اُٹھا [illegible]

[illegible] جفا کی مشق [illegible] اکثر کرتے
[illegible] قلبی تمنا
[illegible] ہے

[illegible] حاصل کرتا ہے عاقل [illegible] ہماری آرزو
[illegible] جس قدر حسرت
[illegible] عاشق [illegible] ہے -
[illegible] فرماتے ہیں حضرت مومن [illegible] کس قدر [illegible] ہے -

آہ [illegible] گرچہ اک مدعا نہیں ہوتا

[illegible] حسن و عشق کی دنیا میں وہ [illegible] اور چہل پہل ہی
[illegible] عشق کی شمع کو چراغ آرزو ہی روشن کیا کرتا
[illegible] تمنا کا ہی جلوہ نظر آتا ہے حسینوں کی
[illegible] عقیدہ جگر [illegible] کی گرم جوشی
[illegible] گریہ [illegible] حسن میں دلربائی کی شان وہی
[illegible]

راقم
سید نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی

گورِ غریباں

مرقدِ تنہا یہ بستی میں تو ہے کس کا مزار — کس شہیدِ ناز نے آکر بسایا یہ شہرِ مزار
ہے ترے آغوش میں کس موسمِ گل کی بہار — کس کے قدموں سے ہی تو آباد ہے اڑتا ہے غبار
ڈھیر مٹی کا ہے پر آئینۂ عبرت ہے تو — خاک کا تودہ ہے پر گنجینۂ حسرت ہے تو

اے مزارِ عاشقِ شیدا! ترا کیا حال ہے؟ — داغ جو ہے شوقِ حسرت تو کیا یہ تیرا حال ہے
کچھ عجب حسرت بھرا عبرت افزا حال ہے — یک مرقعِ یاس کا تیرا سراپا حال ہے
کس مپرسی سے تری کیا جسم ہوا جاتا ہے دل — تیرے حالِ زار سے منہ کو چلا آتا ہے دل

کہہ تو اے آغوشِ تربت کون ہے تجھ میں نہاں — کون ہے وہ یاس و حرماں کی مصیبت کا نشاں
وہ ستم کشتہ کون تھا مرہونِ غمہائے نساں — بسملِ شمشیرِ ابرو تھا کوئی کیا نوجواں
کس کو پہلو میں لئے بیٹھا ہے اے کنجِ مزار — کس کی چشمِ ناز کا مقتول تھا یہ جاں نثار؟

لوحِ تربت کا نوشتہ دے رہا ہے کچھ نشاں — گیسوؤں والا یہ تھا کوئی مگر رشکِ بتاں
حسنِ عالم سوز تھا اس کا تماشائے جہاں — اس کا در تھا اہلِ الفت کے لئے بابِ الاماں
دلبرِ رعنا یہ تھا زیبِ ملاحت کانِ حسن — جلوۂ روئے دل آرا سے عیاں تھی شانِ حسن

گوشۂ مرقد! نہاں تجھ میں ہے وہ کانِ ہنر — جانتے تھے اہلِ حرفت سب جسے جانِ ہنر
دم قدم سے تھی اسی کے جلوہ گر شانِ ہنر — مانتے تھے اس کو سارے رمز دانانِ ہنر
ہائے ایسا اہلِ حرفت زیرِ تربت آج ہے — کشورِ تدبیر و اقلیمِ ہنر تاراج ہے

مختصر سا تو یہاں کس کا ہے اے تازہ مزار — لالہ و گل خون کی شبنم سے کیوں ہیں جوئبار
شمعِ بالیں ہے سرِ تربت الم سے اشکبار — سبزۂ خاکِ لحد ہے جوشِ غم سے سوگوار
کس کے باغِ آرزو کا یہ گلِ امید ہے — کس گلستانِ طرب کا غنچۂ جاوید ہے

ناشگفتہ گل ہے یہ کس گلستانِ یاس کا — ماہتابِ منخسف کس آسمانِ یاس کا
ہے خموشی میں نشاں جس کے بیانِ یاس کا — ہے قیامت خیز عالم پر فغانِ یاس کا
کس کے باغِ آرزو کو تو نے ویران کر دیا — کس کے شاداں دل کو گنجِ یاس و حرماں کر دیا

ہے تری آغوش میں کس غمزدہ کی جانِ جاں؟ — گود میں تیری ہے کس مغموم کا ارمانِ جاں؟

تیرے پہلو مین ہے کس ناشاد کا سامان جان؟ کس پہ ارمان کا ہوا تو باعثِ حرمان جان؟
کس کو پیشانے گلے سے تو ہوا اے خاک مزار گردبر شوق و تمنا کا کیا ہے کس کو بار

سبزۂ خودرو جو یان تو ان گلون کی ہر قطار لالہ و نسرین جو یان تو نسترن کی دان بہار
پھول بھی تجھ پہ چڑھا جاتا ہے کوئی دلفگار خندۂ گل ہے ترا راز نہان سب آشکار
کچھ ہوا اے تربت نگ بیکس تو ہر تصویر حزن گر رہی ہے دل پہ اتر تیرہ میری تاثیر حزن

بدر الزمان۔ کلکتہ

غرائب الجمل

شمس العلما نواب عزیز جنگ بہادر اگرچہ پنشن یاب ہو چکے ہین مگر ریٹائر ہونے کے بعد جیسی مستعدی و سرگرمی کی زندگی وہ بسر کر رہے ہین۔ اور سلطنت کی خدمت سے سبکدوش ہو کے جیسی قومی خدمتین وہ بجا لا رہے ہین ویسی زندگی اور ویسی خدمتین خدا ہر مسلمان کو نصیب کرے۔ نواب صاحب ممدوح کی سی بےچین طبیعت کے لوگ بہت کم ملین گے۔ اس لئے کہ اُن سے بے کچھ کئے نہین رہا جاتا۔ اور نہ اپنی کوئی قیمتی گھڑی بےکار خرچ ہونے دیتے ہین۔ تصنیف و تالیف کی دنیا مین اُنھون نے خاص ناموری حاصل کر لی ہے۔ اُن کے متعدد سابقہ تصانیف مین سے بعض ایسے ہین جو اپنی عملی تعلیمون کے لحاظ سے مختلف طبقات نوع انسانی کے نہایت سودمند اور بالکل ضروری ہین۔

ممدوح اپنی کتاب غرائب الجمل کا ایک زمانے سے وعدہ فرما رہے تھے اور اُن کے وعدون نے پبلک مین بے انتہا شوق پیدا کر رکھا تھا۔ بڑے انتظار کے بعد وہ کتاب ہمارے ہاتھ مین آئی۔ اور اُسے سچ یہ ہے کہ ہم نے اپنے خیال اور اپنی امید سے زیادہ پایا۔ فن جمل سے مراد حروف ابجد کے ہم وزن اعداد قائم کرنا اور اُن کی ترتیب سے تاریخی فائدہ اُٹھانا ہے۔ اس فن مین اس سے پیشتر کوئی کتاب اس پایہ کی نہین لکھی گئی۔ نواب صاحب نے سچ یہ ہے کہ کثیر التعداد تصانیف قدیمہ پر

نظر ڈالی ہے۔ اور اُن کتابوں سے بھی فائدہ اُٹھایا ہے جن کو فن مذکور سے کوئی علاقہ بھی نہ تھا۔ زبانِ اردو کے ماہروں اور فنِ شعر میں ذوق رکھنے والوں کو اس کتاب سے ضرور فائدہ اُٹھانا چاہیے کیونکہ ہمارے خیال میں اب آئندہ کوئی شخص تاریخ گوئی میں اُس وقت تک باکمال تسلیم کیا جائے گا جب تک اس کتاب پر بالاستیعاب نظر نہ ڈال چکا ہو۔

پبلک کو ہمارے شمس العلما کی سعی مشکور کا بے انتہا شکر گزار ہونا چاہیے۔ کیونکہ اسی قسم کی تصانیف میں جو آئندہ سرزمین دکن میں اردو کی اصلاح کریں گی اور شاید یہی ملک دکن کو جس طرح کہ وہ پہلے اپنی اردو شاعری کا منشاء و موطن تھی آئندہ بھی اردو کا مرجع و مامن بنا دیں۔

ہم نے عدیم الفرصتی کے باعث اس کتاب پر جستہ جستہ نظر ڈالی۔ اور اسے نہایت ہی مکمل و مستوعب پایا۔ اور نواب عزیز جنگ بہادر کو اُن کی کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں

صفحہ ۱۴ میں جہاں نواب صاحب نے اپنے ماخذوں کی فہرست درج کی ہے ہمیں ایک شبہ بھی ہوا کیونکہ چھٹے نمبر پر کتاب "تاج العروس" میں جواہر القاموس کو امام بیہقی کی تصنیف بتا دی گئی ہے۔ یہ کتاب قاموس کی شرح ہے۔ اور امام بیہقی قرون اولیٰ کے ائمۂ تصنیف میں سے ہیں۔ جو مصنف قاموس سے بہت پہلے تھے وہ قاموس کی شرح کیونکر لکھ سکتے تھے؟ تاج العروس علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی کی تصنیف ہے جو شاہ ولی اللہ دہلوی کے شاگرد تھے۔ اور مصر میں سکونت اختیار کر کے وہاں کے مستند و مشہور علما میں شمار ہوئے شاید سید مرتضیٰ زبیدی یمنی کے لقب سے مشہور ہوئے تھے۔ غالباً یہ کاتب کی غلطی ہو۔

غرایب الجمل ایک ضخیم کتاب ہے۔ ۸ ۲۰ × ۲۶ پیمانے کے ۸۸۴ صفحوں پر ختم ہوئی ہے۔ کاغذ کھرا اور گندہ ہے چھپائی ٹائپ کی خوشخط روشن ہے۔ [illegible] مجلد کتاب آئی ہے۔ قیمت [illegible] روپیہ [illegible] اس کی ضخامت کے تناسب سے جن لوگوں کو اردو زبان کا اچھا مذاق ہو وہ اس کتاب کو جناب مصنف سے "عزیز باغ۔ سلطان پورہ حیدرآباد دکن" کے پتہ پر درخواست کر کے طلب فرمائیں۔

سوز وطن

ایک ننھی سی ۹۶ صفحون کی کتاب ہے جس مین منشی نواب رائے صاحب نے اپنے تصنیف کئے ہوئے چھوٹے چھوٹے پانچ قصے جمع کر دئے ہین۔ یہ قصے اہل وطن مین حب وطن کا جوش پیدا کرانے کے لئے لکھے گئے ہین۔ لیکن اس بے احتیاطی کے ساتھ کہ جا بجا ان سے باغیانہ خیالات اور ایکسٹریمسٹ پارٹی کے مذاق کی بو آتی ہے۔ ہم اس قسم کی بے نتیجہ شورش کے سخت مخالف ہین۔ اور ایسی دوستی کو ہندوستان کی دوستی نہین سمجھتے۔ اگر چند اور آدمیون کو پھانسی پر لٹک جانے پر آمادہ کر دیا تو ہندوستان کو اس سے کیا مل جائے گا۔ خدا ہندوستان کو اپنے نا سمجھ دوستون سے بچائے۔ جنھون نے اپنے دوستون کی علمی ترقیون کو خاک مین ملا کے آئندہ کے لئے تعلیم کا بھی سد باب کرا دیا۔ قیمت کچھ نہین صرف ۴۰ ر ہے۔ زبان اچھی اور شستہ ہے۔ اور طرز بیان موثر۔ جن حضرات کو ایسے لٹریچر کا شوق ہو ایڈیٹر صاحب زمانہ کو کانپور مین خط بھیج کے طلب فرمائین۔

جہنم سے پہلا خط

یہ بھی ایک چھوٹی سی ۴۸ صفحہ کی کتاب ہے۔ اور قیمت صرف ۲۰ ر ہے جسے منشی شہاب الدین احمد خان صاحب ہیڈ کلرک جیل ریاست رام پور نے انگریزی سے ترجمہ کر کے شایع کرایا ہے۔ اور انگریزی مین بھی ترجمہ ہی ہے۔ اصل کتاب شاید جرمن مین لکھی گئی ہے۔ ہم نہین سمجھ سکتے کہ مترجم صاحب نے کس مصلحت سے اصلی مصنف کا نام کہین نہین بتایا ہے۔ کتاب بجائے خود اچھی ہے۔ کیونکہ یہ لامذہبی کی تردید اور مذہب کی حمایت مین ہے اس کا دلچسپ پلاٹ یہ ہے کہ ایک شخص دوزخ سے اپنی حالت اور اپنی بداعمالیون کے نتائج کی کیفیت لکھتا ہے۔ ترجمہ کی خوبی داد کے اس لئے مستغنی ہے کہ آنریبل جسٹس سید شرف الدین صاحب نے

ہائی کورٹ کلکتہ نے اصل سے مقابلہ کرکے ترجمہ کو مطابق پایا اور اُس کی تعریف کی رہے مضامین اُن کی نسبت ظاہر ہے کہ ہمارے بگڑنے والے تعلیم یافتہ نوجوانون کے لیئے ایسے تازیانون کی بلے انتہا ضرورت ہے۔

تاہم مین اتنا ضرور کہون گا کہ ہر قوم اور ہر مذہب اور ہر معاشرت کا ہر امر مین ایک آیڈیل ہوا کرتا ہے جو دوسری قوم اور دیگر مذہب والون کی نظر مین غیر مانوس ہوتا ہے اس کا مابعد الموت کا آیڈیل مسلمانون کے آیڈیل سے ذرا جداگانہ ہے۔ اور اُسی حد تک مسلمانون پر اُس کا اثر بھی کم ہوگا۔ اس کتاب سے جتنا فائدہ ایک مسیحی بچہ اُٹھا سکتا ہے مسلمان بچہ نہین اُٹھا سکتا۔ پھر بھی نوجوانون کو اس کے مطالعہ کی ضرورت ہے۔ مصنف صاحب کو مذکورہ بالا پتہ پر خط بھیج کے طلب فرمائین

قدر دانان دلگداز

دلگداز کے گیارہ نمبر آپ کی خدمت مین پہونچ گئے۔ اور دو چار ہی روز مین بارھوان نمبر بھی حاضر ہوگا۔ جو بتا دے گا کہ سنہ ۱۹۰۹ء مین دلگداز مین کیسی اصلاحین کی گئی ہین اور جنوری کا پرچہ کس ترقی کے ساتھ نکلے گا۔ مگر اس موقع پر اتنا التماس کرنا ضروری ہے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۹۰۸ء کا چندہ براہ کرم منی آرڈر کے ذریعہ سے جلد ارسال فرمایئے۔ ہم نے محض اشاعت کی بدنظمی کے خیال سے اپنی عادت کے موافق کوئی پرچہ وی۔پی نہین بھیجا۔ لہٰذا اب چونکہ ختم سال ہے اور دلگداز پوری خدمت بجا لا چکا آپ خود ہی چندہ ارسال فرما کے رہین منت فرمائین۔ تاکہ آئندہ اصلاحون مین مدد مل سکے۔ امید ہے کہ ہمارے قدر افزا احباب ضرور توجہ فرمائین گے۔

خاکسار

محمد فاروق منیجر دلگداز

جو خاندانی شرافت کے زیور سے آراستہ ہون۔ اگرچہ اُنھون نے تسلیم کرلیا کہ امتحان مقابلہ کو بہ لحاظ لیاقت لوگ پسند کرتے ہین مگر اس سے پہلے ہی کہہ دیا کہ "نامزدگی (ایلکشن) کا طریقہ نہایت مفید ہے" یعنی بجائے اس کے کہ ہندوستان مین امتحان مقابلہ جاری کیا جائے یہی مستحسن ہے کہ اعزاز خاندانی کا لحاظ رکھا جائے اور ذمہ وار حکام خود ہی اپنی جانچ اور پسند سے لوگون کو منتخب کرلیا کرین۔ اور یہان تک کہہ دیا کہ انگریزی دانی اور عام قابلیت کی جانچ خود حکام ضلع اور کمشنر اور لفٹنٹ گورنر بہادر فرما سکتے ہین۔

اگر اسی اصول پر عمل کیا جاتا۔ اور ادھر سے اُس سرزمین کی رائے جو بہت سے تجربات کا ست تھی دستورالعمل بنائی جاتی تو ہرگز وہ دشواریان نہ پیش آتین جو بعد کو ظاہر ہوئین۔ اور جنھون نے آج کل سارے ہندوستان مین ایک ہل چل ڈال رکھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ انگریزی گورنمنٹ کے مرکز دہلی و لکھنؤ تھے جو عالی خاندانون اور نامور آباواجداد کی یادگارون سے آباد تھے۔ گورنمنٹ کے مرکز کلکتہ اور بمبئی وغیرہ تھے جہان پرانی شرافتین مٹ چکی تھین۔ نوخیز لوگون کا زور تھا۔ اور تجارت پیشہ اور اہل حرفہ لوگون کی کثرت تھی۔ اس لئے ضرور تھا کہ مقابلہ اور امتحان مین کامیاب ہونے والون کو پُرانے شرفا پر ترجیح دی جائے۔ آغائی صاحب نے اس سے صاف الفاظ مین اختلاف ظاہر کیا تھا۔ مگر اس کا لحاظ نہ کیا گیا۔ اور ہندوستان مین روز بروز ایجیٹیشن اور یونیورسٹی کی ڈگریون پر تقررات اور ترقیون کا دارومدار رہ گیا۔ اور اس کا یہ لازمی نتیجہ تھا جو اب ظاہر ہو رہا ہے۔

یہ امر آغائی صاحب کے خلاف تھا کہ سول سروس کا امتحان انگلستان ہی مین ہو۔ اس مسئلہ مین سرسید کی رائے بالکل اُن کے مخالف تھی۔ کیونکہ سرسید اس امتحان کا انگلستان ہی مین ہونا مناسب خیال کرتے تھے۔ لیکن تمام ہندو پالیٹیشن اور نیز پرانے خیال کے اکثر مسلمان سید صاحب کے خلاف تھے۔ اور وہی رائے رکھتے تھے جو آغائی صاحب کی تھی۔ سید صاحب کے پیش نظر یہ امر تھا کہ مسلمان دولت محنت جفاکشی مستعدی اور تجارتی وغیرہ مین

کسی امر مین ہندوؤن کا مقابلہ نہین کر سکتے۔ اور غدر ہو سنے کے بعد جو رنگ تلرآرہا تھا اُس کا قطعی تقاضا یہ تھا کہ مسلمان چند روز مین مٹ کے بالکل ادنیٰ درجہ کو پہونچ جائین۔ اور شرافت و امارت دونون چیزین اُن کے ہاتھون سے نکل جائین۔ اگر سول سروس کا امتحان بھی ہندوستان مین ہوا تو جس طرح دیگر امتحانون مین مسلمان ہندوؤن سے مغلوب اور پامال ہو سنے جاتے ہین سول سروس کے امتحان مین بھی پامال ہو جائین گے۔ ہان اگر امتحان انگلستان مین ہوا تو مذہبی قیود کی وجہ سے ہندو لوگون کو سفر کرنا دشوار ہو گا۔ اور مسلمان امیرزادون کو بمقابلہ اُن کے سہولت ہوگی۔ غالباً یہی خیال تھا جس کی بنا پر سید صاحب نے اس مسئلہ مین ہندوؤن اور ظاہر بین مسلمان اہل الرائے سے اختلاف کیا۔ آغائی صاحب کو بھی اگر یہ خیال دلا دیا جاتا تو وہ بھی سید صاحب کے ہمراے ہوتے۔ اُنھون نے مسئلہ کے ظاہری رخ پر نظر ڈال کے جو راے دی اُس سے اُن کی آزاد مشربی اور بے لوثی کا پورا ثبوت ملتا ہے حکام نے ازراہ قدر دانی اُنھین ابتدا ہی مین میونسپل کمشنر مقرر کر دیا تھا۔ اور میونسپل کمیٹی مین اُن کی راے ایسی آزادانہ اور باوقعت ہوا کرتی تھی کہ حکام اور جملہ اراکین اُس کی طرف خاص توجہ کرتے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اُن کا شمار ہمیشہ کمیٹی کے اعلیٰ ترین اور صاحب اثر ممبرون مین رہا۔

افسوس کہ ہمارے پاس اُن کے کارنامون کی کوئی فہرست موجود نہین ہے۔ ورنہ بہ تفصیل بتا دیتے کہ کن کن پولٹیکل امور مین اُنھون نے کیا پارٹ لیا۔ لیکن اُن کے نام پر یوروپین حکام کی جو چٹھیان موجود ہین اُن سے پتہ چلتا ہے کہ حکام اپنی راز کی باتین اور اپنی اندرونی پالسی اُن پر ظاہر کر دیا کرتے تھے۔ اور خواستگار ہوتے تھے کہ وہ بھی اپنی سچی راے آزادی سے دین۔ اور اگر سرکاری پالسی کو پسند کرتے ہون تو اُس کے مناسب اور موافق کوشش کرین۔

اور یہی اعتبار تھا جس کی مدد سے آغائی صاحب نے شہر کے تمام امرا اور شاہزادون کی طرف سے انگریزون کے دل صاف کر دیے۔

اگر ضرورت ہوئی تو اُن کو خود لے جا کے ملایا۔ اور باور کرا دیا کہ ان لوگون کی علیحدگی اور عزلت گزینی کے اسباب اُن کی سرکشی یا مخالفت نہین بلکہ وہ لوگ ہر معاملہ مین جو الگ رہا کرتے ہین اُس کا یہ سبب ہوکہ نہ اپنے آپ کو انتظام کرنے اور ملکی پالٹکس مین دخل دینے کے قابل پاتے ہین اور نہ انگریزی زبان و معاشرت سے آشنا ہین کہ نئے حکام اُن کی طرف توجہ کرین۔

اُنھون نے اس بات کی بھی کوشش کی کہ ممالک متحدہ مین سب سے پہلا شہر اور گورنمنٹ کا مستقر لکھنؤ ہی رہے۔ یا کم سے کم یہ ہو کہ صوبۂ اودھ ممالک متحدہ سے الگ رکھا جائے اور اُس کا مرکز حکومت لکھنؤ رہے جیسا کہ ابتدائی انتظام مین تھا۔ چنانچہ مسٹر رسکن جو اُن دنون ان ممالک کے ایک اعلی افسر اور آغا ؔ صاحب کے دلی دوست تھے۔ اُنھین اپنی ایک چٹھی مورخہ ۲۴ جنوری ۱۸۷۷ء مین لکھتے ہین:-

یقین ہے کہ آپ نے دربار دہلی کے کل حالات سُنے ہون گے۔ اگر آپ بھی وہان میرے ساتھ ہوتے تو مجھے بڑی ہی خوشی ہوتی۔ لیکن آپ کا دل تو اور ہی طرف لگا ہوا تھا۔ اب لکھنؤ مین کوئی علیحدہ چیف کمشنر نہین ہے۔ آپ کے قدیم دوست سر جارج کوپر چیف کمشنر بھی ہوگئے اور وہی لفٹنٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی (جس ملک کا نام اب ممالک متحدۂ آگرہ و اودھ قرار دیا گیا ہے۔) بھی ہین۔ وہ سال کا ایک حصہ لکھنؤ مین بسر کیا کرین گے اور مین اپنے قیاس سے کہتا ہون کہ لکھنؤ کی نسبت الہ آباد مین شاید زیادہ رہین گے۔ اور کوئی نیا انتظام بالفعل نہین ہونے والا ہے۔ سر جارج کوپر مثل سابق اپنے سکرٹریون کو لکھنؤ مین چھوڑ جایا کرین گے۔ اور اُن کی عدم موجودگی مین اُن کے اقتدارات سکرٹری کے ہاتھ مین رہین گے۔ جوڈیشل لکھنؤ مین بدستور قائم رہے گی۔ میری ذاتی رائے یہ ہے کہ لکھنؤ کے لئے یہ انتظام اچھا ہوا۔ لیکن بہت سے لوگ اس کو پسند نہین کرتے جیسے کہ آپ بھی اس انتظام کو ناپسند فرماتے ہین۔ مجھ کو امید ہے کہ ہم لوگ لکھنؤ کو مثل الہ آباد کے گورنمنٹ کا صدر مقام دیکھ سکین گے۔ اور میرا خیال یہ ہے

کہ ممالک مغربی و شمالی کا نام موقوف ہو کے اُس کے بدلے "گورنمنٹ اودھ" نام قرار پائے۔ آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں۔ کیا آپ کی رائے میں یہ اچھا نہ ہوگا؟"

اس چٹھی میں مسٹر رسکن لکھتے ہیں "اگر آپ بھی یہاں (دربار دہلی میں) میرے ساتھ ہوتے تو مجھے بڑی ہی خوشی ہوتی۔ لیکن آپ کا دل تو اور ہی طرف لگا ہوا تھا۔" اس اور ہی طرف سے مراد کربلائے معلی اور عتبات عالیات ہیں۔ اور وجہ یہ ہوئی کہ جیسے ہی دربار دہلی کے لئے لوگ بلائے گئے اور اُس کا غلغلہ بلند ہوا آغائی صاحب نے فوراً زیارت کربلائے معلی اور سفر عراق کا ارادہ اور عزم مصمم کر لیا۔ اس میں اُن کا جو چاہے منشا ہو لیکن سچ یہ ہے کہ اس موقع پر انھوں نے ایک بہت بڑی سعادت حاصل کر لی۔ جس کی مدت دراز سے آرزومند تھے۔

اس سفر کا ارادہ ہوتے ہی سامان سفر درست ہونے لگا۔ بڑی بڑی تیاریاں کی گئیں۔ اپنے فرزند دلبند عالیجناب مرزا محمد عباس علی خان بہادر کو جو فی الحال اُن کے جانشین اور معزز و محترم امرائے لکھنؤ میں ہیں مع دیگر سات اعزا کے ہمراہ لیا۔ اور اسی تعداد کے قریب دیگر شرفائے لکھنؤ ہمراہ رکاب ہوئے۔ دربار کا زمانہ تھا۔ سارے ملک کا رخ دہلی کی طرف تھا۔ مگر آغائی صاحب اپنے مختصر دینی قافلہ کو ساتھ لے کے ذیقعدہ کی دوسری تاریخ سفر دریا پر آمادہ ہو گئے۔ کانپور تک لکھنؤ کے بہت سے امرا و اعیان شہر نے پہونچایا اور وہاں سب سے رخصت ہو کے آپ الہ آباد، جبل پور، بھوساول اور منماڑ ہوتے ہوئے بمبئی پہونچے۔ لفٹنٹ گورنر بہادر سر جارج کوپر نے ایک چٹھی گورنر بمبئی کے نام پہلے ہی سے بھیج دی تھی۔ اور مسٹر رسکن صاحب کی ایک تحریر تعارف اپنے ساتھ لے گئے تھے۔ آغائی صاحب کے ورود کی خبر جیسے ہی گورنر صاحب بمبئی کو پہونچی انھوں نے اپنے پرائیوٹ سکرٹری کو استقبال کے لئے بھیجا۔ اور آغائی صاحب مع اپنے فرزند مرزا محمد عباس علی خان بہادر کے اُن کی ملاقات کو تشریف لے گئے۔ گورنر بمبئی نہایت ہی عزت سے ملے۔ اور اُن کے سامنے

سکرٹری اور گورنر صاحب مین جو آہستہ آہستہ باتین ہوئین اُن کا ایک فقرہ مرزا
محمد عباس علی خان بہادر کے گوش گزار ہو گیا۔ جس کا مضمون یہ تھا "گویہ صاحب
نے اس جنٹلمین کو بہت ہی بڑا شخص بتایا ہے" پھر بمزید عنایت اپنے ایک
سکرٹری کو حکم دیا کہ "جہاز وغیرہ کا بندوبست یہی کر دین" چنانچہ اس بارہ مین
آغائی صاحب کو کوئی زحمت نہین اُٹھانی پڑی۔ اور گورنمنٹ کی طرف سے کل
باتون کا انتظام ہو گیا۔

آخر تاریخ مقررہ سفر آئی۔ اور پو ا جہاز نے اس خاص اُنروی کے جویا
قافلہ کو لے کے بمبئی سے لنگر اُٹھایا۔ کئی دن کے سفر کے بعد کراچی ابھی ڈیڑھ
دن کی مسافت پر تھا کہ ایک مجنون شخص ڈک پر سے سمندر مین پھاند پڑا۔ فوراً
جہاز روک لیا گیا لوگ اُس کے پکڑنے کو اُترے۔ اور وہ مجنون پھر پکڑ کے جہاز
پر لایا گیا۔ ایسے پانچ منٹ گزرے ہون گے کہ جہاز سے ایک سخت مہیب آواز
نکلی اور جہاز جو چل چکا تھا چلتے چلتے رُک گیا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ
اُس کا ایک حصہ جو تین گز مربع مین ہے ٹوٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اور
اب درستی بغیر بمبئی گئے نہین ہو سکتی۔ ۹ بجے صبح کو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ ابتدا
کچھ تدارک ہوتا رہا۔ اور لوگ منتظر تھے کہ اب چلین گے ۲ بجے شام کو قطعی
فیصلہ ہو گیا کہ جہاز اپنی جگہ سے حرکت کرنے کے قابل نہین ہے۔ چنانچہ سات
روز تک جہاز اُسی جگہ پڑا رہا۔ جب کراچی پہونچنے کا وقت معینہ گزر گیا تو کراچی
اور بمبئی دونون جانب سے اُس کی خبرگیری کے لیے جہاز روانہ کیے گئے۔ مگر
کسی کو پتہ نہ لگا اور کوئی جہاز اُس مقام تک نہ پہونچ سکا جہان وہ بے دست وپائی
کی مجسم صورت بنا ہوا سمندر مین پڑا تھا۔ اور دونون جگہ مشہور ہو گیا کہ جہاز
مذکور غرق ہو گیا۔ آخر مجبور ہو کے کپتان نے جہاز کے معلم کو مع پندرہ خلاصیون
کے کشتی پر سوار کرا کے بھیجا کہ گرتے پڑتے جا کے کراچی مین خبر کرے۔ اور
وہان سے کوئی اور جہاز لے آئے۔ اس کشتی کو اثنائے راہ مین ایک چھوٹا
سٹیمر مل گیا۔ جس کے کپتان نے معلم کی استدعا پر اُسے اپنے پیچھے باندھ کے
دو تین دن مین کراچی پہونچا دیا۔ وہان پہونچتے ہی حکام کو خبر ہوئی بٹنہ نام ایک

جہاز کو حکم دیا گیا کہ فوراً جا کے پچھیا کے مسافرون کو سوار کرا لائے - ناظم صاحب سمندر مین نہایت ہی پریشان اور خائف تھے اور باربار اُن کی زبان سے یہ الفاظ نکلتے تھے کہ "افسوس میرا سارا خاندان تباہ ہوا جاتا ہے" اس مایوسی کی حالت مین جیسے ہی پٹنہ جہاز کی صورت نظر آئی ناظم صاحب نے اُس معلم کو جو کشتی پر سوار ہو کے گیا تھا ایک بہت قیمتی دوشالہ اور کچھ نقد روپیہ انعام دیا - اور اُس کے ہمراہی خلاصیون کو بھی انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا۔

جہاز پٹنہ نے بجائے مسافرون کے لینے کے یہ کارروائی کی کہ شکستہ جہاز پچھیا کو اپنے پیچھے باندھ لیا۔ اور اسے ساتھ کھینچ کے کراچی لے گیا - کراچی پہونچنے کے بعد پچھیا کے مسافر اور جو کچھ مال و اسباب اُس پر تھا سب پٹنہ جہاز پر پہونچایا گیا۔ اور پٹنہ لنگر اُٹھا کے بخیریت تمام بصرے پہونچا۔ اور بصرے سے آغائی صاحب مع اپنے تمام ہمراہیون کے چھوٹے اسٹیمر پر سوار ہو کے دریائے دجلہ کا چڑھاؤ کاٹتے ہوئے خلافت عباسیہ کے پُرانے تاریخی شہر بغداد مین پہونچے۔

بغداد مین شاہی خاندان اودھ کے معزز و محترم یادگار - نواب اقبال الدولہ بہادر موجود تھے۔ اُنھون نے آغائی صاحب کو اپنے گھر پر بلوایا - اُن کی بہت خاطر کی - پھر انگریزی کانسل سے ملاقات ہوئی - بغداد سے بذریعۂ ٹریموے کاظمین شریفین تشریف لے گئے - جہان چند روز قیام رہا - پھر خاص آستان امام مظلوم حضرت امام حسین علیہ السلام یعنی کربلائے معلی مین گئے - محرم کے ایام ماتم و عزا خاص کربلا مین صرف کیے اور شروع محرم سے ۱۵ رجب تک اُسی خطۂ پُر انوار مین قیام فرما کے اور برکات دینی سے فیض یاب ہو کے واپس روانہ ہوئے - کربلائے معلی اور نجف اشرف مین ہزار ہا روپیہ خیرات کیا - اور مستحقین کی دستگیری فرمائی - لوگون کا بیان ہے کہ یون تو وہان سب ہی فیاضی کیا کرتے ہین مگر جس انتظام و خوبی سے ناظم صاحب نے محتاجین کی اعانت کی بہت کم لوگ کیا کرتے ہین -

یہان مرزا محمد عباس علی خان بہادر اُن کے صاحبزادۂ بلند اقبال درد گُردہ مین مبتلا ہو گئے تھے - مگر خداوند جل و علا نے اپنا فضل و کرم کیا - اُن کی صحت یابی

کے بعد سامرہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے کاظمین شریفین میں واپس آکے واپسی کے لیئے جہاز کا بندوبست کیا۔ الغرض آخر نو مہینے ان مقامات مقدسہ میں قیام فرما کے ۹ رمضان کو بغداد سے سوار ہو کے عازم وطن ہوئے۔ اور جس وقت کانپور میں ٹرین پہونچی ہے اور دور سے سواد وطن نظر آتی ہے یاران وطن کی صورتیں بھی نظر کے سامنے ہو گئیں۔ کیونکہ ممتاز الدولہ بہادر اور دیگر معزز احباب استقبال کے لیئے کانپور کے اسٹیشن پر موجود تھے۔

لکھنؤ میں آکے ناظم صاحب پھر ایک پرانے تجربہ کار ہیڈ نشین کی حیثیت سے رہنے حکام کو اپنے پختہ مغزی کے مشوروں سے نفع پہونچانے اور غریب رعایا کی خبر گیری کرنے لگے۔

اُن دنوں لارڈ نارتھ بروک سابق ویسرائے کشور ہند کی کوششوں سے ایک سوسائٹی بنام "نارتھ بروک انڈین ایسوسی ایشن" قائم ہوئی تھی۔ حکام کو ضرورت پیش آئی کہ اس ایسوسی ایشن کے لیئے امرائے لکھنؤ اور خاندان شاہی اودھ کی یادگاروں سے مدد لی جائے۔ اور نیز اُن کو دولت برطانیہ کے ایسے مساعی جمیلہ سے واقف کیا جائے۔ یہ کار خیر تھا۔ آغائی صاحب حکام کا مشورہ پاتے ہی اُٹھ کھڑے ہوئے اور کل امرائے شہر کو اُس ایسوسی ایشن کی طرف متوجہ کر دیا۔ اور اُس کے لیئے جتنا چندہ لکھنؤ سے گیا صرف آغائی صاحب کی دوڑ دھوپ اور سعی مشکور کا نتیجہ تھا۔ چنانچہ گورنمنٹ نے مختلف ذرایع سے اُن کی نسبت بے انتہا شکر گزاری کے خیالات ظاہر کیئے۔

پالٹکس میں دخل دہی کرنے اور اپنے شہری حقوق کی حمایت میں اپنے اوقات کو صرف کرنے کے ساتھ آغائی صاحب کی خاص توجہ اس جانب مبذول تھی کہ فلاکت زدہ اور تباہ شدہ خاندانی شرفائے شہر کی اعانت و دستگیری کی جائے۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اکیلے آغائی صاحب ہی تھے جنھوں نے حکام و محکومین کے فیما بین کی باہمی غلط فہمیاں دور کر کے شہر کو تباہی سے بچایا۔ لیکن اتنی ہی اعانت تباہی زدگان لکھنؤ کے لیئے کافی نہ ہو سکتی تھی۔ اس لیئے کہ اُن میں نہ زمانۂ موجودہ کی مناسب لیاقت تھی اور نہ اُنھیں ملازمت و کسب معیشت کی فکر تھی۔ جو لوگ

اعزائے شاہی واقران سلطنت رہ چکے تھے اُن سے اس بات کی امید کرنا کہ غلامی کرنے کے لئے کسی کے دروازے پر جائینگے غیر ممکن تھا۔ نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی تھی اور پُرانے گھرانے برابر مٹتے چلے جاتے تھے۔ یہ حالت دیکھ کے آغائی صاحب سے نہ رہا گیا۔ اُنھون نے ارادہ کیا کہ لکھنؤ کے شاہی اوقاف امام باڑۂ حسین آباد و نجف سے مدد لے کے ایک ایسا خیرات خانہ قائم کرائین جو خاص رئیس زادون اور فلاکت زدہ امیرزادون کے لیے ہو۔ چنانچہ اُنھین کی کوشش سے وہ خیرات خانہ قائم کر دیا گیا جس کا نام "رئیس منزل" ہے۔ اُس کے لئے علاوہ اوقاف مذکورہ سے مدد لینے کے چندہ وصول کیا گیا۔ لوگ اُس کی کفالت کی طرف متوجہ کئے گئے۔ حکام سے بے انتہا مراسلت کی گئی۔ اور آخر رئیس منزل کے لئے عمدہ صاف ستھری مکانات بن گئے۔ اور اُس مین زمانے کی مار کھائے ہوئے امیرزادے اور نواب زادے لا بسائے گئے اور اُن کے لئے حسب ضرورت ماہوارین مقرر کی گئین۔ جو سلسلہ کہ آج تک جاری ہے۔ اور لکھنؤ کے بہت سے مفلوک الحال خاندانی لوگون کی پرورش ہو رہی ہے۔

اس مین ذرا شک نہین کہ گورنمنٹ کو اس کار خیر کی جانب آغائی صاحب ہی نے متوجہ کیا۔ اور رئیس منزل کے لیے خود حکام اور تعلقداران اودھ سے لڑ بھڑ کے چندہ لیا۔ سر جارج کوپر پہلے لفٹننٹ گورنر ممالک مغربی و شمالی و اودھ ولایت سے آغائی صاحب کو اپنی تحریر مورخہ ۱۰ فروری ۱۸۸۲ء مین لکھتے ہین "مجکو یقین ہے کہ میجر ہارسفورڈ اور آپ کی مشترک کوششون سے رئیس منزل مین یوماً فیوماً ترقی ہوتی جائے گی اور مین ہمیشہ اُس کی بہبود سے اپنا خاص تعلق خاطر ظاہر کرتا ہون۔" پھر ایک دوسری چٹھی مین لکھتے ہین "مجھ یہ سُن کر افسوس ہوا کہ شہر لکھنؤ کی ایسی بُری حالت پائی جاتی ہے۔ اس مین شک نہین کہ لکھنؤ اب ویسا تو نہین ہو سکتا جیسا نوابی زمانے مین تھا۔ لیکن میری سمجھ مین نہین آتا کہ اہل شہر کیون سال بسال زیادہ مفلس ہوتے جاتے ہین" پھر اس کے بعد ۱۳ مئی ۱۸۸۸ء مین لکھتے ہین "مجکو اندیشہ ہے کہ کرنل ہارسفورڈ

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر کی تصانیف

تاریخ

نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	جنید بغدادیؒ	[illegible]
۲	ابوبکر شبلیؒ	[illegible]
۳	حروب صلیبیہ	[illegible]
۴	تاریخ سندھ جلد اول	[illegible]
۵	ایضاً جلد دوم	[illegible]
۶	خواجہ معین الدین چشتیؒ	[illegible]
۷	اسلامی سوانح عمری	[illegible]
۸	لارڈ کلیو	۱۲
۹	رسائل قیس	۳
۱۰	تاریخ بغداد	[illegible]
۱۱	ملکۂ زنوبیہ	۳
۱۲	الحکم رفاعیہ اور فلسفہ	۱۲
۱۳	اتفاقی مینہ سے آغا فی صاحب	[illegible]

جلدہائے دلگداز

نمبر	نام کتاب	قیمت
۱۴	جلد سنہ ۱۸۸۹ء	[illegible]
۱۵	" سنہ ۱۸۹۰ء	[illegible]
۱۶	" سنہ ۱۹۰۰ء	[illegible]
۱۷	" سنہ ۱۹۰۴ء	[illegible]
۱۸	" سنہ ۱۹۰۵ء	[illegible]
۱۹	جلد سنہ ۱۹۰۶ء	[illegible]
۲۰	جلد سنہ ۱۹۰۷ء	[illegible]

ناول

نمبر	نام کتاب	قیمت
۲۱	قیس و لبنیٰ	[illegible]
۲۲	یوسف و نجمہ	[illegible]
۲۳	ایام عرب ہر دو جلد	[illegible]
۲۴	فردوس بریں	[illegible]
۲۵	شوقین ملکہ	[illegible]
۲۶	ملک العزیز ورجنا	[illegible]
۲۷	منصور موہنا	[illegible]
۲۸	حسن انجلینا	[illegible]
۲۹	شہید وفا	[illegible]
۳۰	سرگذشت خدیجی	[illegible]
۳۱	بدرالنسا کی مصیبت	[illegible]
۳۲	آغا صادق کی شادی	۱۰

یہ کتابیں نہیں منشیانہ معجزات ہیں۔ آئندہ سے خریداروں کے ساتھ یہ خاص رعایت کیگئی ہے کہ جو صاحب سب کتابیں یعنی پوری ۳۲ جلدیں یکشت لیں گے انھیں مجموعی قیمت کے نصف پر دیجائینگی اور جو کسی ایک قسم کی کتابیں یعنی صرف تاریخ یا صرف جلدہائے دلگداز یا صرف ناول خرید فرمائیں گے اُن کو ایک تہائی قیمت چھوڑ دیجائیگی۔ جلدی وی پی کی درخواست بھیجئے

محمد فاروق منیجر دلگداز حیدرآباد دکن فیلخانہ

دلگداز

مشہور لٹریری اور تاریخی ماہوار رسالہ

نمبر ۱۲ بابت دسمبر جلد ۱۱ بابت سنہ ۱۹۰۸ء

بہ ایڈیٹری مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر

باہتمام

محمد فاروق منیجر دلگداز

مطبع اختر دکن حیدرآباد دکن میں چھپا

سنہ ۱۹۰۹ء اور دلگداز

سنہ ۱۹۰۸ء خدا حافظ! اور سنہ ۱۹۰۹ء مرحبا۔ مرحبا۔ تعال۔ تعال۔ میاں جانے والے جاؤ۔ مگر ہمیں بھول نہ جانا۔ تم سے بس اتنی ہی التجا ہے کہ تمھارے جریدے پر ہمارا نام ثبت رہے۔ اور یہاں آنے والے آؤ۔ مگر ذرا غریبوں کا خیال رہے۔ ساری امیدیں اور کل آرزوئیں اب تمھاری ہی ذات سے وابستہ ہیں۔ اور کامیابی کا تاج پہنانے والے یا ناکامی و نامرادی کے گڑھے میں ڈھکیلنے والے جو کچھ ہو تم ہی ہو۔ یہ نہ سمجھو کہ سنہ ۱۹۰۸ء کو جو ہم نے خدا حافظ کہہ کے رخصت کر دیا۔ تو ٹھنڈے کلیجے سے رخصت کیا ہے۔ نہ خیال کرو کہ اس نے ہمارے ساتھ کوئی اچھا سلوک کیا تھا۔ اور اب ہمیں تمھاری مزید عنایت کی ضرورت نہیں۔ نہیں ہم سے زیادہ مستحق تمھیں کوئی نہ ملے گا۔ اگر مظلوم کے حال پر رحم کرنا اور مصیبت زدہ کو آفت سے نکالنا کوئی اچھا کام ہے تو دلگداز سب سے زیادہ اور سب سے پہلے تمھاری عنایت اور تمھارے لطف و کرم کا مستحق ہے۔

ذرا اس کی سرگذشت تو سنو۔ گو یہ ایک داستان غم ہے۔ مگر داستان غم ہی مزے کی بھی ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسی ہی باتیں دل میں بھی لگتی ہیں۔ آج سے بائیس سال پہلے جب کہ یہ بیسویں صدی شروع نہیں ہوئی تھی۔ اور ایک تمھارے سابق نائب زمانہ سنہ ۱۸۸۷ء کا عمل تھا۔ دلگداز لکھنؤ سے جاری ہوا۔ اس کی اس وقت کی آب و تاب۔ چمک دمک۔ اور دلفریبی و رعنائی دیکھنے کے لائق تھی۔ اور اس کی اس وقت کی میٹھی اور دل میں اتر جانے والی باتیں سننے کے قابل تھیں۔ اس وقت یہ صرف

۱۶ صفحون کا رسالہ تھا۔ مگر وہ سولہ صفحے جن پر فقط عاشقانہ مضامین اور خیال آرائی و خیال آفرینی کے کرشمے ہوا کرتے تھے کیا کہین کہ کیسے پُر لطف پُر مذاق اور سراپا سوز و گداز ہوتے تھے۔ چند ہی روز مین اس کی دھوم مچ گئی۔ اور ہر اردو زبان مین مذاق رنگینی والا اس کا دلدادہ و شیدا ہو گیا۔ غرض ۱۸۸۷ء ہر طرح اس کے حال پر شفیق و مہربان تھا۔ اور اس سے ہم کو کوئی شکایت نہین۔

یہان تک کہ ہم نے آنسو بہا بہا کے اس سنہ کو الوداع کہی اور ۱۸۸۸ء کا خیر مقدم ادا کیا۔ وہ پہلے برس سے بھی زیادہ مہربان ثابت ہوا۔ اس کے شروع ہوتے ہی دلگداز مین ۱۶ صفحات مضامین پر ناول کے ۱۶ صفحے اضافہ کیے گئے۔ پرچہ دو جز کا ہو گیا۔ اور اس دلچسپ اضافہ سے اس کی دلچسپی و رونق اور بڑھ گئی۔ ہر طرف اس کے لئے دستِ شوق پھیلے ہوے تھے۔ انتظار کی آنکھین کسی زیبا کی طرح ہر گھڑی اس کی طرف لگی رہتی تھین۔ ۱۸۸۸ء کی مہربانیون نے اس کی بنیاد ایسی مضبوط جما دی تھی کہ اس کے بعد دو سال یعنی ۱۸۸۹ء و ۱۸۹۰ء دلگداز کے لئے شادمانی و کامرانی ہی کے برس رہے۔ ہندوستان مین ہر طرف دلگداز ہی کا چرچا تھا۔ اس وقت نہ کوئی ایسا رسالہ ملک مین جاری تھا جو دلگداز کا مقابلہ کر سکے۔ اور نہ کوئی زبان کا رسیا تھا جسے بغیر دلگداز کی صورتِ زیبا دیکھے چین آئے۔ اس کے مضامین کی ہر طرف دھوم تھی۔ اور اس کے ناول [illegible] قومی جوش اور تاریخی دلفریبیون کے ایسے نمونے تھے کہ ہر زبان پر اُن کا چرچا تھا اور ہر گھر مین اُن کا تذکرہ۔

اب ۱۸۹۱ء آیا۔ اور اس کے ماہ اپریل مین ہمین پہلے پہل ایک خاص ضرورت سے حیدر آباد فرخندہ بنیاد مین آنا اور نواب وقار الامرا بہادر کی مہربانیون سے یہان رُک جانا پڑا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ دلگداز کی اشاعت رُک گئی۔ نواب وقار الامرا بہادر اُن دنون معین المہام مال تھے۔ اور ہم سے اُنھون نے خواہش کی کہ اُن کے صاحبزادے نواب ولی الدین خان بہادر کی مشرقی تعلیم کی نگرانی کے لئے ولایت جائین۔ ہمین سفرِ ولایت کے شوق مین پرچہ اور مطبع کو بند کر کے مستعد ہو جانا پڑا۔ مگر جب ہم گھوڑے بیچ چکے تو روانگی کا مسئلہ حیزِ التوا مین پڑ گیا اور ہمارے لئے سوا سونے کے کوئی مشغلہ نہ تھا۔ اسی لیت و لعل مین جب دو سال

گئے۔ گئے تو ہم نے نا امید ہو کے ۱۸۹۳ء میں لکھنؤ سے پھر دلگداز کو جاری کر دیا۔ مگر اب یہ حالت تھی کہ ہم حیدرآباد میں تھے اور دلگداز لکھنؤ سے نکل رہا تھا لیکن اُسے شایع ہوتے صرف ۹ مہینے گزرے تھے کہ ہمیں یکایک دورہ انگلستان کا حکم ملا۔ ہم نے حکم سننے کے ساتھ ہی [illegible] بسم اللہ مجریہا و مرسٰہا کہا۔ جہاز نے لنگر اُٹھایا۔ اور دلگداز کی کشتی بیچ منجدھار میں پڑ کے ڈگمگائی اور ڈوب گئی۔

ولایت سے واپس آنے کے بعد ہم نے ۱۸۹۵ء سے پھر اُسے جاری کیا۔ لیکن گیارہ پرچے شایع ہونے پائے تھے کہ جب یہ سلسلہ سکینہ بنت حسین کی سوانح عمری پرچۂ دلگداز میں شایع ہو رہی تھی تو ملک میں ایک شور و غل پیدا ہوئی۔ اگرچہ گورنمنٹ نظام نے [illegible] کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی۔ مگر بعض لوگوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ اس مضمون کے بقیہ حصہ کو ہم ترک کر دیں۔ اور اس کی جگہ ہم دیگر مضامین شایع کریں۔ مگر ہم اس کے متحمل نہ ہو سکے۔ اور ہم نے یہ کہہ کے دلگداز بند کر دیا کہ جب سکینہ بنت حسین کے مضمون کا بقیہ حصہ شایع ہوگا تب ہی دلگداز بھی شایع ہوگا۔ اس کے بعد ہم دو برس اور حیدرآباد میں رہے اور [illegible] ۱۸۹۸ء میں ہمیں نواب وقار الامرا بہادر سے اجازت ملی کہ جب تک چاہیں لکھنؤ میں رہ کے ان کی خدمات بجا لائیں۔ چنانچہ ہم لکھنؤ آگئے اور سب سے پہلے دلگداز پہونچ کے ۱۸۹۸ء کا بارھواں نمبر شایع کیا جس میں حضرت سکینہ بنت حسین کی سوانح عمری کا باقی ماندہ حصہ تھا۔ اور اس کے بعد جنوری ۱۸۹۹ء سے پھر اشاعت دلگداز کا سلسلہ لکھنؤ سے جاری ہو گیا۔

اب یہ دلگداز اُسی آب و تاب سے نکلا۔ اور اس کے مضامین پھر اسی طرح پبلک میں ایک پھر زندہ دلی پیدا کرنے لگے۔ اب دلگداز کے تاریخی ناول لکھنے میں تاریخ کا اس قدر ذوق پیدا کر دیا تھا کہ ناولوں میں تاریخ کے ۱۱ صفحے بڑھانے کی ضرورت پیش آئی۔ اور ۱۹۰۱ء [illegible] حروب صلیبیہ کی تاریخ [illegible] شایع کرنے کا نیا سلسلہ شروع کیا گیا۔ مگر اس کو چند ہی مہینے گزرنے پائے تھے کہ [illegible] سبب الحکم نواب وقار الامرا بہادر مرحوم حیدرآباد آنا پڑا۔ دلگداز کی اشاعت کا سلسلہ پھر رک گیا۔ اور ۱۹۰۱ء میں صرف پانچ رسالہ نکل کے ناتمام پڑے رہ گئے۔ اب

حیدرآباد مین رہ کے لکھنؤ سے شایع کرنا ہمین بہت ہی دشوار اور غیر ممکن نظر آیا۔ ہمارے آنے کے تھوڑے دنون بعد حیدرآباد کی وزارت مین تغیر ہو گیا یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر اریکہ آرائے مسند وزارت ہوئے۔ اور ہم ۱۹۰۳ء کے اختتام تک یہین رہے۔ اُن دنون کچھ ایسے واقعات پیش آئے کہ دولت آصفیہ نظام سے ہمارے تعلقات ہی منقطع ہو گئے۔ ساتھ ہی ہم بھی حیدرآباد سے برخاستہ خاطر ہو گئے۔ اور قطعی ارادہ کر لیا کہ لکھنؤ مین جا کے اپنے پرانے مشاغل کا سلسلہ شروع کردین۔ اور اگرچہ نواب سلطان الملک بہادر اپنی بارگاہ سے ہماری کفالت کر رہے تھے۔ اور آخر تک کفالت کرنے کو موجود تھے۔ اور یمین السلطنت مہاراجہ مدارالمہام بہادر بھی اپنی فیاضی و کریم النفسی سے ہر طرح کا اطمینان دلا رہے تھے مگر ہمین دلگداز کے شایع کرنے اور پھر پبلک زندگی اختیار کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ کل امیدون کو چھوڑ کے لکھنؤ کی راہ لی۔ اور جون ۱۹۰۴ء سے دلگداز کو پھر جاری کر کے اس سال کی ششماہی مین ۱۹۰۱ء کی ناتمام جلد دلگداز کو مکمل کر دیا۔ اس کے بعد ۱۹۰۵ء کے اگست مین تاریخ حروب صلیبیہ مکمل ہو گئی تب مین نے اپنی تالیف کی ہوئی تاریخ سندھ کو دلگداز کے ساتھ نکالنا شروع کیا۔ جس کی پہلی جلد دسمبر ۱۹۰۵ء مین پوری ہو گئی۔

۱۹۰۶ء کے ماہ فروری سے دلگداز مین مضامین ناول و تاریخ کے علاوہ ایک سوانح عمری کے شایع کرنے کا بھی سلسلہ ڈالا گیا۔ آغائی صاحب کی لائف کے ۸ صفحہ ہر پرچہ کے ساتھ شایع ہونے لگے۔ اور پرچہ کا پورا حجم ساڑھے تین جز یعنی ۵۶ صفحون کا ہو گیا۔ ۱۹۰۷ء مین ہم کو اپنی بیماری اور اپنے بعض خاندانی صدمات کے باعث ایسی مصیبتون مین مبتلا ہونا پڑا کہ دلگداز کی اشاعت مین پھر فرق آگیا۔ اُن صدمات سے نجات ملی ہی تھی کہ مولوی محمد عزیز مرزا صاحب معتمد عدالت و کوتوالی و امور عامہ کے عالمانہ مذاق نے مہاراجہ مدارالمہام بہادر کو پھر میری یاد دلائی۔ اور محتشم الیہ کی قدرافزائی سے مین بہ حیثیت مددگار ناظم تعلیمات پھر حیدرآباد مین آیا۔ یہان آکے جب ذرا اطمینان سے بیٹھنا نصیب ہوا تو وہ اشاعت دلگداز کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جوڑا گیا۔ دلگداز نے آفات زمانہ سے

بچنے کے لیئے دولت ابد مدت آصفیہ خلد ملکہا کے دامن عافیت مین پناہ لی - اور جولائی ۱۹۰۸ء سے دوبارہ جاری کر کے دلگداز کی جو جلد ماہ جون ۱۹۰۸ء مین ناتمام پڑی رہ گئی تھی اُس کے تکملہ کی کوشش کی گئی - اور الحمد للہ کہ اِسی رسالہ پر اُس جلد کا تکملہ ہوتا ہے - اور جلد مضامین بھی یہین پوری کر دی گئی - بلکہ ناول بھی ختم ہو گیا - تاریخ سندھ کی دوسری جلد بھی مکمل ہو گئی - اور آغا خانی صاحب کی لائف بھی مختصر کر کے مکمل کر دی گئی -

اب ہمین مختصراً یہ بھی بتا دینا چاہیئے کہ دلگداز نے باوجود اِس کے کہ ڈگمگا ڈگمگا کے سنبھلا اور گر گر کے اُٹھا - اور اُس کی زندگی انقلابات عالم کی حسرتناک تصویر رہی مگر اِن ناکامیابیون پر بھی اُس نے کتنے کام کیئے - اور اردو کے خزانے مین کتنی دلچسپ اور قیمتی کتابین پیدا کر دین - علاوہ جلد ہائے مضامین کے اُس نے ۱۸۸۸ء مین ناول ملک العزیز ورجنا مکمل کیا - ۱۸۸۹ء مین ناول حسن انجلینا مرتب ہوا - ۱۸۹۰ء مین ناول منصور و موہنا - ۱۸۹۱ء مین ناول یوسف و نجمہ پانچ جز شایع ہو کے ناتمام پڑا رہ گیا تھا وہ سولہ برس بعد جنوری ۱۹۰۶ء سے دوبارہ شایع ہو کے دسمبر ۱۹۰۶ء مین مکمل ہوا - ۱۸۹۳ء مین ناول فلورا فلورنڈا شایع ہوتے ہوتے رُک گیا تھا وہ ۱۸۹۹ء مین علحدہ تمام و کمال چھاپ کے شایع کر دیا گیا - جولائی ۱۹۰۴ء سے ناول شوقین ملکہ شایع ہونا شروع ہوا تھا وہ دسمبر ۱۹۰۵ء مین مکمل ہو گیا - جنوری ۱۹۰۶ء سے ناول قیس و لبنی کی اشاعت کا سلسلہ ڈالا گیا تھا وہ اب دسمبر ۱۹۰۸ء یعنی اِسی پرچہ کی اشاعت کے ساتھ تکمیل کو پہونچتا ہے - اِن کے علاوہ تاریخ حروب صلیبیہ اور تاریخ سندھ کی دو جلدین اور آغا خانی صاحب کی لائف اِسی دلگداز کے ہاتھون اُردو لٹریچر کے دربار مین پیش کی گئین -

اگر انصاف کیجیے تو اِن ناکامیون اور ایسی پریشان حالیون کے ساتھ دلگداز کی یہ لٹریری خدمتین تھوڑی نہین - اور باوجود مر مر کے جینے اور گر گر کے اُٹھنے کے دلگداز نے انشا پردازی کی دنیا مین ایسی یادگارین نہین چھوڑی ہین جو کبھی زمانہ کو بھول سکین - اور اردو زبان کے تمام رسالون مین سے صرف

دلگداز ہی اس دعوے کا مجاز ہو سکتا ہے کہ ع "ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"
یہ دلگداز ہی کے لیئے ہے کہ اُس کے ناولون کی ہر دلعزیزی و مقبولیت اس قدر
بڑھی ہوئی تھی کہ اُن کی اشاعت مطابع کی ہوس اور پبلک کے ہجوم شوق کی
بدولت ہمارے بس اور قابو مین نہ رہ سکی۔ ہمارا کچھ زور نہ چل سکا۔ اور دلگداز
کے کارخانے کے موجود رہتے ہر جگہ اور ہر شہر کے مطابع نے بلا لحاظ ہماری
رضا و رغبت یا ہمارے بیروا کرانے کے مذکورہ بالا ناولون مین سے اکثر کو چھاپنا
شروع کر دیا۔ اور اس وقت تک اُن کے بیسیون ایڈیشن شایع ہو چکے ہین۔
اور اب بھی باوجود روک ٹوک اور منع کرنے کے لوگ حیلہ طرح طرح کی چالاکیان
عمل مین لا کے اُنھین چھاپ ہی لیتے ہین غرض یہ مقبولیت سوا دلگداز کے اور کسی اردو
رسالے کو نہین نصیب ہوئی۔

تاہم اگر غور سے دیکھا جائے تو دلگداز کی حالت بہت کچھ اصلاح طلب
ہے۔ فی الحال ہندوستان مین متعدد رسالے بڑی آب و تاب سے شایع ہو رہے
ہین۔ اُن مین ایڈیٹرون کو سوا تالیف کے اور مختلف مضمون نگارون کے
مضامین جمع کر دینے کے اور کسی قسم کی زحمت نہین اُٹھانی پڑتی ہے۔ اور دلگداز
مین جو کچھ ہوتا ہے وہ ایک خاص لٹریچر ہوتا ہے۔ اور اول سے آخر تک بجز دو ایک
چند مضامین کے جو کبھی کبھی شایع ہو جاتے ہین، سب ایڈیٹر دلگداز کے دماغ و قلم
کے ساتھ وابستہ رہتا ہے۔ اور اسی وجہ سے یہ حالت ہو گئی ہے کہ دلگداز کے
سال بھر کے پرچے مرتب ہو جانے کے بعد چاہے کتنے ہی پُر لطف ہون مگر ہر
متفرق پرچہ بالکل بیکار اور بے مزہ نظر آتا ہے۔ کیونکہ تاریخ۔ ناول۔ اور لطائف
تینون جزون کے اول و آخر کے اوراق جب تک موجود نہ ہون درمیان کا
ایک جز کسی کام کا نہین ہوتا۔ رہا البتہ اگلا ایک جزء رسالہ مین مضامین ہوا کرتے
ہین وہ اس قدر محدود ہے کہ اُس پر اچھے اور مکمل مضامین نہین آسکتے جس کا
نتیجہ یہ ہے کہ کوئی نمونہ کا پرچہ طلب کرتا ہے تو ہمین درمیان سال کا کوئی نمبر
بھیجتے شرم آتی ہے کہ جن صاحب کے ہاتھ مین جائے گا وہ سوا اس کے کہ
ناک بھون چڑھا کے ہاتھ سے پھینک دین کسی قسم کا لٹریری لطف نہ اُٹھا سکین گے

الغرض یہی نقصانات ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ اب دلگداز کی وضع و حالت بالکل بدل دی جائے۔ اور ہم نے اسلئے دلگداز کو خیال سے بھلا کے بالکل نیا دلگداز جاری کیا جائے جو چھپائی کے اعتبار سے اچھے ہونے کے علاوہ اس قابل ہو کہ اُس کے ہر نمبر سے ناظرین کو ایک جداگانہ لطف آئے۔ اور لوگ اُس کو زیادہ شوق کے ہاتھوں سے لیا کریں۔

چنانچہ اب جنوری سنہ ۱۹۰۹ء سے دلگداز کی تقطیع بجائے ۱۸ × ۲۲ کے ۲۰ × ۲۶ کر دی گئی ہے۔ اور سطر جو کہ ان چھوٹے صفحات پر ۲۵ سطروں کا تھا آئندہ ان ہی بڑے صفحات پر ۲۱ سطر کا رہے گا تاکہ خوب واضح اور روشن رہے۔ تاریخ اور لائف کا سلسلہ اب ختم کر دیا گیا۔ اور ان کے صفحات بھی مضامین کے حصہ میں شامل کر دئے گئے۔ اس طریقہ سے پورے چالیس صفحون پر مضامین رہیں گے۔ اور کوشش کی گئی ہے کہ ہندوستان کے مشہور و معروف انشا پردازوں اور جادو نگار محققوں اور فاضلوں کے مضامین کثرت سے شایع کئے جائیں۔ انھیں میں ملے ہوئے ایڈیٹر دلگداز کے مضامین بھی اسی مقدار میں رہیں گے جتنے کہ اب ہوتے ہیں۔ ان چالیس صفحون میں سے ۳۲ صفحون پر مضامین ہونگے اور ۸ صفحون پر ہندوستان کے واقعات و حالات پر دلچسپ ریمارک رہا کریں گے۔ اور ۴۰ صفحون کے بعد ۱۶ صفحون پر ایڈیٹر دلگداز کا ایک تاریخی دلچسپ ناول رہیگا۔ اس لئے کہ قدردانان دلگداز کو بغیر ہمارے کسی ناول کے پورا لطف نہ آئیگا۔ الغرض آئندہ سے مضامین و ناول ملا کے دلگداز کا حجم ۵۶ صفحون کا رہے گا۔ کاغذ بھی آئندہ عمدہ ولایتی کر دیا گیا ہے۔ اور چھپائی کے متعلق بھی مزید اہتمام کی کوشش کی گئی ہے۔

پیشتر جو تفریقیں صرف ناول صرف دلگداز صرف تاریخ یا اُن میں سے دو حصون یا مکمل پرچہ کے خرید لینے کی تھیں وہ سنہ ۱۹۰۹ء سے موقوف کی جاتی ہیں آئندہ سے پورا مکمل پرچہ دیا جائے گا۔ اور اُس کی قیمت قلمرو برطانیہ میں تین روپئے (سے) کلدار اور قلمرو دولت آصفیہ میں چار روپیہ (للعہ) سکہ محبوبیہ رہے گی۔ نہ کسی کو جداگانہ ناول دیا جائے گا اور نہ کسی کو جداگانہ حصہ مضامین۔

الغرض اے ۱۹۰۹ء تو ایسا دلگداز ہے جسے بہت کچھ ترمیم و اصلاح کر کے اور سابق سے بہت زیادہ مکمل و دلچسپ بنا کے ہم تیرے آغوش مین ڈالتے ہین - اور امید کرتے ہین کہ تو اسے اپنی یادگار تصور کر کے اس کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا - اور بجھے رخصت کرتے وقت ہم اسے بہت ترقی و عروج کی حالت پر پائین گے -

اسی موقع پر قدر افزایان دلگداز کی خدمت مین التماس ہے کہ اس سال اپنے آغوش شفقت دامن قدردان کے لیے ہوئے پرچہ کو آپ محبت شفقت کی نظر سے دیکھین گے - اور خیال کرین گے کہ اس کی ترقیان آپ ہی کی سابقہ کرمفرمائیون کا نتیجہ ہین اور اب یہ پہلے سے زیادہ آپ کے دست شفقت کا محتاج ہے -

اے وہ بزرگان قوم جو دلگداز کو اپنا اور اپنے آغوش مکرمت کا پروردہ جانتے ہو ایک اور معاملہ مین بھی آپ کی توجہ کی ضرورت ہے - آپ کو یاد ہوگا پرچہ نہ سال پیشگی ویلیو پی ایبل روانہ کر دیا جاتا تھا - مگر ۱۹۰۷ء مین محض اس خیال سے کہ اشاعت مین بدنظمی ہی ہم نے کسی صاحب کی خدمت مین وی پی نہین بھیجا اب چونکہ بارہ پرچے آپ کی خدمت مین پہونچ چکے - اور ۱۹۰۷ء و ۱۹۰۸ء ملا کے ہم نے مضامین و تاریخ ولالفت کی پوری جلدین مکمل کر کے آپ کی خدمت مین پہونچا دین اس لیے اب ہم گذشتہ سال کی قیمت مانگنے کے مستحق ہین -

اس گذشتہ قیمت کے لیے ہم پرچہ وی پی تو نہین بھیجنا چاہتے مگر امیدوار ہین کہ آپ اپنی عنایت سے اس سنہ کا چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرما کے کارخانہ کی مدد فرمائین گے تاکہ ہمین اصلاح و ترقی مین مدد ملے - ۱۹۰۹ء کے دو پرچے قیمت پر نکل لینے کے بعد تیسرا پرچہ یعنی مارچ ۱۹۰۹ء کا دلگداز اسی ۱۹۰۹ء کی پیشگی قیمت پر البتہ وی پی روانہ کیا جائے گا - لیکن اس گذشتہ سال کی قیمت کے متعلق ہمین آپ کی عنایت مہربانی شفقت اور قدیم مربی گری سے امید ہے کہ ہماری بلا طلب آپ ارسال فرما کے ہمین ہمیشہ کے لیے رہین منت فرمائین گے -

اگر کوئی صاحب آئندہ خریداری کے متعلق متردد ہون تو جنوری ۱۹۰۹ء کا پرچہ دیکھ کر رائے قائم فرمائین -

---

عمر عیّار

اردو پڑھنے والوں میں سے بہت کم ہوں گے جو اس نام سے ناآشنا ہوں۔ داستان گویوں نے اور امیر حمزہ کی داستان کے مصنفوں نے اس نام کو ایک ایسا مذاقی اور عجیب و غریب کیرکٹر بنا دیا ہے کہ ممکن نہیں یہ نام زبان پر آئے اور لوگوں کو ہنسی نہ آ جائے۔ مگر شاذ و نادر ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ یہ کون بزرگ تھے اور اُن کے اصلی حالات کیا ہیں۔ بہت سے لوگوں کے تو ذہن نشین ہوگا کہ یہ ایک بالکل فرضی اور قصہ گویوں کا بنایا ہوا نام ہے۔ مگر حقیقتاً ایسا نہیں ہے۔ یہ ایک بڑے بزرگ شخص تھے۔ اور گو اُن کے اصلی واقعات بھی مذاق سے خالی نہیں مگر اُن کے ساتھ ایسی ملاعبت کر دی گئی کہ داستان کہنے والوں نے گویا ایک بڑی گستاخی و بے ادبی کی ہے۔ دلگداز کی ہمیشہ کوشش رہی کہ لٹریچر کے ہیروؤں اور نامور مردوں کے حالات جہاں تک ممکن ہو صحیح طور پر بتا دیے جائیں تاکہ لٹریچر کی دنیا سے جہالت دور ہو۔ لہٰذا جس طرح حاتم طائی، قیس عامری، و لقمان حکیم کے حالات وقتاً فوقتاً بتائے جا چکے ہیں اُسی طرح اس پرچہ میں ہم جناب عمر عیّار کے حالات بیان کرتے ہیں جن کی زنبیل کی وسعت شعراء کے خیال سے زیادہ اور قصہ گویوں کے وہم و گمان سے بڑھ کے بتائی جاتی ہے۔

یہ ایک معزز و محترم صحابی رسول اللہ صلعم تھے جن کا اسم گرامی عمرو بن اُمیہ الضمری ہے۔ عمرو کو جہالت نے عمر بنا دیا۔ اور چونکہ لٹریچر اُن کے لئے قصہ میں بنا دیا گیا تھا اُس کی مناسبت سے اُن کو "عیّار" کا لقب دے دیا گیا۔ اور اسی لقب کی بنا پر داستان گوؤں نے انہیں عیّاری کا قادر الکلامی و فصیح البیانی کا ایک فن قرار پا گیا۔

عمرو بن امیہ الضمری جاہلیت ہی میں قتل و غارت۔ اچانک جا پہنچنے اور پھر حیلے بہانے سے کسی کو قتل کر کے کھسک جانے میں شہرت رکھتے تھے۔ اور قریش کے بڑے بڑے لوگ ان کی صورت سے ڈرتے اور گھبراتے تھے۔ جب قریش نے سرور کائنات علیہ السلام کو بہت ستایا۔ اور آپ کو مدینہ کے گوشہ عافیت میں

بھی بیٹھنا دشوار کر دیا تو آپ نے عمرو بن اُمیۃ الضمری کو حکم دیا کہ اپنے ساتھ ایک انصاری شخص کو لے کے جاؤ۔ اور کسی حکمت سے ابو سفیان بن حرب کو قتل کر ڈالو۔ اس لیئے کہ ابو سفیان ہی تمام قریش کو اُبھار اُبھار کے آپ کی دشمنی پر آمادہ کر رہے تھے۔ ابو سفیان اس وقت تک ایمان نہین لائے تھے۔ اور حضرت رسالت کے خلاف مکہ مین جتنے جھگڑے پیدا ہوتے تھے سب انہین کے سبب پیدا ہوتے تھے اگرچہ یہ کام دشوار تھا مگر پیغمبر خدا صلعم کے حکم مین تامل کرنے کی کسے مجال تھی۔ بلا تامل اپنے اونٹ پر بیٹھے اور اُن انصاری صحابی کو ساتھ لیا۔ اور چل کھڑے ہوئے۔ اُن بیچارے انصاری کے پاؤن مین کچھ شکایت تھی چل نہ سکتے تھے اس لئے اُنھین بھی اپنے اونٹ پر بٹھا لیا۔ اور ارض بطحا کا رخ کیا۔

جب مکہ کے قریب بطن یاجج مین پہونچے تو اونٹ سے اُتر کے اُسے ایک گھاٹی مین جہان تک کسی کا گزر کم ہو سکتا تھا باندھ دیا۔ اور اپنے انصاری رفیق سے کہا "اب ہم چلتے تو ہین۔ مگر تم میرے متعلق کسی قسم کا خدشہ دیکھنا تو بے تامل بھاگ کے یہان چلے آنا۔ اور اونٹ پر سوار ہو کے مدینہ واپس چلے جانا۔ اور جو کچھ تمھارے سامنے گزری ہو اُسے بلا کم و کاست بارگاہِ رسالت مین عرض کر دینا۔ تم میری فکر نہ کرنا۔ کیونکہ مین مکہ کے راستون اور گلی کوچون سے بخوبی واقف ہون۔ جیسی پیش آئے گی ویسا ہی کرون گا۔" اس باہمی قرارداد کے بعد دونون روانہ ہو کے مکہ مین داخل ہوئے۔ عمرو بن اُمیہ کے پاس ایک خنجر تھا جسے وہ کپڑون مین چھپائے ہوئے تھے۔ اور دل مین تھی کہ کسی نے مزاحمت کی تو اُسے اسی خنجر سے ڈھیر کر دون گا۔

مکہ مین داخل ہونے کے بعد انصاری رفیق نے عمرو بن اُمیہ سے کہا "اب یہان آنا ہوا ہے تو آؤ چل کے کعبہ کے گرد طواف کر کے حرم مین دو رکعتین پڑھ لین۔" عمرو نے کہا "چلو۔ مگر یاد رکھو کہ قریش لوگ مجھے بخوبی پہچانتے ہین وہ سب حرم کے رُخ پر اپنے مکانون کے صحنون مین بیٹھے ہوئے ہون گے۔ کسی نے بھی دیکھ لیا تو قیامت ہو جائے گی۔ لیکن خیر جو کچھ ہو چلو تو سہی۔" اس کے بعد دونون نے کعبہ کے قریب پہونچ کے اُس کے گرد سات طواف کیئے۔ دو رکعتین

پڑھیں۔ اور عبادت سے فارغ ہو کے واپس چلے تو ایک مقام پر گزر ہوا جہاں چند قریش بیٹھے ہوئے ایک دوسرے کی صحبت سے لطف اُٹھا رہے تھے۔ عمرو کی صورت دیکھتے ہی ایک شخص پہچان گیا۔ گھبرا کے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور بے تحاشا چلایا۔ "یہ عمرو بن اُمیہ الضمری ہے!" غل سنتے ہی جو اشخاص قریش چاروں طرف سے دوڑ پڑے۔ یہ حالت دیکھتے ہی عمرو نے اپنے رفیق سے کہا "میں نہ کہتا تھا؟ خیر اب جہاں تک بھاگا جائے بھاگو۔ ابوسفیان کا ہاتھ آنا تو محال ہے۔ لیکن اگر میرا ساتھ چھوٹ جائے تو تم بے تکلف گھاٹی سے اونٹ پر بیٹھ کے مدینہ چلا جانا اور میرا انتظار نہ کرنا۔ میں اپنی آپ نپٹ لوں گا۔" غرض یہ دونوں بھاگ کھڑے ہوئے۔ اور قریش نے جمع ہو کے کہا "اگر عمرو بن اُمیہ آیا ہے تو کوئی نہ کوئی آفت ہو جائے گی۔ وہ آدمی نہیں بلا ہے بلا ہے ڈرانے ہی آیا ہوگا۔"

عمرو اپنے انصاری رفیق کے ساتھ بھاگے۔ تو مکہ کے باہر ایک پہاڑ پر چڑھ گئے۔ وہاں خوش قسمتی سے ایک غار مل گیا جس میں دونوں گھس کے بیٹھ رہے۔ رات وہیں کاٹی۔ اور منتظر تھے کہ ہماری تلاش کا جوش ٹھنڈا پڑ جائے تو شہر کے آگے کا قصد کریں۔ کہ قریش میں سے عثمان بن مالک تیمی اپنے گھوڑے پر سوار اُس پہاڑ پر آیا۔ اور غار کے دہانے کے پاس ٹھہر کے سوچنے لگا کہ اندر جا کے بھی تلاش کروں یا نہیں۔ وہ اسی فکر میں تھا کہ عمرو بن امیہ نے چپکے سے نکل کے اچانک اُس کے سینے پر خنجر کا ایک ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ خنجر دستے تک اندر اُتر گیا۔ وہ چیخ مار کے دھم سے گرا اور یہ پھر اپنے غار کے اندر تھے۔ عثمان بن مالک نے گرتے وقت ایسی چیخ ماری کہ قریش آ پہونچے۔ اُسے مقتول دیکھ کے کہا "ارے یہ تمہیں کس نے مارا؟" اُس نے جواب دیا کہ "عمرو بن اُمیہ ضمری نے!" اور اتنا کہتے ہی دم توڑ دیا۔ یہ نہ بتانے پایا کہ عمرو بن اُمیہ نے مارا تو کہاں سے آ کے مارا اور مار کے کہاں چلے گئے۔

قریش کو اس سانحہ کا اتنا بڑا صدمہ ہوا کہ عثمان کی لاش اُٹھا کے لیجانے اور اُس کے تجہیز و تکفین میں مشغول ہو گئے۔ اور ان دونوں رفیقوں کو اور دو دن تک اسی غار میں چھپے بیٹھے رہنے کا موقع مل گیا۔ ان دونوں میں ان کی

تلاش کے طرف سے بھی قریش کا خیال نہیٹ گیا تھا۔ تیسرے دن دونون غار سے نکل کے مقام تنعیم کی طرف چلے۔ وہان کیا دیکھتے ہین کہ خبیب نام مکہ کے ایک معزز شخص کا یکچوبہ خیمہ نصب ہے۔ اور گرداگرد لوگ پہرہ دے رہے ہین۔ عمرو نے انصاری رفیق سے پھر کہا کہ "دیکھو اگر میرے متعلق کوئی اندیشہ نظر آئے تو تم بھاگ کے مدینے چلے جانا۔" اور یہ کہہ کے اُس خیمہ مین گھس گئے خبیب کو اِس طرح مار ڈالا کہ اُس کی لاش کا بھی کسی کو پتہ نہ لگا۔ اور اُس کے خیمہ کی چوب کو پیٹھ پر اُٹھا کے لے بھاگے۔ لوگون نے تعاقب کیا۔ تو چالیس قدم پر جا کے خیمہ کی چوب پھینک دی اور اس زناٹے سے بھاگے کہ کسی نے گرد بھی نہ پائی۔ آخر وہ لوگ عاجز آ کے واپس گئے اور انھون نے جو پلٹ کے دیکھا تو اِن کے انصاری رفیق کا پتہ نہ تھا۔ وہ بھلا اِن کے ساتھ کیا دوڑ سکتے؟ اُنھون نے راستہ ہی سے واپس جا کے بارگاہ رسالت مین کیفیت عرض کر دی اور سب کو عمرو بن اُمیہ ضمری کی زندگی سے یاس ہو گئی۔

عمرو بن اُمیہ یہان سے آگے چلے تو کوہِ ضجنان کے ایک غار مین گھس کے دم لیا۔ وہان بہ اطمینان سے بیٹھے تھے اور تیر و کمان سامنے رکھے ہوئے تھے کہ ایک شخص بھیڑیان چراتا ہوا آیا۔ اور دھوپ سے بچنے کے لئے اُس غار مین گھُسا۔ یہ ایک لمبا تڑنگا جوان تھا اور ایک آنکھ سے کانا تھا۔ اُس کی صورت دیکھتے ہی اِنھون نے کہا "تم کون؟" اُس نے کہا "مین قبیلۂ بنی دئل ابن بکر سے ہون۔ اب تم بتاؤ کہ تم کون ہو؟" عمرو بولے "مجھے نہین جانتے! مین بھی تو دئلی اور بکری ہون۔" وہ ہم قبیلہ تصور کر کے خوش ہوا۔ بولا "خوب ملے۔" اور اِن کے پاس آ کے لیٹ گیا۔ پھر لیٹتے ہی لیٹتے اُس نے یہ شعر گانا شروع کیا۔

وَلَسْتُ بِمُسْلِمٍ مَادُمْتُ حَيًّا   وَلَسْتُ اَدِيْنُ دِيْنَ الْمُسْلِمِيْنَا

(جب تک زندہ ہون مسلمان نہ ہون گا۔ اور نہ مسلمانون کا دین اختیار کرون گا۔)
اُس کا یہ شعر سن کے اِنھون نے دل مین کہا "اچھا سمجھا جائے گا۔" تھوڑی دیر مین وہ گاتے گاتے سو گیا۔ اور اِنھون نے موقع پاتے ہی اُسے مار ڈالا۔ کچھ ایسے برہم تھے کہ اُس کی وہ آنکھ جو صحیح و سالم تھی تیر ٹھیٹر کے نکال ڈالی۔

اور چلتے ہوئے۔ اب مدینہ کی طرف ایک تیز پرندہ کی طرح اڑتے چلے جاتے تھے کہ کچھ فاصلہ پر دو شخص نظر آئے۔ جب وہ قریب آگئے تو انھون نے پہچانا۔ اور سمجھ گئے کہ مشرکین مکے کے جاسوس ہین جنھین انھون نے رسول اللہ صلعم کے حالات دریافت کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ آپ فوراً لپک کے ان کے قریب گئے اور کہا "ہنستے ہو ؟ تم دونون ہمارے قیدی بن جاؤ" اُن دونون نے حیرت سے اِن کی صورت دیکھی۔ اور بولے "کیون ؟ ہم دو ہین اور تم اکیلے ہو" اس جواب کے سنتے ہی آپ نے عجب پھرتی کے ساتھ کمان سے تیر جوڑکے جو مارا تو تیر بہدف تھا۔ ایک شخص گر کے تڑپنے لگا۔ اور آپ نے دوسرے سے کہا "اب تو دونون جانب ایک ہی ایک شخص ہے۔ بس کہتا ہون کہ میرے قیدی بن جاؤ"۔ ان کی یہ پھرتی اور شجاعت دیکھ کے وہ ایسا حواس باختہ ہوا کہ بے اختیار ہتھیار ہاتھ سے چھوٹ پڑے۔ اور بولا "آیئے مجھے گرفتار کر لیجئے"۔ انھون نے جا کے اس کے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی کمان کی تانت سے خوب کس کے باندھا۔ اور اُسے کھینچتے ہوئے مدینہ کی طرف چلے۔

مدینہ قریب ہی رہ گیا تھا۔ تھوڑے سفر کے بعد داخلِ مدینہ ہوئے۔ یہان لوگون کو اِن کی زندگی کی امید نہ تھی اور اِن کے مرنے کی خبر اُڑ چکی تھی۔ چند انصار نے جونہین اِن کی صورت دیکھی بے اختیار خوشی سے چلا اُٹھے "عمرو بن امیۃ الضمری آگئے"! یہ آواز گلی کوچے کے کھیلنے والے لڑکون نے جونہی تو خوش خوش دوڑے ہوئے رسول اللہ صلعم کی خدمت مین گئے۔ اور عرض کیا "یارسول اللہ عمرو بن امیۃ الضمری آگئے"! آپ یہ مژدہ سن چکے تھے کہ خود عمرو اپنے قیدی کو کھینچتے ہوئے بارگاہ رسالت مین حاضر ہوئے۔ آپ اِن کو اِس وضع قطع اور اِس حالت مین دیکھ کے بہت ہنسے اور کیفیت پوچھی۔ اِنھون نے ساری سرگذشت اول سے آخر تک سنادی۔ اور حضرت سرور کائنات نے خوش ہو کے انھین دعائے خیر دی۔

جو کتابین صحابہ کے حالات مین ہین اُن کے دیکھنے سے غالباً عمرو بن امیہ الضمری کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہو سکین گے۔ مگر کتب تاریخ و سیر مین اِن کا

یہی واقعہ زیادہ مشہور ہے۔ اور یہی واقعہ ہے جس کی بنیاد پر یہ عمرو بن امیہ سے عمر عیار بنا دیے گئے۔

قیس و لبنیٰ

ختم ۱۹۰۸ء کے ساتھ ہم اپنا ایک نیا ناول قیس و لبنیٰ پبلک کے روبرو پیش کرتے ہیں۔ اس میں عربی مذاق اور عربی معاشرت کے مختلف نمونے دکھانے کے ساتھ ایک سچے عاشق عرب کے نفس الامری واقعات درج کر دیے گئے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ناول تاریخی ہیں مگر پھر بھی اُن میں ناول کا پلاٹ درست کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ تصرف کر کے تاریخ کو بدلنا ہی پڑا ہے بخلاف اُس کے اس ناول میں یہ خاص بات ہے کہ قیس بن ذریح کے جو کچھ واقعات تھے سب ایک عمدہ ترتیب سے باہم منسلک کر دیے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ گفتگو کا سلسلہ بنایا ہوا ہے مگر اس کے ساتھ یہ بھی نہ کبھی جرأت کی جا سکتی ہے کہ حسن حقیقی پر فقط نقاشی اور رنگ آمیزی کی گئی۔ بجنسہ اور بسر

ابتدا میں قیس کا اتفاق سے بنی کعب میں جانا۔ لبنیٰ کا پانی پلانا۔ اور لبنیٰ کی صورت دیکھتے ہی قیس کا اُس پر عاشق ہو جانا۔ اس کے بعد اس کی سرگردانی و پریشانی۔ پھر جناب امام حسینؑ کی سعی سے عقد ہونا۔ اور خود جناب امام کا ذرمہ دار ہونا۔ پھر اولاد نہ ہونے سے اور نیز ان کے باہمی وفور عشق کو دیکھ کے قیس کی ماں کا برہم ہونا اور آخر قسم کھا جانا کہ جب تک قیس لبنیٰ کو نہ طلاق دے گا میں نہ سایے میں بیٹھوں گی اور نہ بستر پر سوؤں گی۔ ایک مدت تک ماں دھوپ میں رہتی کہ قیس اس پر اپنی چادر سے سایہ کیے رہتا۔ اور آخر زندگی سے تنگ آ کے لبنیٰ کو طلاق دینا۔ پھر اپنے اس فعل پر ندامت۔ افسوس۔ جوش عشق کا بھڑکنا بنی عذرہ کی لڑکیوں کا چھیڑنا۔ اور آخر قیس کا بیمار پڑنا۔ طبیب کا آنا۔ اور یہ مشورہ دینا کہ قیس کو اس کی طبیعت پر چھوڑ کے قبائل عرب میں پھرنے اور دورہ کرنے کا موقع دیا جائے شاید اس طریقے سے وہ لبنیٰ کو بھول کے کسی اور لڑکی پر فریفتہ ہو جائے۔ آخر اسی سفر کے

بدولت بنی فزارہ کی لبنی سے اس کا عقد ہوجانا۔ اور اس عقد کی خبر سُن کے لبنی کعبیہ کا بہ حکم امیر معاویہ خالد بن خلدہ غطفانی سے عقد کر لینا۔ یہ سُن کے قیس کا مجنون ہو کے دشت پیمائی کرنا۔ عبد اللہ بن عباسؓ کا اُس سے ملنا۔ پھر اُس کا مجنون عامری سے جاکے ملنا۔ اُس کا پیام لے کے لیلیٰ کے پاس جانا۔ اور لیلیٰ کا شکایت کرنا کہ مجنون اپنے اشعار مین کہتا ہے کہ مین اُس سے ملنے کو گئی تھی بھلا اُن سے پوچھو تو کہ مین کب آئی تھی۔ پھر مجنون کو اس جواب سے مطلع کر کے مدینہ کی راہ لینا۔ راستہ مین لبنی کے شوہر خالد کا ملنا۔ اُس کا اونٹ خریدنا۔ اور مدینہ مین کثیر بن صلت کے مکان پر بلانا۔ اور وہان روپیہ دئے جانے کے بعد لبنی کا اُسے پہچاننا اور کہنا کہ یہ تو قیس ہے۔ پھر حضرات حسینؓ کی کوشش سے خالد کا اُسے طلاق دینا۔ مروان کی مخالفت۔ اور قیس کا دربار معاویہؓ مین جاکے کامیاب واپس آنا۔ دوسری طرف بنی فزارہ کی لبنی کا اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ مین آنا۔ اور آخر قیس و لبنی کا دوبارہ عقد ہونا۔ اور دوسری لبنی کا بھی باوجود اختیار ملنے کے قیس ہی کے پاس رہنے کو پسند کرنا یہ سب واقعات سچے اور تاریخی ہین۔ اور ہم نے اتنا بھی تصرف نہین کیا جتنا کہ مجنون عامری کے حالات بیان کرنے مین اکثر مثنویون مین کیا گیا ہے۔ عرب مین قیس کو دوسرے عاشق عرب مجنون عامری کے مقابل مین زیادہ شہرت حاصل تھی عاشق لیلیٰ مجنون کا نام قیس نہ تھا بلکہ اُس کا صحیح نام عامر تھا۔ اگرچہ ضعیف رواتون سے اُس کے اور نام بھی ثابت ہوتے ہین۔ اور اُس کے باپ کا نام ملوح تھا۔ مگر فارس والون نے عاشق لبنی قیس کا نام اُسے دے کے اُس کے باپ کا نام عامر بتا دیا۔ جو کہ دراصل خود اُسی کا نام تھا۔

بہرحال ہم نے اِس ناول کے ذریعہ سے ایک ایسے عاشق عرب کے حالات اردو پبلک مین پیش کر دئے ہین جو مجنون عامری سے زیادہ شہرت کا مستحق ہے۔ اور جس کی معشوقہ لبنی دراصل لیلیٰ سے زیادہ صاحب جمال تھی۔ اِس ناول کی قیمت حسب معمول ۸ کلدار یا ۸ سکہ محبوبیہ مقرر کی گئی ہے۔ ناولون کے شایقین اور ہمارے قدر افزا جلد توجہ فرمائین۔ اس لئے کہ اب کی مرتبہ اشاعت دلگداز سے بھی ہوئی تھوڑی ہی جلدین رہ گئی ہین۔

آغائی صاحب

دوسری کتاب جو اسی سنہ ۱۹۰۸ء کے ساتھ تکمیل کو پہونچی مندرجۂ عنوان کتاب ہے جس مین لکھنؤ کے امیر اعظم مرزا آغا علی خان عرف آغائی صاحب کے حالات زندگی عمدہ ترتیب اور تہذیب سے جمع کر دیے گئے ہین۔ آغائی صاحب اُن نامی گرامی لوگون مین سے تھے جنھون نے عہد شاہی کو بھی دیکھا اور عہد برطانی کو بھی۔ اور اس کے ساتھ خوبی یہ کہ دونون مختلف وقتون مین دونون دورون مین ممتاز و معزز رہے۔ شاہی مین آدھی ریاست اودھ کے ناظم یا کمشنر تھے اور انگریزی عہد مین شہر کے ایک صاحب ثروت و اثر امیر اور حکام و محکومین دونون کے معتمد علیہ۔ اور در حقیقت وہی تھے جنھون نے نئے برطانی حکام کے دلون کو خستہ و خراب رعایا اور شاہی خاندان و شاہزادون اور نواب زادون کی طرف سے صاف کیا۔ اس پر یہان تک کہ [illegible] اگرچہ آغائی صاحب کے نام سے دیگر اقطار ہند کے لوگ واقف نہین اور شاید بہت تھوڑے ہونگے کہ ایک ایسے شخص کے حالات زندگی مین کیا عظمت [illegible] ناآشنا ہون مگر اُنھین اگر دنیا مین ترقی کرنا ہے تو ان لوگون کے حالات ضرور پڑھنے جنھون نے دنیا مین اپنے لیے ترقی کا راستہ خود بنایا ہے۔ اور محض اپنی قوت بازو سے اوج کمال پر پہونچ گئے ہین۔ اگرچہ ہم نے ایک ایسے نامور شخص کی جس کی شہرت اُس کے وطن اور اُس کے شہر ہی کے محدود تھی شہرت عام کے دائرے مین انٹروڈیوس کیا ہے لیکن ہمین یقین ہے کہ جس قابل شخص کو ہم نے پبلک کے روبرو پیش کیا ہے وہ ہر طرح اس کا مستحق ہے۔ اور اس قابل ہے کہ ہر جگہ کے لوگ جو ابتدا ترقی کے میدان مین قدم رکھتے وقت اُس کے حالات و واقعات کو اپنی نظر کے سامنے رکھین۔ اور اُن سے سبق لین۔ اس کی قیمت ایک روپیہ [illegible] عمر سکۂ حالی ہے۔

لے جانے کے بعد وقت حسن آباد کی ترقی مسدود ہو جائے گی۔ اس کا مجکو بڑا ملال ہے۔ کیونکہ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ کی مدح پر عمل کرنے سے وہ اس امر کا ایک ذریعہ بن سکے گا کہ گجرات کے بہت سے عالی خاندان لوگ تنگ مصیبت فاقہ کشی سے نجات پائیں گے

تقریریں تاریخی ہیں کہ حسن آباد سے شرفا پروری کا کام لینا آغا خان صاحب ہی کا پہلا خیال تھا۔ ورنہ اس کا خیر مقدم [illegible] فدا منشی [illegible] سرگرم رہا کرتے تھے [illegible] ایک لیڈ دو انھوں کو [illegible] دیتے تھے۔

آغا خان صاحب [illegible] ہندوستان میں نیشنل کانگرس کا ہنگامہ بلند [illegible] انگریزی [illegible] ہندو قوم [illegible] بنگالی [illegible] لگے تھے کی۔ [illegible] کی نگاہوں سے دیکھا اور کانگرس والوں [illegible] کام کی [illegible] سے کلکتہ کا پولیٹکل زور ہندوستان [illegible] کل ملک کی [illegible] پھوٹ نکلا ہے۔ اور [illegible] امن و امان کی ایک سخت مشاہیر اتحاد و اتفاق بنا رہا ہے [illegible] پہلے [illegible] کی۔ [illegible] کہ انھوں نے اس وقت [illegible] کہ مسلمانوں کو ایک ڈوبتی کشتی میں [illegible] لیا۔ بلکہ کانگرس کی [illegible] توڑ دی

[illegible] آغا خان صاحب [illegible] کام کے [illegible] اکثر حکام انگریزی [illegible] اور صاف دلی سے اپنے خیالات بھی ان پر ظاہر کر دیے آغا خان صاحب [illegible] کی اس [illegible] کو نفرت کی نظر سے دیکھا [illegible] اور [illegible] کی [illegible] کا نتیجہ ہو کہ [illegible] زور شور سے ہوئی ہندوستان [illegible] نہ ہوتی ہو گی۔

[illegible] بہت رسوخ پیدا کر لیا تھا مگر خوشامد نام کو نہ تھی [illegible] اور خودداری کو ہمیشہ اپنی رائے کا اظہار ان الفاظ

مین کیا کرتے کہ "آغا نی تو یون کہتا ہے" یا "آغا نی کی تو یہ رائے ہے"۔ اپنے آپ کو غائب کے صیغون اور ضمیرون سے ظاہر کرنا اُن کا ایک خاص اور نہایت ہی موثر طرز گفتگو تھا۔ اُن مین مذہبی جوش اور ہم مذہبون کے ساتھ رعایت کرنے کا خاص جوش تھا۔ چنانچہ اپنے وصیت نامہ مین اُنھون نے تمام رعایتون اور فیاضیون کو خاص شیعون کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے جیسا کہ اس کے بعد ظاہر ہوگا اس کے ساتھ منصف مزاج اور غیر متعصب بھی تھے۔ اور یہ اُن کی خاص صفت تھی کہ طرفداری و پاس داری کا جوش قوت انصاف پر نہین غالب آنے پاتا تھا۔ چنانچہ جب لکھنؤ کے شیعون سنیون مین یہ جھگڑا شروع ہوا کہ شیعہ اذان مین "خلیفتہ بلا فصل" کہتے تھے اور سنیون کو اُنکی طرف سے دعوی تھا کہ یہ تبرا ہے۔ ہم نہین سن سکتے۔ تو حکام انگریزی مین یہ پریشانی پیدا ہوئی کہ کیا کیا جائے۔ کمشنر صاحب نے آغا نی صاحب سے پوچھا "آپ کیا فرماتے ہین؟ شیعون نے اذان مین یہ نیا فقرہ بڑھایا ہے یا اس سے پیشتر بھی کہا جاتا تھا۔ آغا نی صاحب نے نہایت حق پرستی و آزادی مشربی سے بے تکلف کہہ دیا۔ "نہین پہلے کبھی نہین کہا" اس پر اکثر شیعہ برہم بھی ہوئے۔ اور کسی صاحب نے کمشنر صاحب کے سامنے کہہ بھی دیا کہ آپ کبھی مسجد مین گئے ہوتے تو معلوم ہوتا۔ اس کے جواب مین آغا نی صاحب ایک کمزور بڈھے بہرے شخص کا ذلیل حملہ تصور کر کے کمال متانت سے خاموش ہو رہے۔ کیونکہ اُن کا وصیت نامہ اُن کا امام باڑہ اُن کی مسجد اُن کے مذہبی مذاق اور خاص شیعون کے ساتھ محض حسبتہً للہ اُن کے سلوک سب پکار پکار کے کہہ رہے تھے کہ وہ کبھی مسجد مین گئے یا نہین۔ اور کھوسے کے باغ کی مسجد کا موذن جو ان کے وقت سے چھ روپئے ماہوار پاتا ہے ہر روز پانچون وقت اذان دے کے آغا نی صاحب کی دینی سرگرمی کی شہادت دیا کرتا ہے۔

پندرھوان باب

وصیت اور وفات

مذہبی خوش عقیدگی اور عاقبت اندیشی آغا نی صاحب کے خمیر مین پڑی ہوئی

تھیں چنانچہ ابتدا ہی سے اُنھیں خیال تھا کہ اپنے امام باڑے لیے جو اپنے خاندانی مقابر، اپنی مسجد اور اپنے دینی مشاغل وفیوض کا کوئی ایسا سلسلہ قائم کر دیں کہ اُن کی بقا اور خیرات ومبرات کے سلسلہ کے ہمیشہ جاری رہنے کے متعلق اطمینان ہو جائے۔ بار بار یہ خیال پیدا ہوتا تھا اور بغیر کوئی صورت نکلے زائل ہو جاتا تھا آخر ۱۸۹۶ء میں وصیت نامہ کا ایک مسودہ مرتب کر کے گورنمنٹ کے ذریعہ سے چیف کمشنر اودھ کے پاس بھیج دیا۔

اس وصیت نامہ کی رو سے انھوں نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ کے پرامیسری نوٹ پیش کیے جن کی سالانہ آمدنی چھ ہزار روپیہ تھی۔ ان چھ ہزار روپیوں کے مصارف انھوں نے پانچ مدوں میں تقسیم کیے تھے۔ مد اول کربلائے معلیٰ میں روضۂ اقدس حضرت امام حسین علیہ السلام پر روشنی کرانے میں [illegible] سالانہ صرف کیے جائیں۔ مد دوم اُن کی امام باڑے واقع لکھنؤ میں ہر سال [illegible] صرف ہوا کریں۔ ان مصارف کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ ہمیشہ عشرۂ محرم [illegible] ماہوار مجالس [illegible] ایام [illegible] اور نوروز میں اور ہر مہینہ قرآن خوانی کی ایک مجلس ہوا کرے اُس میں فی مجلس [illegible] کے حساب سے [illegible] سالانہ ہر پنجشنبہ کو اُن کی فاتحہ ہوا کرے جس میں سالانہ [illegible] اور عملے کی تنخواہ میں [illegible] سالانہ صرف کیے جایا کریں۔ عملے میں سب سے پہلے تو پنڈت ہر پرشاد منیجر کا نام ہے جن کی ماہوار [illegible] ہے۔ ان کے بعد ایک شیعہ منتظم مجالس ماہوار پانے والا [illegible]۔ تنخواہ دار [illegible] نفر سپاہی جن میں سے ہر ایک کی ماہوار [illegible] مکان دار [illegible] فراش [illegible] اور [illegible] کل [illegible] ماہوار کا عملہ ہے جن کا سالانہ صرف حسب بیان سابق [illegible] ہوتا ہے۔ تیسری مد میں خود آغا میر صاحب کے مقبرے کے مصارف ہیں۔ اتنا فی نفر [illegible] ماہوار کے حساب سے ۱۰ قرآن خوان اور [illegible] اور [illegible] ماہوار روشنی کے [illegible] سالانہ صرف ہوں۔ چوتھی مد میں لکھنؤ میں [illegible] باغ کے مصارف ہیں جہاں اُن کے اعزا واقارب دفن ہیں [illegible] اس میں دو قرآن خوان بحساب فی نفر [illegible] ماہوار ایک موذن ماہوار [illegible] باغبان ماہوار پانے والے اور فاکروب ماہوار پانے والا کل [illegible] سالانہ کا خرچ ہے۔ پانچویں مد خالص خیرات ومبرات کی ہے۔ اس میں [illegible]

سال کا خرچ اس غرض کے لیئے رکھا گیا ہے کہ سو شریف محتاجون کو جو ضعیف و بیمعاش ہون عہ روپے ماہوار بسر کرنے کے لیے دیئے جایا کرین چھٹی مد مین سو روپیہ سالانہ اس غرض کے لیئے مخصوص کیئے گئے ہین کہ اُن سے مفلوک الحال سادات و مومنین (شیعون) کی تجہیز و تکفین کی جایا کرے۔ ساتوین مد مین بطور مراعات چند اشخاص مذکور وقفنامہ کی تنخواہین حین حیات تک کے لیے رکھی گئی ہین۔ اور وصیت کر دی گئی ہے کہ ان لوگون کی وفات کے بعد یہ رقم چھٹی یا پانچوین مد مین منتقل کر دی جائے۔ یعنی یہ بھی بحساب دو روپیہ ماہوار فلاکت زدہ و پریشان حال محتاجون کو دی جایا کرے۔

وصیت نامہ مین ۲۶ دفعات ہین جن کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ اس وقف کے منیجر پنڈت ہرپرشاد اور اُن کے بعد اُن کی اولاد رکھی جائے۔ اور چونکہ وہ ہندو ہین اور رسوم دینی کی بجا آوری سند دست ناآشنا ہین لہذا ایک شیعہ منتظم جو سید یا مغل ہو مقرر کیا جائے۔ لیکن اگر کسی زمانے مین منیجری کی خدمت پر کوئی مسلمان مقرر ہو جائے تو پھر منتظم کے تقرر کی ضرورت نہین اُس کی ماہوار بھی خیرات و مبرات مین دے دی جائے گی۔ وقف کے انتظامات و تقررات ایک مجلس کی زیر نگرانی رہین جس کے پریسیڈنٹ اُن کے فرزند مرزا محمد عباس اور اُن کے ورثہ رہین گے۔ اور ارکان لکھنؤ کے شیعہ امرا اور آغائی صاحب کے خاندان کے لوگ ہون گے۔ سرکار اگر کبھی نوٹون کی اصل رقم واپس کر دے تو مجلس مذکور اُس روپیے سے جائداد و اراضی خرید لے جن محتاجون کو ماہوارین دی جائین گی اُن کا انتخاب بھی مجلس مذکور کرے گی۔ اور اگر خود آغائی صاحب کے اعزا مین سے کوئی محتاج ہو جائے تو اُسے دوسرے محتاجون پر ترجیح دی جائے گی۔ خود آغائی صاحب اگر لکھنؤ مین دفن ہون تو اُن کے مقبرے کے مصارف یہین سے متعلق رہین گے۔ اور اگر عراق وغیرہ مین کہین اور مدفون ہون تو وہ رقم وہین منتقل کر کے وہان کے مجتہد صاحب کے ذریعہ سے صرف کیئے جائین گے۔ لیکن اگر مجتہد صاحب کے انتظام پر اطمینان نہ ہو تو اُن کی نگرانی عراق کے سفیر انگریزی یا دیگر برٹش سفرا کے ذریعہ سے کرائی جائے گی۔

اس وصیت نامہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آغائی صاحب کو کس قدر پاس مذہبی تھا۔ اور کتنے بڑے دیندار امرائے زمانہ مین تھے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ آپ کی ذات مین کس قدر احتیاط عاقبت اندیشی اور ہوش تدبیری کے کمالات بھرے ہوئے تھے۔ غرض یہ وصیت نامہ لکھنؤ کی چیف کمشنری سے سفارش کے ساتھ گورنمنٹ آف انڈیا مین گیا۔ اور اس کی منظوری کے بعد سکرٹری چیف کمشنر بہادر نے کمشنر لکھنؤ کو بذریعہ چٹھی نمبر ۲۶۴۳ مورخہ ۳۰ ستمبر ۱۸۶۵ء لکھا۔

"۱ حکم صاحب چیف کمشنر بہادر نے ہدایت فرمائی ہے کہ آپ کی چٹھی نمبری ۴۸۰ مورخہ [illegible] نومبر کا جواب دون جس کے ساتھ آپ نے آغائی صاحب کی اس مضمون کی درخواست ارسال کی تھی کہ ایک لاکھ پچاس ہزار کے نوٹ جس کے سود کی نسبت ان کی خواہش ہے کہ قرآن خوانی اور خیرات مین صرف ہو محکمہ صاحب ڈپٹی کمشنر لکھنؤ مین محفوظ رکھے جائین اور ان کا سالانہ یا ششماہی حساب دفتر مذکور مین داخل کیا جائے۔

۲ اس کے جواب مین تحریر کیا جاتا ہے کہ صاحب چیف کمشنر بہادر کی رائے مین کہ جو نتیجہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے محکمہ مین حساب داخل کرنے سے حاصل ہے وہی رجسٹرار کے محکمہ مین داخل کرنے سے حاصل ہوگا۔ لیکن چونکہ صاحب چیف کمشنر بہادر ان کی لیاقت و وفاداری اور سرکاری امور مین مدد دہی کو بخوبی تسلیم کرتے ہین۔ اور آغائی صاحب کو دفتر ڈپٹی کمشنر کی نسبت اصرار ہے۔ لہذا سرجارج کوپر صاحب کو کچھ انکار نہین ہے۔

۳ بہرکیف واضح رہے کہ نوٹ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے سپرد کئے جائینگے اور حساب بھی داخل ہوگا۔ مگر سرکار دربارۂ انتظام خرچ اور حساب کی صحت کے ذمہ دار نہین ہے۔ سرکار حساب اور نوٹون کی حفاظت اسی طرح کریگی جس طرح اپنے کاغذات کی کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی بدنیت شخص کاغذات کو دفتر سے نکال لے جائے تو سرکار اس کی ذمہ دار نہین ہے۔"

اس چٹھی سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان نوٹون کا انتظام کس طریقے سے ہوا اور آغائی صاحب نے اپنے مقبرے اپنے فاتحہ و درود اور اپنی خیرات و مبرات کا

کیسا مضبوط و پختہ انتظام کر کے اور کس قدر فارغ البالی حاصل کر کے سفر آخرت کیا۔

آخر عمر تک آغائی صاحب توانا و تندرست رہے۔ کام میں ہمیشہ مستعد اور چست و چالاک تھے۔ اور معمول تھا کہ آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھتے۔ آخر عمر میں جبکہ عمر اسّی سے تجاوز کر چکی تھی کبھی کبھی موسمی تغیرات سے خفیف درجہ کا سوء مزاج پیدا ہو جاتا۔ لیکن اطبا اور ڈاکٹروں نے ہمیشہ اس کو خفیف اور غیر قابل توجہ تصور کیا۔ نزلہ اور سوزنفس کے جو شکایات ظاہر ہوئے اُن کو بھی اطبا نے نہایت معمولی جانا۔ اور کبھی کسی معالج نے آخر عمر تک یہ نہیں کہا کہ اُنھیں کوئی ایسی شکایت ہے جس سے کسی قسم کا اندیشہ ہو۔

سنہ ۱۳۳۰ھ میں جبکہ عمر بیاسی برس کو پہنچ چکی تھی نواب مہدی علی خان کے ساتھ ۲۸ ماہ صفر کو چہلم کے دن تال کٹورے کی کربلا (واقع لکھنؤ) میں گئے۔ سرما کا موسم تھا۔ اور ہوا خنک تھی۔ واپس آئے تو نزلہ اور کھانسی کی شکایت پیدا ہو گئی۔ علاج کیا گیا مگر کارگر نہ ہوا۔ اور مرض کو طول ہو گیا۔ اب اخراج رطوبات اس درجہ کو پہونچ گیا کہ شب و روز میں سات آٹھ اُگالدان خالی کیے جاتے۔ یہ ان سالی مرض کی معین ہوئی۔ اور غذا بھی کم ہو گئی۔ جس سے ضعف ترقی کرنے لگا۔ اب بھی ڈاکٹر کلیگھا ران سول سرجن کی یہی رائے تھی کہ کوئی عارضہ نہیں۔ لیکن اُن کی حالت نازک ہوتی جاتی تھی۔ اب برودت کے اثر سے چہرے اور پاؤں پر ورم آ گیا۔

لیکن آخر میں وہ ورم بھی کم ہو گیا۔ اخراج رطوبات میں بھی خفت نظر آئی۔ اطبا اور ڈاکٹروں نے اطمینان دلایا کہ اب آپ اچھے ہیں۔ منزلے کوٹھے پر رہتے تھے۔ اتنی قوت آ گئی کہ لکڑی کے سہارے سے اُتر کے نیچے آئے۔ اور اپنے امام باڑے میں بیٹھ گئے۔ اتنی دیر میں بعض احباب ملنے کو آئے اُن سے ملے۔ ضریح پر نصب کرانے کے لیے ایک قیمتی شامیانہ بنوایا تھا اُسے اپنے سامنے نصب کرا کے دیکھا اور پسند فرمایا۔ پھر خود ہی اُٹھ کے امام باڑے میں ٹہلنے لگے ٹہل ہی رہے تھے کہ ڈاکٹر کلیگھا ن آ گئے۔ اُن سے خندہ جبینی کے ساتھ ملے اور کہا "آج میں گن کے دو سو قدم ٹہلا ہوں"۔ اُنھوں نے کہا "بس اب آپ اچھے ہیں۔ فقط ضعف باقی ہے دو چار روز میں جاتا رہے گا"۔ صبح کو اترسے تھے

بارہ بجے پھر کوٹھے پر چلے گئے۔ اور بیٹھ کے قرآن مجید کی تلاوت کرنے لگے۔ تھوڑی دیر تلاوت کرنے کے بعد کہا "نماز کے لیے ابھی کافی وقت باقی ہے۔ اور مجھے کچھ غنودگی سی معلوم ہوتی ہے۔" مرزا اکبر حسین نے جو شریک تلاوت تھے کہا "ہان ابھی نماز کا بہت وقت باقی ہے۔ آپ تھوڑی دیر کے لیے آرام فرمائین" اب لیٹنے کا ارادہ کیا۔ مگر لیٹا نہ جاتا تھا تکیون کے سہارے پر ذرا دراز ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر مین دو بجے تھے کہ آنکھ کھل گئی۔ سامنے الماری پر انار رکھے ہوئے تھے۔ سعادت خدمت گار سے کہا "ایک انار تو اٹھا دے" وہ لایا تو چند دانے لے کے منھ مین رکھے اور منھ بنا کے کہا "یہ کیسا انار ہے کہ منھ کڑوا ہو گیا۔ آبخورہ لا" اُس نے آبخورے مین پانی دیا۔ اور اُنھوں نے آبخورے کو ہاتھ مین لے کے ایک گھونٹ منھ مین لیا تھا کہ آبخورہ ہاتھ سے گرنے لگا۔ سعادت نے پھرتی سے آبخورہ لے لیا۔ اور آغائی صاحب جس حالت مین تھے اُسی مین رہ گئے۔ لوگ دوڑے اور غور سے دیکھا تو انتقال ہو چکا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آغائی صاحب کی لائف کا جو مواد ہمارے پاس ہے اُس سے پتہ نہین چلتا کہ مرحوم کہان دفن ہوئے۔ سنتے ہین کہ لاش حسب وصیت کربلائے معلیٰ بھیجی گئی تھی اور اُن دنون گورنمنٹ عثمانیہ کی جانب سے عراق مین باہر کی لاشون کے لانے اور دفن کرنے کی ممانعت تھی۔ مگر انگریزی سفیر کی وساطت سے اُن کی لاش وہین دفن کرائی گئی۔ لیکن ہمین اصل حقیقت قطعی طور پر نہین معلوم۔ ممکن ہے کہ بعد دریافت ہم ایک ضمیمہ اِس لائف کا بڑھا دین۔ کیونکہ ایسے نامور و محترم شخص کے مدفن کا نہ معلوم ہونا بڑے افسوس کی بات ہے۔ صرف اسی لیے نہین کہ مرحوم کی تربت کی زیارت کرنی ہو تو کہان جائین۔ بلکہ اس لیے بھی کہ اِس بات کا معلوم ہو جانا نہایت ضروری ہے کہ مرحوم نے اپنے وقف مین جو مصارف اپنے مقبرے کے متعلق رکھے تھے وہ کہان صرف ہو رہے ہین۔ لکھنؤ مین یا کسی اور جگہ؟ اور نیز یہ بھی کہ وصیت نامہ کے مطابق وقف کی رقمین خوش انتظامی سے صرف ہو رہی ہین یا نہین؟

مرحوم کے جوان بخت صاحبزادے مرزا محمد عباس علی خان بہادر سے ہمین

یقینی امید ہے کہ انھون نے اپنے امکان بھر کوئی ایسی کارروائی نہ ہونے دی ہوگی جو وصیت نامہ کے منشے کے خلاف ہو۔ خود مرزا صاحب کی فیاضیون سے مختلف قسم کے فیوض جاری ہین۔ اور شیعہ مسلمانون کو ان سے تمام قسم کا فائدہ پہونچ رہا ہے۔ ہم یہ تو نہین کہتے کہ آغائی صاحب مرحوم کے وقت مین وصیت کے خلاف کوئی کارروائی کی جاتی مگر اب مرزا صاحب کو اس کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے کہ ہندوستان مین اس کا زمانہ نہین رہا ہے کہ فیاضیان فرقون اور خاص گروہون تک محدود رکھی جائین۔ ان دنون ہر مسلمان کو عام فیاضی کرنی چاہیے۔ اور مرزا صاحب کو کوشش کرنی چاہیے کہ جیسا علمی فائدہ ان کی ذات بابرکات سے شیعون کو پہونچ رہا ہے سنیون کو بھی پہونچے۔ مگر افسوس ابھی زمانہ نہین آیا ہے کہ لکھنؤ سے ایسے وسیع النظری کے خیالات ظاہر ہون